

ف - 123

معاشیات نظام مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم



عربی

تصنیف:

سر قادی (ایم اے اسلامک)

327

مصطفیٰ الیڈی کی پیو جامع مسجد باوامی باغ لاہور

کے

جس کے پرتو سے منور رہی تیری شبِ دوش
پھر بھی ہو سکتا ہے روشن وہ چراغِ خاموش

(اقبال)

معاشیاتِ نظامِ مصطفیٰ

صلیٰ علیہ وسلم

تصنیف

متخصص فقہ و قانون اسلامی

مفتی محمد البوسعدی غلام سرور قادری

(ایم اے اسلامک لاء)

استاذ الحدیث والادب العربی جامعہ نظامیہ رضویہ
وخطیب بیکو جامع مسجد، بادامی باغ لاہور

ناشر

مصطفیٰ اکیڈمی، بیکو جامع مسجد، بادامی باغ لاہور

الاهداء

52865

اپنے خصوصی کرم سراؤں !

- الحاج قبلہ ملک بشیر احمد صاحب ڈائریکٹر انٹی کرپشن صوبہ پنجاب
 - الحاج ملک محمد رمضان صاحب لٹو (اوج شریف)
 - " " عبد المالك صاحب " "
 - میاں محمد اکبر صاحب مینجر فرم حاجی محمد و خوشی محمد غلہ منڈی، ہارون آباد
 - حضرت مولانا پیر غلام درویش شاہ صاحب ہاشمی قادر پوری
(تحصیل خان پور ضلع رحیم یار خاں)
 - حضرت قبلہ الحاج نذیر احمد صاحب نقشبندی، شاد باغ، لاہور
- کے حضور، جن کی علم دوستی و علمی و تدریسی کارنامے شکر گزار ہے

محمد البوسعید قادری

معاشیات نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	نام کتاب :
مفتی محمد البوسعید غلام سرور قادری	مصنف :
مصطفیٰ اکیڈمی سیکو جاب مع مسجد بادامی باغ، لاہور	ناشر :
محمد عاشق حسین ہاشمی - لاہور	کتابت :
۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء	سن اشاعت :
۱۰/- روپے	ہدیہ :

فہرست مضامین

۲	حضور نے ضرورت سے زائد مال کو حاکموں کو	۲	الاباء
۳۰	۱۰ میں تقسیم کرنے کا حکم فرمایا	۱۰	انتساب
۱۱	ضرورت اور سہولت کے مختلف احکام	۱۱	اظہار خیال
۳۲	۱۲ مساوات اور ہمدردی کے مواقع	۱۲	تقدیم
۳۳	۱۳ اسلامی نظام معیشت میں کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا	۱۳	نظام مصطفیٰ کا مطالعہ
۱۴	کیا فقر و فاقہ خدا کی تقدیر سے ہے؟	۱۴	کفر ملت واحدہ
۳۴	۱۶ عالم تکوین و تشریح	۱۶	اسلام آزاد؟
۱۵	فلسفہ نفاذ درجہ رزق	۱۵	سیاست اور علما
۳۶	۱۸ اپنا اپنا فرض	۱۸	سرمایہ داروں اور عوام سے حرفِ آخر
۳۷	۲۱ تنگ دستی اور اسلام	۲۱	موجودہ معاشی ناہمواری اسلام کی نظر میں
۳۸	۲۲ حرص دولت کی ممانعت	۲۲	بے تحاشہ معاشی خوشحالی
۳۹	۲۳ ضرورت سے زائد مال کا رکھنا	۲۳	موجودہ معاشی ناہمواری کا ذمہ دار کون؟
۴۰	۲۵ احتکار کی تعریف و ممانعت	۲۵	اسلام کے معاشی نظام کی خوبیوں کا اجمالی خاکہ
۴۰	۲۶ جانوروں کے چارہ میں ممانعت	۲۶	یمن میں ایک بھی مفلس نہ رہا
۴۱	۲۷ احتکار کے جواز کی ایک صورت	۲۷	اسلام کے معاشی اصول قرآن کی روشنی میں
۴۲	بوقتِ ضرورت ذخیرہ اندوز تاجروں کے	۴۲	معاشی حقوق میں سب برابر ہیں
۴۳	۲۹ ذخیرہ اندوزی کی ضرورت کی تقسیم کیا جائے	۲۹	منائدہ
۴۳	۳۰ انفرادی معیشت	۳۰	سب برابر حقوق معاش فراہم کرنا
۴۴	۳۱ رزقِ حلال کی تلاش نفلِ عبادت ہے	۳۱	سربراہ مملکت کی ذمہ داری سب

- ۴۳ نفعی حج سے غریبوں کی امداد بہتر ہے
- ۴۴ مساجد اور خانقاہوں میں گوشہ نشین لوگوں سے رزق حلال کمانے والے افضل ہیں
- ۴۵ مسجد کی تعمیر سے بہتر ہے
- ۴۵ پھیک کی ممانعت
- ۴۵ پاکستان کی قومی آمدنی اور زکوٰۃ
- ۴۸ تلاش رزق
- ۴۸ اموال ظاہرہ و باطنہ
- ۴۹ نیشاں کی ممانعت
- ۴۹ نگرانی کا حق
- ۴۹ اخراجات میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم
- ۴۹ مصارفِ ثمانیہ (زکوٰۃ کے آٹھ مصارف)
- ۴۹ وصیت پر پابندی
- ۴۹ مولفۃ القلوب کا مسند
- ۵۰ اولاد میں حکم مساوات
- ۴۸ ایک شبہ کا ازالہ
- ۵۱ ترجیحی سلوک کی صورت
- ۴۹ مقامی مستحقین کو ترجیح
- ۵۱ ہر فرد کو ضروریات زندگی مفت حاصل ہوں
- ۴۱ ہاشمیوں کو زکوٰۃ دینے میں جمہور فقہائے
- ۵۲ اجتماعی حقوق کس ترتیب سے ادا ہوں؟
- ۴۱ احناف کی رائے، امام طحاوی کی رائے
- ۵۳ لفظ حق سے تعبیر کا فائدہ
- ۴۲ کس کس چیز سے عشر دیا جاتے؟
- ۵۳ ضرورت مندوں کی دو قسمیں
- ۴۲ عشر زمین کا کرایہ ہے
- ۵۳ ایک عجیب واقعہ
- ۴۲ عشری زمین
- ۵۴ حضرت عمر کا رعایا کی خوشحالی کیلئے فکر مند ہونا
- ۴۵ ہندو پاک کی زمینوں کا حکم
- ۵۴ رعیت کے لیے نقصان کا معاوضہ
- ۴۵ عرب کی سرزمین عشری ہے
- ۵۴ سربراہ مملکت کو مہنگائی کی فکر
- ۴۵ عشر و نصف عشر کی صورت
- ۵۴ اسلام کے مالیاتی نظام پر ایک نظر
- ۴۵ عشر زمیندار پر یا مزارع پر؟
- ۵۴ ذرائع آمد، مصارف
- ۴۶ عشر و خراج کا مصرف
- ۵۴ زکوٰۃ و فلسفہ زکوٰۃ
- ۴۶ زمین کے عشری ہونے کی صورتیں

۹۳	اموال و منافع - کانیں	۷۷	زمین سے خراج لینے کی صورتیں
۹۴	دھینے - سواری ٹیکس - ذرائع مواصلا	۷۸	عشری اور خراجی پانی
"	برقیات - سیاحت و زیارت -	"	خراج کی قسمیں - جزیرہ
"	تجارت - صنعت	"	اسلام کے معاشی نظام میں غیر مسلموں کے
۹۵	کورٹ فیس کی ممانعت	۷۹	سے حُسن سلوک
"	گزارہ الاؤنس اور تنخواہ - فوج کی تنخواہ	"	سقوطِ جزیرہ
۹۶	شیر خوار بچہ کا وظیفہ	۸۰	جزیرہ کی مقدار
"	عمر کے ساتھ بچہ کے وظیفہ میں اضافہ	"	ایک یہودی کا عجیب واقعہ
"	خلیفہ وقت کو جب کسی بچے کی ولادت	۸۱	غیر مسلم نادہندوں کے ساتھ سلوک
۹۷	کا علم ہوتا، تو وہ درخواست طلب	۸۲	قحط سال میں قطع ید کی ممانعت
"	کیے بغیر اس کا وظیفہ جاری کر دیتے	۸۳	حضرت علی کی ایک تحصیل دار کو وصیت
"	میت کا ترکہ وارثوں کے لیے اور	۸۴	جزیرہ کے مصارف - وقف
۹۸	اس کے عیال کا خرچ اور واجب الادا	۸۵	کرار الارض
"	معرض حکومت کے ذمہ	۸۶	عشور
۹۹	مقروض کی مناساز جنازہ	۸۷	فائدہ
"	علماء و اساتذہ، ائمہ و موزنین اور	"	عشور (کسٹم ڈیوٹی) کی شرعی حیثیت
۱۰۰	طلباء، علم الدین کے وظائف	۸۸	ضرائب
"	فقراء و مساکین اور بے روزگاروں	"	نظامِ منصفانہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں
۱۰۱	کے لیے گزارہ الاؤنس	۸۹	بے سنگم ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں
"	حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما	۹۰	اسلام جان و مال کا تحفظ دیتا ہے
"	نسرت فاروق رضی اللہ عنہما کو شہداء	۹۱	فینی - خمس غنیمت - صدقات
"		۹۲	

- قرآن مجید پڑھنے پر وظیفہ ۱۰۳
- تعلیم قرآن پر تنخواہ " "
- تعلیم حدیث پر معاوضہ ۱۰۴
- جو علماء قومی و دینی کاموں پر مامور ہیں ["]
- ان کی معاشی کفالت حکومت کے ذمہ ہے ["]
- رشوت کی ممانعت ۱۰۵
- بدیہ علماء کے لیے جائز اور حکام کیلئے ناجائز ۱۰۶
- رشوت کی تعریف و حکم ۱۰۷
- مجبوری و بے بسی میں رشوت کا مسئلہ " "
- ایک شبہ کا ازالہ " "
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ۱۰۸
- سب مال ضرور مندوں میں بانٹ دیا ۱۰۹
- فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اپنے ایک [۱۱۰]
- مشرقی رشتہ دار سے برتاؤ ["]
- عمر فاروق کا ایک مسافر عورت کی امداد کو پہنچنا ۱۱۱
- فرات کے کنارے پر اگر کوئی اونٹ بھوک ["]
- سے مر جائے تو عمر اس کا بھی جوابدہ ہوگا [۱۱۲]
- اسلامی ریاست کا نصب العین ۱۱۳
- حضرت عمر کا رونا ۱۱۴
- سونے کے ڈھیر بلا تاخیر تقسیم کر دیے ۱۱۵
- بیت المال کی فاضل دولت حضرت معاویہ نے تقسیم کر دی ۱۱۶
- بیت المال کی فاضل دولت کے مصارف ۱۱۷
- کم دینے والے کو بددعا ۱۱۸
- اسلام کے نظام معیشت میں ارضی ذرائع پر نظر ۱۱۹
- ارضی کی دو قسمیں ہیں۔ ارض مباحہ کی قسمیں " "
- نمک وغیرہ کی کانوں اور تیل کے چشموں کا حکم ۱۲۰
- بیت المال کی ارضی کی آمدنی کا مصرف ۱۲۱
- بیت المال کی ارضی میں سربراہ کے اختیارات ۱۲۲
- منافع کی صورتیں " "
- ارض موات (غیر آباد) کا مسئلہ ۱۲۳
- جو زمین آباد کرے وہی اس کا مالک ہے " "
- زمین کو آباد کرنا ضروری ہے خود کر یا کرانے ۱۲۴
- ذاتی ملکیت کا مسئلہ ۱۲۵
- اسلام میں جائز طریقے سے تجارت ["]
- اور سرمایہ کاری کی اجازت ["]
- غریبوں کا ہمدرد اسلام ۱۲۶
- کسی کی جائز کمائی پر ناجائز قبضہ کا مسئلہ ۱۲۷
- قومی ملکیت کی اصطلاح بے معنی ہے ۱۲۸
- تحدید ملکیت " "
- نظام وراثت ۱۲۹
- ارضی مفتوحہ کی دوسری قسم ۱۳۰
- محمد تقی امینی کی ایک غلط فہمی کا ازالہ ۱۳۱

۱۵۰	اول	امام نووی علیہ الرحمۃ کا سلطان مصر لوگوں
۱۵۱	دوم - سوم - چہارم	کی زمینوں کو سرکاری زمینوں کو سرکاری تحویل
۱۵۲	پنجم - ششم	میں لینے سے منع کرنا
"	محنت کش کی مزدوری جلد ادا کرو	تقی ایمنی کی ایک اور خیانت
۱۵۳	مزدوروں کا منافع میں حصہ	زمین کو مزارعت و بٹائی پر دینے کا مسئلہ
"	ازالہ شبہ	مزارعت میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے
۱۵۵	زمیندار اور کسان کا مسئلہ	مزارعت کی شرطیں
"	کاشت کار اور زمیندار کا صحیح منہ نام	افادات و مسائل
۱۵۶	زمیندار اور کاشت کار کے کاڑ باری میں	اسلام کے نظام معیشت میں زراعت کی اہمیت
۱۵۷	مزارعت میں وارد متعارض حدیثوں کی تطبیق	کاشت کاری پیشہ حضرت آدم علیہ السلام
۱۵۸	آبپاشی	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بل چلایا
۱۵۹	مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں	کھائی کے تین اصول
"	فالتو پانی پینے والا روز قیامت نماز	اس حدیث کی توجیہ کہ بل ذلت کا باعث ہے
"	کے منسلک محروم ہو گا	حدیث مذکورہ کا پس منظر
"	آبیان	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی خبر
۱۶۳	سود کا نادر	دینا کہ کسانوں پر ظلم ہوں گے
"	سود ہزارہ	کسانوں پر پوٹلسٹوں اور کپوٹلسٹوں کے ہیمانہ نظام
"	ازالہ شبہ	اشتراکی اور سوشلسٹ ملکوں میں مزدوروں
۱۶۵	نفع کی شرط قرض حرام	اور کسانوں کے ساتھ سٹوک
"	قرض بلا سود کا ثواب	محنت کشوں کے متعلق اسلام
"	نبوی کی نبوت میں سودینا غیر ملکی سود	کی روت پروردایاست

۱۶۶	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت بند	۱۶۶	فلسفہ حرمت سود
۱۸۱	زوجہ ابوسفیان کو قرض دینا اور	۱۶۸	مسئلہ سود میں ایک بنیادی قاعدہ
	حضرت ابوسفیان کا صفا من بننا	"	ہم جنس کا مطلب
۱۶۹	حضرت عثمان کا مناربت پر	۱۶۹	سود سے بچنے کی تدبیر
۱۸۲	ایک شخص کو سرمایہ دینا	۱۷۰	زوجیت کے بدل جانے سے عقد
	عوام کی معاشی حالت بہتر بنانے	۱۷۰	کا حکم بدل جاتا ہے
۱۸۳	کے لیے حکومت اور تاجروں کو ہتھیار	۱۷۲	سود سے بچنے کی تدبیر
"	مروجہ محصول چوٹی	"	دوسری تدبیر تیسری تدبیر
۱۷۳	حضرت عمر بن عبدالعزیز	۱۷۳	چوتھی تدبیر - پانچویں تدبیر
"	کا محصول چوٹی ختم کرنا	۱۷۴	چھٹی تدبیر - بینک
۱۸۴	عام حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کی ممانعت	۱۷۵	کو آپریٹو سوسائٹیاں ،
"	خاص حالات میں کنٹرول کی اجازت	"	نظام مصطفیٰ کا اقتصادی نقشہ
۱۸۵	ایک گراں فروش دکاندار کو	۱۷۶	امداد باہمی کے اجتماعی ادارے
	فاروق اعظم کی تنبیہ	۱۷۷	بلا سود بینک کاری
۱۸۷	افسراطر	"	غیر ملکوں سے لین دین
"	بیعانہ واپس نہ کرنے کی ممانعت	۱۷۸	بینکوں میں بنیادی تبدیلی
۱۸۸	معدوم کی بیع سے ممانعت	۱۷۹	شرکت و مضاربت
۱۸۹	معدوم کی بیع حلال نہیں	"	بینکوں کی حیثیت
۱۹۰	جس پر قبضہ نہیں کیا اس	۱۸۰	حضرت ابو موسیٰ اشعری
"	کا نفع بھی ممنوع	"	(بصرہ کے گورنر) کا دو تاجروں کو
"	بولی سے بیع کا جواز	"	بیت المال سے قرض دینا

۲۰۰	حکومت کے اعلیٰ { عہدے کی چار شرطیں {	۱۹۱	بولی میں قیمت کا توازن قائم رہنا چاہیے
۲۰۱	اتمامِ حجت	۱۹۲	ملک میں گرائی اور مہنگائی کے بنیادی اسباب
۲۰۳	ضمیمہ	۱۹۲	مہنگائی کے دور کرنے اور معاشرہ { کے خوشحال ہونے کی صورت {
۲۰۴	نقد اور ادھار کی قیمتوں میں فرق	۱۹۳	بیع باطل اور فاسد
۲۰۶	تسرض میں کٹوتی { (بندی)	۱۹۳	بیع مکروہ - بیع سلم
۲۰۷	قوتِ خرید میں کمی بیشی { اور حکومت کا فرض {	۱۹۴	عیاشی اور تکلفات سے روک تھام
۲۰۸	تسرض اور شرح مبادلہ { میں تبدیلی {	۱۹۵	عیاشی کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں
۲۰۹	قرضوں کی جدید نوعیت	۱۹۶	عیاشی سے ممانعت کا ایک قانون فقہیہ
۲۱۰	قرضہ میں شرط	۱۹۶	حکومت کے اعلیٰ افسران و عہدیداران { کے لیے فسادِ روقِ اعظم کی ہدایات {
۲۱۱	انشورنس (بیمہ)	۱۹۷	گاندھی کی اپنے وزیروں { کو ایک اہم نصیحت {
۲۱۲	فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے { چار معاشی نکات {	۱۹۸	معاشی حالت کو سدھارنے کے { لیے تین قیمتی اصول، {
		۱۹۹	عزتِ اسلام سے ہے

انتساب

محترم و مکرم جناب سید مشتاق احمد صاحب
 کنٹرل بخاری مدت حیاتہم !
 جنرل مینجر پیکو بادامی باغ
 جناب کیپٹن الحاج عطاء اللہ خاں مینجرائڈ منسٹریشن
 جناب معین الدین صاحب اسسٹنٹ مینجر
 اور ان کے رفقاء کرام ~~و~~ و جمعہ و مرکز حضرات !

کے نام

جو نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے چشم براہ ہیں
 جن کی علم و اسلام دوستی نے راقم کو یہ حوصلہ بخشا
 جن کی مساعی جمیلہ سے پیکیو جامع مسجد معرض وجود میں آئی ع
 گر قبول افتدز ہے عز و شرف
 طالب دُعا

مفتی محمد البوسعدی غلام سرور قادری
 (ایم۔ اے اسلامک لاء)
 خطیب جامع مسجد پیکو بادامی باغ۔ لاہور

اظہارِ خیال

استاذ الارشاد، رئیس الخطابہ، مفکر اسلام، حضرت علامہ
مولانا سید عبدالقادر شاہ صاحب گیلانی ایم اے،
ایل ایل بی و فاضل مکہ یونیورسٹی، راولپنڈی

باسمہ تعالیٰ

ناچیز نے کتاب ”معاشیات نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جستہ جستہ عنوانات
اور زیر بحث مسائل کا مطالعہ کیا، قلتِ وقت کے پیش نظر بالاستیعاب دیکھنے کی
سعادت تو حاصل نہ ہو سکی، تاہم جس جس مسئلہ پر غور کیا، اس میں حضرت مصنف کو دریائے
تحقیق کا موجزن پایا۔ حضرت مفتی صاحب قدیم و جدید علوم سے بہ تمام و کمال خبر رکھتے ہیں
آپ جہاں دینی علوم میں ایک استاذ الحدیث و استاذ الادب العربی اور ایک مفتی اسد
کا مقام رکھتے ہیں، وہاں معاشی و اقتصادی علوم میں بھی ایک بلند پایہ مفکر اور چوں کے مہتمم
کا درجہ بھی رکھتے ہیں، زیر مطالعہ کتاب کی بے بہا تحقیقات اس حقیقت کی دلیل وافی ہیں
معاشیات جیسے نشک مضمون کو حضرت مصنف نے اپنے طرزِ نگارش اور حسن ادا سے
بڑا رنگین حسین اور دلچسپ اور دلربا بنا دیا ہے۔ دورِ حاضر میں جس قدر کتب اسلامی معاشیات
کے مضموع پر لکھی گئی ہیں، انہیں اس کتاب کا امتیاز اس کی حسین زبان، فقہی تحقیق اور شرعی
موقف و شرعی اصولوں کے میزان پر دورِ حاضر کی معاشیات کو پرکھنا ہے۔

الذکریم حضرت مصنف کو توفیق رفیق فرمائے کہ وہ آئندہ بھی اسی ظن کی دینی خدمت اور اپنی

بلند پایہ تحقیقات سے مسلاشیانِ علم و اکہی کو فہم یاب فرماتے رہیں۔ آمین۔ فقط

عاجز سید عبدالقادر علامہ ایل ایل بی فاضل

مکہ یونیورسٹی، خطیب راولپنڈی چاندنی

تقدیر

مسلمان بھائیو! سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے جو رہیما نہ کے زخم خوردہ دستو! پُرفریب نعروں کے پیچھے مت جاؤ۔ آپ نے کبھی سوچا کہ سونے کے جمپوں سے کھانے، ہزاروں روپوں کی شراب نوشی جاں کرنے اور شیش محلوں میں استراحت و آرام سے زندگی گزارنے والے، آپ سے ہمدردی کا نعرہ لگانے میں مخلص ہو سکتے ہیں۔

قدرِ انسانیت وہ کیا جانیں

جو کتوں سے پیار کرتے ہیں

کیا یہ حقیقت بھی محلِ شک ہو سکتی ہے کہ آپ کے دکھوں کا علاج کارل مارکس اور لینن کے نظریات نہیں۔ کتاب الہی اور سنتِ سید المرسلین ہے۔ آپ کے زخموں کا مرہم ماسکوپینگ اور واشنگٹن میں نہیں۔ گنبدِ خضرا کے سایہ رحمت میں ہے۔ آپ کی عزت و افلاس اور فاقہ کی دوا دشمنانِ اسلام کے ساختہ کیپٹل ازم سوشل ازم اور کمیونزم نہیں، خالقِ حقیقی کا دیا ہوا نظام "نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔"

اور کیا یہ حقیقتِ مسلمہ نہیں کہ یہ نظام ہمہ گیر بھی ہے اور فطری بھی جو بردور میں ہر انسان کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنے دل کی کہیے کہ جب یہ حقیقت شک و شبہ سے بالا اور مسلمہ ہے، تو مغرب کی تہذیب اور دشمنانِ اسلام کے بین الاقوامی

دسیع پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اسلامی تعلیمات سے ہمارے دُور ہونے کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے؛ ہرگز نہیں۔

اگر ہم میں عقل و شعور کے نام کی کوئی چیز موجود ہے، تو ہمیں اس حقیقت کا اعتراف و یقین کرنا پڑے گا کہ یہ جو ہم اقوامِ عالم میں اپنا مقام جہانِ بانی و جہانگیری کھو کر مسلسل آلام و مصائب سے دوچار ہوتے جا رہے ہیں، اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ہم نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کر کے یورپ کے باطل اور بیہودہ نظریہٴ حیات کے تابع ہو چکے ہیں۔

یورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تو !!

مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں

آئیے! نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا
نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ

گا کہ نظامِ مصطفیٰ کا شفقت بھرا ہاتھ آپ کی مشکلات و مصائب کی نبض کی رفتار پر پوری طرح حاوی ہے۔

جب نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عادلانہ طرزِ عمل اور مساواتِ محمدی کا منصفانہ طور و طریقہ جاری و نافذ ہوگا، تو ہمارا چمنِ حیات جو مطلق العنانِ آمروں کی ذاتی اغراض اور ہوس پرستی سے پژمردہ ہو چکا ہے، کھل اٹھے اور پُر ہنسار ہو جائے گا۔

ظلم و ستم اور افلاس و فاقہ کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بلبلا اٹھنے والو!
نظامِ مصطفیٰ کے دامنِ رحمت کو مضبوطی سے تھامو۔ واعتصموا بعنبدِ
اللہ پر عمل کرتے ہوئے اس کی پناہ میں آ جاؤ، جہاں آپ روشنی ہی روشنی
دیکھیں گے۔

انصاف کی روشنی، تحفظِ حقوقِ انسانی کی روشنی، امن و انتہوت، باہمی انس و
افت اور محمود و ایاز کو ایک صف میں لا کر کھڑا کرنے والی مساواتِ حقیقی کی روشنی

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

نہ کوئی بسندہ رہا اور نہ کوئی بند نواز

پیارے بھائیو! حالاتِ حاضرہ کا مطالعہ تو کرو، آنکھیں کھول کر تو دیکھو

روس میں انسانیت دم توڑ رہی ہے۔ محنت کشوں، گسانوں اور کاشتکاروں سے

کو لہو کے بیل کی طرح سلوک کیا جا رہا ہے۔ تنقید و احتجاج کی زباں پر مہر سکوت

لگا دی گئی ہے، وہاں کے باسیوں کا حال تو معلوم کرو کہ ڈکٹیٹروں کی ڈکٹیٹر شپ نے

انہیں دل کی بات کہنے کے فطری حق سے محروم کر دیا ہے۔ وہ انسان نما جانور بنا

دیے گئے ہیں۔ دُور کیوں جاتے ہیں نام نہاد اسلامی ملک عراق کا حال دیکھئے

جہاں سوشلزم اور کمیونزم کا منحوس سایہ پڑا ہے، جس سے وہاں کے باشندوں کی

حالتِ زار ہمارے لیے تازیانہِ عبرت سے کم نہیں ہے۔ کیا دیکھا نہیں سنا نہیں؟

خدارا! آئیے اپنے خالقِ حقیقی کو پہچانیے۔ اس کے دیے ہوئے ضابطہ

حیات یعنی نظامِ مصطفیٰ کو اپنا کر ظاہری و معنوی جہانگیری کا لطف اٹھائیے۔

اس نظام کو اپنائے بغیر ہماری معاشی اور معاشرتی زندگی کبھی نہیں سدھر

سکتی، البتہ اس کے برعکس بے دینوں کا پنجہ استبداد اپنی ظالم گرفت میں لے کر

ہمیں دُور کا محتاج کر کے رکھ دے گا

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک

اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جہم

آج بمطابق الکفر ملة

واحدة غیر مسلم اقوام

کفر ملت واحدہ۔ ایک حقیقتِ مسلمہ

اندرون خانہ اسلام کے خلاف گٹھ جوڑ کر کے اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف،
نظام مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے اور مٹانے کے درپے ہیں۔ اہل کفر کو نظام
مصطفیٰ اصلی اللہ وسلم سے زبردست خطرہ ہے، وہ آپس میں مشورے کرتے اور
کہتے ہیں۔

الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر حافظ ناموس زن، مرد، آزاد، فریب
چشم عالم سے سبے پوشیدہ آئین خوب یہ غنیمت کہ خود مومن سبے محرم یقین
توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسم شش جہا ہو روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے تا بساط زندگی میں اس کے سببے ہوں مات

سنت رکھو ذکر و فکر صحابہ میں اسے

پنختہ ترک کرو و مزاج خالقابہ میں اسے (اقبال)

سرزمین پاکستان میں غیر مسلم اقوام کے ایجنٹوں کا سوشلزم کا نعرہ لگانا اور
نظام مصطفیٰ پر کھلی تنقید کرنا اسی سازش کی ایک کڑی ہے۔ روٹی، کپڑے اور
مکان کی پُرفریب اور مکارانہ صدائے نظام مصطفیٰ کو روکنے کی ایک مکڑہ کوشش ہے
روح سید الشہداء و ادنیٰ کربلا سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یزید سنت
سراپا علم و ستم اور شرابی قیادت کا ساتھ دینے کی بجائے نور و صداقت کے حامل
نظام مصطفیٰ کے نفاذ اور مقام مصطفیٰ کے تحفظ میں تن من اور دین کی بازی لگانے
امام عظیم حضرت ابوحنیفہ و حضرت مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا بریلوی بنی اللہ
عزیم کی جرات کا منظرہ کرنے والوں کا ساتھ دیجیے، ایسی کٹھن گمبھاری میں خالقابوں
میں آرام سے بیٹھ جانا رہبانیت کے سوا کچھ نہیں جسے پیغمبر اسلام علیہ السلام و آلہ
نے لادھانیا فی الاسادہ فرما کر ممنوع نمونہ اویا ہے

نکل کر خالقابوں اور کرم شہتہ ی کوفتہ خالقابوں، فسطاندہ و دلیری

تیرے دین وادب سے آرہی ہوئے رہانی
 ایسے پیر حرم رسم و رہ خالقابی چھوڑ
 اللہ رکھتے تیرے جوانوں کو سلامت
 وہی ہے مکنے والی امتوں کا عالم پیری
 مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
 وہی ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا
 اگر آپ نے حق و باطل کے اس معرکہ میں حق کا اعلانہ ساتھ نہ دیا، تو پھر کہنے والے
 کہیں گے۔

شہری ہو دیہاتی ہو مسلمان ہے سادہ
 میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
 مانند تباں پچھتے ہیں کعبے کے برہن
 زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشین
اسلام آزاد؟
 مجاہدین اسلام! نام نہاد و انشور کہتے ہیں کہ جہاں
 اسلام کی عبادات پر عمل کرنے کی آزادی ہو، اور
 حکومت وقت کی پابندی نہ ہو، وہاں اسلام آزاد ہے۔ اور وہ حکومت جائز و صحیح
 ہوتی ہے اور اس حکومت کی اٹھانہ ضروری اور اس کے خلاف حرف احتجاج زبان پر لانا
 ناروا ہے، مگر یہ غلط ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا انگریزوں کے دور میں نماز و روزہ
 پر کوئی پابندی تھی کہ ایک علیحدہ مملکت کے حصول کی ضرورت محسوس ہوئی یا اب
 ہندوستان میں مسلمانوں پر نماز و روزہ کی کوئی پابندی عائد ہے؟ ہرگز نہیں۔ حقیقت
 اسلام کی آزادی اس کے آئین و قانون (قرآن و سنت) کی حکمرانی کا نام ہے
 جس خطہ ارض پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، یعنی نظام مصطفیٰ و آئین پیغمبر
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کا راج نہیں، وہاں اسلام آزاد نہیں، بلکہ اسے
 شیطان کا ہی راج کہا جائے گا، اسے آزادی نہیں غلامی کہنا
 ہوگا۔ مسلمان کو جو مسجد میں ہے سجدے کی اجازت
 ناداں یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام ہے آزاد

لے بہ تغیر لیسیر

سیاست اور علماء

سیاست لوگوں کو ایسے راستے کی نشان دہی کرنے کا نام ہے جس پر چلنے سے ان کی دنیا و آخرت سنور جائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ علماء کو سیاست سے کیا تعلق ہے؟ یہ تو امامت و خطابت ہی کرتے رہیں۔ نظام حکومت میں کوئی دخل نہ دیں۔ حکمران جانیں اور ان کا کام، علماء کو صرف عبادات کا شعبہ سنبھال لینا چاہیے۔

ہماری رائے میں یہ شیطانی وسوسہ اور بیزیدی خیال ہے۔ یزید نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بھی یہی کہا تھا، مگر آپ نے وادئی کر بلا میں اپنی اور اپنے کہنے کی قربانی دے کر یہ ثابت کر دیا کہ نہ تو میرے جد امجد صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے دین و سیاست کو ایک دوسرے سے جدا کیا اور نہ ہی میں ایسا کرنے کی اجازت دوں گا۔

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو !!

جدامہ وہیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے تنگائی

صحیح بخاری میں ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام انہیں سیاست کی تعلیم دیا کرتے اور فرمایا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے مانند ہیں۔ اس حدیث میں لطیف اشارہ ہے کہ میری امت کے علماء پر اس بات کو لازم ہے کہ وہ میری امت کو سیاست کی تعلیم دیں (الحديث) لیکن یہ بات صحیح ہے۔ قول و فعل میں کیسائیت کی سیاست، حق کی سیاست، ایسی سیاست ہے جو صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور ساترین اسلام پر واجب ہے۔ انہوں نے جس کی بیعت و عظمت سے اہل کفر و دشمنان اسلام کو روکا ہے اور جس کے فوہرہ امت سے لاجعل اللہ سے مل کر وہ گئے۔ جس نے ٹھنڈا کیا آتش کدو ایساں کو جس نے چھوڑا وہ کجا کجا

یہ امر تو قطعی ہے کہ سرمایہ دارانہ ظالمانہ نظام
 سرمایہ داروں سے | اب تا دیر نہیں چلے گا۔ اب یہ اپنی موت مر رہا ہے۔

اب اسلامی نظام ہی آئے گا یا پھر خدا نخواستہ سوشلزم اور کمیونزم۔ اب یہ سرمایہ داروں کا کام ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ وہ اپنے مرض کا علاج اس حکیم حاذق و طبیب ماہر سے کرانا چاہتے ہیں جو خدا ترس بھی ہے اور اپنے فنِ علاج میں نہایت ماہر بھی۔ یا وہ اپنے آپ کو اس نیم حکیم خطرہ جان کے سپرد کرنا چاہتے ہیں جو سنگدل بھی ہے اور اناڑی بھی۔ سرمایہ داروں کو اب دو ٹوک فیصلہ کرنا ہو گا کہ وہ اپنے مسائل کا حل اس نظام سے کرانا چاہتے ہیں جو عدل و انصاف کا علمبردار ہے یا اس نظام کے ذریعے جو خونخوار اور خنجر بدست ہے۔ اگر دولت مند سرمایہ دار اپنے اور اپنے اہل و عیال کے دشمن نہیں تو اسلام کے تجویز کردہ نظامِ معیشت کو رضا کارانہ طور پر اختیار کر کے اپنی دنیا و آخرت سنوار لینا چاہیے۔ اگر وہ اس کے لیے تیار نہیں، تو انہیں پھر ایسے نظام کو قبول کرنا ہو گا جو اپنی پیاس انسانی خون سے بجھاتا ہے۔ وہ نظام جو صرف مال ہی نہیں، بلکہ جان بھی لیتا ہے اور عزت و رزق بھی لوٹ لیتا ہے۔

عوام سے حرفِ آخر | عوام سے حرفِ آخر کے طور پر گزارش ہے کہ وہ بھی غور کر لیں کہ کیا وہ اس نظام کو قبول کرنا

چاہتے ہیں جو انہیں خودداری و آزادی اور رزق کا تحفظ دیتا ہے اور ان کے معاشی مسائل بھی بڑی خوش اسلوبی و کرم نوازی سے حل کرتا ہے یا اس نظام کو جو خودداری کو مجروح اور آزادی کو سلب کر کے ان کے خون کو نہایت بے قیمت کرتا ہے اور روٹی بھی اس قدر ڈالتا ہے کہ پیٹ بھی نہ بھرے اور سر چھپانے کو جگہ تو دیتا ہے، مگر قبر سے بھی تنگ۔

اُمید ہے کہ مسلمان ایک امتیّ بنی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی لاج رکھتے ہوئے نہ صرف نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کر لیں گے، بلکہ اس کے نفاذ و ترویج میں کسی لومِ ملام کے خوف و خطر کے بغیر بھرپور حصّہ لیں گے اور اس کے لیے اپنے تمام وسائل و خدمات وقف کر دیں گے۔

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم حدیثِ عشق بے باکانہ گفتم
شنیدم آنچه از پاکانِ اُمت ترا باشوخی زندانہ گفتم

وقتِ فرصت کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

(نوٹ) یہ نہایت ہی باعثِ مسرت بات ہے کہ جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر پاکستان نے نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کے لیے راستہ ہموار کرنا شروع کر دیا ہے اور عدالتوں کو غیر اسلامی قانون کو ختم کرنے کی ہدایت فرما کر اسلام کی سچی محبت کا ثبوت دیا ہے۔ ہم انہیں تہِ دل سے مبارکباد پیش کرتے اور اپنی طرف سے ہر خدمت و تعاون کا یقین دلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مزید خدمتِ اسلام کی مزید توفیق بخشے۔ آمین۔ فقط۔

محتاجِ دُعا

مفتی محمد البوسعید غلام سرور قادری

ایم۔ اے۔ اسلامک لائبریری

آغاز

کبھی اے نوجوانِ مسلم تدریب بھی کیا تو نے
 وہ کیا گردوں تھا تو جسکا اک ٹوٹا ہوا تارا
 غرض میں کیا کہوں تجھ سے وہ صحرائیں کیا تھے
 جہاں خیر و جہاں نڈر و جہاں بان و جہاں آرا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
 شریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

انسانوں کے درمیان اس قدر
موجودہ معاشی ناہمواری اسلام کی نظر میں معاشی ناہمواری جو آج موجود

ہے، اسلام کی نظر میں لائق برداشت نہیں، البتہ لوگوں میں اس حد تک معاشی فریق ایک نظر میں
 بات ہے کہ کسی طرح بھی اجتماعی زندگی انفرادیت کی تیغ سے گھائل نہ ہونے پائے اور
 عوام کی فلاح و بہبود کسی صورت میں بھی چند افراد یا ایک مخصوص طبقے کی اغراض کے
 تابع ہو کر نہ رہ جائے۔

رزق کی وسعت و تنگی بلاشبہ خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ مالی و معاشی
 اعتبار سے اس قدر تفاوت کہ کوئی محروم معیشت نہ ہو، مگر کوئی اعلیٰ اور کوئی ادنیٰ نہ ہو
 کرشمہ ہائے قدرت ہے۔

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
 کوئی بڑا، کوئی چھوٹا یہ اس کی حکمت ہے

اس سلسلے میں ارشادات الہیہ ملاحظہ ہوں :

اللَّهُ يَسْبِطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ
 وَيَقْدِرُ ۗ

اور اللہ جس کے لیے چاہے رزق
 کشادہ اور تنگ کرے

وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ
 فِي الرِّزْقِ ۗ

اور اللہ نے تمہیں رزق میں ایک
 دوسرے پر فضیلت دی ہے

مندرجہ بالا ارشادات الہیہ سے اس بات پر پوری یقین و ثقیں ہوتی ہے کہ مالی و

دولت میں معمولی تفاوت ایک فطرتی اور قدرتی بات ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی تکوینی مصلحتوں پر مبنی ہے۔

بے تحاشہ معاشی خوشحالی

سب کے لیے بے تحاشہ خوشحالی خدا تعالیٰ کی مصلحت تکوینیہ کے خلاف ہے؛ چنانچہ

ارشاد ہے؛

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ بِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ (شوریٰ)

اور اللہ اگر اپنے سب بندوں کے لیے رزق فراخ کر دیتا، تو وہ روئے زمین پر سرکشی کرنے لگتے، لیکن وہ جتنا چاہتا ہے، مناسب انداز سے اتارتا ہے، وہ اپنے

بندوں سے باخبر اور انہیں دیکھتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں، صلاحیتوں اور استعدادوں کو جانتا ہے، ان کے احوال و اعمال پر نظر رکھتا ہے اور ہر بندے کو اس کے ظرف و ضرورت اور مصلحت کی مناسبت سے رزق دیتا ہے اور وہ اگر سب کو بے تحاشہ خوشحال کر دے تو وہ کفر و نافرمانی میں مبتلا ہو جائیں اور ان میں ایسا تضاد ہو کہ کسی کے کسی سے دینے کی کوئی باقی نہ رہے۔

یہ امتیازِ رفعت و پستی اسی سے ہے!

گل میں مہک شراب میں مستی اسی سے ہے

غرضیکہ بندوں کے درمیان ظلم و استیصال کے بغیر رزق و معاش کا معمولی تفاوت عین حکمتِ ایزدی پر مبنی ہے۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی۔ یہاں تک کہ اشتراک و کمیونسٹ بھی اسی فطری تفاوت کو مٹانے میں ناکام ہو چکے ہیں۔

لیکن ان کا نعرہ مساوات محض فریب اور حصولِ اقتدار کے لیے ہوتا ہے، تاکہ

52865

بے چارے بے شعور لوگ ان کے دام فریب میں آکر ہمیشہ کے لیے ان کی غلامی میں
آجائیں اور یہ حقیقت ہر اس شخص پر روز روشن کی طرح واضح ہے جسے خدا تعالیٰ نے
ضیاء شعور بخشی ہے۔

خداوند اہم کو ضیائے شعور دے
چشم خرد کو اپنی تجلی سے نور دے

(۱) ملکی نظام حکومت
موجودہ معاشی ناہمواری کا ذمہ دار کون ہے؟ جو سرمایہ داروں اور

جاگیرداروں کے ہاتھ رہا ہے۔

(ب) عدم مساوات یعنی موجودہ معاشی ناہمواری کا ذمہ دار غیر اسلامی معاشرہ
ہے۔ یہ ناہمواری رسولؐ کے زمانہ سرمایہ داری نظام کا شاخسانہ ہے جو اس وقت برطانیہ
فرانس اور امریکہ وغیرہ میں رائج ہے۔ اس آمرانہ نظام کے کل پُرزوں نے معاشی نظام
میں وہ سنگینی پیدا کر دی ہے کہ ملک کی اسی فیصد دولت چند ہاتھوں میں چل گئی ہے۔
اور باقی ساری آبادی کو معاشی بد حالی کے عمیق گڑھے میں پھینک دیا گیا ہے۔ اس طرح
سے اسی فیصد آبادی کا ہر فرد افلاس و غربت کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔

قیدی ہوں اور قفس کو چمن جانت ہوں میں

غربت کے غمگدے کو وطن جانتا ہوں میں

ایک طرف تو بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار ہیں جن کے پاس اتنی اراضی ہے
کہ ان سے سنبھالی نہیں جاتی۔ ان کے کتے دودھ پیتے اور مرغ و بلیہ تک گوشت
پلتے ہیں اور دوسری طرف ایسے مزارعین، کسان اور کاشتکار ہیں جو زمین کو تڑپ
ہیں۔ یہ لوگ زمینداروں اور جاگیرداروں کے استیصال کا شکار ہیں۔ ان کے بچوں کو
دودھ اور گوشت تو کجا ٹھنڈا پانی اور تازہ روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک طرف

تو بڑے بڑے کارخانہ دار، صنعت کار اور سیٹھ صاحبان ہیں جن کی ماہانہ آمدنی لاکھوں روپوں سے متجاوز ہے اور دوسری طرف وہ بد قسمت مزدور کم آمدنی والے لوگ ہیں جنہیں ضروریات زندگی تک میسٹر نہیں اور وہ معاشی الجھن کے بھنور میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ خوشحالی کی اس منزل کا کوئی نشان نہیں دیکھ پاتے جس کے اشتیاق میں انہوں نے سلسلہ میں سفر کا آغاز کیا تھا۔

منزل کا اشتیاق بے گم کردہ راہ ہوں

اسے شمع! میں اسیر فریب نگاہ ہوں

اور ایک طرف تو ایسے انسران حکام عالی مقام ہیں جو ماہانہ تنخواہوں، الاؤنسوں اور رہائش گاہوں کی صورت میں قومی خزانے سے ہزاروں روپے پا رہے ہیں اور دوسری طرف وہ ادنیٰ ملازمین ہیں جن کی ماہانہ تنخواہیں ان کی روزمرہ کی ضروریات تک کے لیے ناکافی ہیں۔!

مزید برآں سیاسی رشتوتوں، روٹ پرٹوں، ایمپورٹ لائسنسوں، اراضی کے غلطیات یعنی جاگیر بخشوں، صنعتی اجارہ داروں اور مصنوعی تحفظات نے سرمایہ داروں کی سرمایہ داری اور دولت مندوں کی دولت میں مزید اضافہ کیا ہے اور دوسری طرف ناجائز گرانٹوں اور رشوت ستانیوں نے ملک بھر کے عوام کی کمر بہت توڑ کر ان کی آرزوؤں کا خون کر کے رکھ دیا ہے۔

آرزوؤں کے خون سے رنگیں بے دل کی داستاں

انساں سراپا اضطراب، انتشار و پرفعناں

سرمایہ دارانہ نظام کے مخالف سوشلسٹوں کی حکومت نے بھی ملک و عوام کو جس طرح مصیبت سے دوچار کیا، اس سے ملک کے غریب عوام ایک اور خطرناک معاشی بحران میں پھنس کر رہ گئے، بلکہ ان کی زندگی جانوروں کی سی ہو کر رہ گئی ہے۔

بھٹکنے والے مسافر عجب یہ بستی ہے

جو اوج ایک کا بنے دوکے کی پستی ہے

آخر عوام کو اس بات کا شدت سے احساس ہو گیا ہے کہ یہ معاشی ناہمواری یعنی یہ
فرعون سامانی اور فاقہ کشی، خدا تعالیٰ کی مرضی و پسند پر سرگز مبنی نہیں ہے، بلکہ یہ غیر اسلامی
معاشرہ کا نتیجہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ظہر الفساد فی البر والبحر
بما کسبت ایدی الناس لیذیقن
بعض الذی عملوا لعلہم
یرجعون ۵ روم

خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا
لوگوں کے اپنے کرتوت سے ان کو اپنے
کرتوت کا مزہ چکھنا چاہیے تاکہ وہ حق کی
طرف لوٹیں۔

غرضیدہ اسلام کے معاشی نظام میں زمیندار اور مزارع اور صنعت کاروں
کی طبقاتی جنگ کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی اسلام کے معاشی نظام میں کوئی طبقاتی
اوپر نیچ کا کوئی تسور ہے کہ ایک طبقہ بے پناہ سرمایہ و دولت کا مالک ہو سکے اور
دوسرا ملک کی آبادی کا اتنی فیصد طبقہ، فقر و فاقہ کا شکار ہو کر دولت و مال کی
زندگی گزارنے پر مجبور ہو، بلکہ اسلام کا معاشی نظام لوگوں کو معاش کے لحاظ سے
حقوق دے کر انہیں طبقاتیت کی کش مکش سے بالکل تڑپا کہ ان میں انوثت و انیت کی
فضا پیدا کرتا ہے۔ نتیجتاً ہر طرف خوشحالی ہی نہیں، بلکہ نفسی نفسی اور روحانی ہر قسم کی
پاک ہو کر آپس میں بھائی بھائی ہو جاتے ہیں۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے ٹکڑے ٹکڑے

انوثت کا بیاں ہو جا، محبت کی زبان ہو جا

اسلام کے معاشی نظام کی خوبیوں کا ایک جہاں ناکہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے ادوار سراپا انوار میں عام خوش حالی کا یہ عالم تھا کہ مسلم و کافر، مومن و مشرک، مرد و عورت چھوٹے اور بڑے کو امتیاز کیے بغیر امن و سکون کی ایسی زندگی کی میسر تھی کہ لوگ صدقات کے مال کو لیے لیے پھرتے تھے، مگر اسے قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۵ ص ۶۴)

یمن میں ایک بھی مفلس نہ رہا | عمر بن شعیب سے روایت ہے کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا وہ جند میں رہے، حتیٰ کہ خلافت صدیقیہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تحت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد واپس آئے تو حضرت عمر نے بھی انہیں واپس سابقہ خدمات پر بھیج دیا، تو ایک مرتبہ حضرت معاذ نے حضرت عمر کے پاس (مرکز کو) یمن کی زکوٰۃ کا تیسرا حصہ بھیجا۔ حضرت عمر نے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تمہیں مال جمع کرنے یا زکوٰۃ و جزیرہ وصول کرنے کو نہیں بھیجا تھا، بلکہ اس لیے کہ وہاں کے امیروں سے لے کر (مرکز کو بھیجنے کی بجائے) وہاں کے ہی ضرورت مندوں میں بانٹو۔

اس پر حضرت معاذ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کے ہاں کوئی ایسی چیز نہیں بھیجی جسے وصول کرنے والا یہاں موجود ہو، پھر اگلے سال ادھی زکوٰۃ بھیجی، پھر حضرت عمر اور حضرت معاذ میں حسب سابق گفتگو ہوئی اور تیسرے سال کے بعد یمن کی ساری زکوٰۃ مدینہ آگئی حضرت عمر نے وہی بات کہی، تو حضرت معاذ نے جواب دیا کہ یہاں یمن میں ایک ضرورت مند بھی نہیں ملتا، جو مجھ سے صدقہ و زکوٰۃ لینے والا ہو۔

(کتاب الاموال ص ۳۷۵-ج ۲)

یعنی سب خوش حال تھے، کیونکہ اسلام کا معاشی نظام ایک ایسا فطران اور بہتر نظام ہے جس میں قدیم و جدید اور مذہبی و عقلی نظاموں کے تمام محاسن و خوبیاں بہ تمام و کمال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے ادوار سراپا انوار میں عام خوش حالی کا یہ عالم تھا کہ مسلم و کافر، مومن و مشرک، مرد و عورت چھوٹے اور بڑے کو امتیاز کیے بغیر امن و سکون کی ایسی زندگی کی میسر تھی کہ لوگ صدقات کے مال کو لیے لیے پھرتے تھے، مگر اسے قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۵ ص ۶۲)

یمن میں ایک بھی مفلس نہ رہا | عمر بن شعیب سے روایت ہے کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا وہ جند میں رہے، حتیٰ کہ خلافت صدیقیہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تحت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد واپس آئے تو حضرت عمر نے بھی انہیں واپس سابقہ خدمات پر بھیج دیا، تو ایک مرتبہ حضرت معاذ نے حضرت عمر کے پاس (مرکز کو) یمن کی زکوٰۃ کا تیسرا حصہ بھیجا۔ حضرت عمر نے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تمہیں مال جمع کرنے یا زکوٰۃ و جزیرہ وصول کرنے کو نہیں بھیجا تھا، بلکہ اس لیے کہ وہاں کے امیروں سے لے کر (مرکز کو بھیجنے کی بجائے) وہاں کے ہی ضرورت مندوں میں بانٹو۔

اس پر حضرت معاذ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کے ہاں کوئی ایسی چیز نہیں بھیجی جسے وصول کرنے والا یہاں موجود ہو، پھر اگلے سال ادھی زکوٰۃ بھیجی، پھر حضرت عمر اور حضرت معاذ میں حسب سابق گفتگو ہوئی اور تیسرے سال کے بعد یمن کی ساری زکوٰۃ مدینہ آگئی حضرت عمر نے وہی بات کہی، تو حضرت معاذ نے جواب دیا کہ یہاں یمن میں ایک ضرورت مند بھی نہیں ملتا، جو مجھ سے صدقہ و زکوٰۃ لینے والا ہو۔

(کتاب الاموال ص ۳۷۵-ج ۲)

یعنی سب خوش حال تھے، کیونکہ اسلام کا معاشی نظام ایک ایسا فطران اور بہتر نظام ہے جس میں قدیم و جدید اور مذہبی و عقلی نظاموں کے تمام محاسن و خوبیاں بہ تمام و کمال

موجود ہیں اور ہر طرح کے نقص و عیب سے بالکل خالی، بلکہ ہر طرح کے معاشی مسموم اثرات کا بے نظیر علاج ہے کہ یہ نظام کسی انسان کے فکر و عمل کی اختراع نہیں جو اس میں باہمی انتقام یا طبقاتی منافرت جیسی کمزوریوں کا عنصر ملحوظ رکھا گیا ہو، بلکہ یہ نظام خالق کائنات کی حسین و جمیل تخلیق و ترتیب ہے جو ہمہ گیر اور ہر طرح کی موجودہ و متوقع ارتقاہیت پر حاوی ہے اور ہوگا۔ جس کے بارے میں دنیا کے اہل انصاف فیصلہ دے چکے ہیں کہ اگر معاشی مسائل کا کوئی صحیح حل ہے، تو وہ صرف اور صرف اسلام ہے جیسے دشمنان اسلام کی طرف سے رجعت پسندی کے طعنوں کے ڈر سے مسلمانوں نے چھوڑا ہوا ہے۔

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا، تو نے
وہی چراغ جلیں گے، تو روشنی ہوگی

اسلام کے معاشی اصول، قرآن کی روشنی میں

قرآن کریم نے اپنی روشنی کے مطابق عبادات، معاملات و سیاسیات اور زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلقہ مسائل کی طرح معاشی مسائل کو بھی اصولی اور کلیاتی انداز میں معجزانہ اختصار و جارحیت کے ساتھ بیان کر کے ان کی تفسیر و تشریح لتبیینہ للذات من اور الذی یستنطونہ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور فقہاء کرام کے اجتہاد و استنباط کے سپرد کر دیا گیا۔

معاشی حقوق میں سب برابر ہیں

معاشیات سے متعلق قرآن کریم نے بن بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالی ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ رزق و معاش نقیحت میں صرف اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔

فرد کے رزق و معاش کا ذمہ دار ہے، البتہ درجات رزق میں تناوت ایک امر مسلم ہے۔
قرآن کریم کے نسب ہدایت کوئی فرد بھی رزق و معاش سے محروم نہ ہو، کیونکہ حقوق
معاش میں سب کے سب برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی کسی کے حق معاش میں دخل
نہا کر دینے کا حق نہیں دیا۔ اس سلسلہ میں چند آیات الہیہ ملاحظہ فرمائیں :

تبار از رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ
کیا گیا آسمان میں خدا کے ذمہ ہے۔
اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے
لیے وہ سب کچھ بنایا جو زمین میں ہے۔

افلاس اور تنگی کی وجہ سے اپنی اولاد
کو نہ مار ڈالا کرو، ہم ہی تمہیں اور انہیں
رزق دیتے ہیں۔

زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا
رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

ذُو ذَرِّئَةٍ مَّا رَزَقْنَاهُمْ
وَمَا نَحْنُ بِمُكْرِمِينَ
۲۱ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ
سُبُحَاتِ الْاَرْضِ جَمِيعًا بِقَرَّةٍ
۳۱ وَلَا تَتَّبِعُوا اَوْلَادَكُمْ
مَنْ اَمْلَقَ نَحْنُ نَزَّاقِكُمْ
۲۲ يَا هُمْ رَاغِبًا

(۴) وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي
الْاَرْضِ اِلَّا عَلَيْنَا رِزْقُهَا
(ہود)

اور تمہارے لیے اور ان کے لیے نہیں تم رزق
نہیں دیتے، ہم نے زمین میں معیشت کے سامان بنا رکھے ہیں
اور اللہ نے زمین میں اہل زمین کی ذریاں
چار دن کے اندر مقرر فرمائیں سب
حاجت مندوں کیلئے برابر۔

(۵) وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَالِشَ
وَمَنْ لَسْتُمْ لَهَا رَازِقِينَ (حجر)
(۶) وَقَدَّرْنَا فِيهَا اَقْوَاتَهَا
فِي اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَاءً لِّلنَّاسِ لِيُنَبِّئَهُنَّ
(حد سجدہ)

۶ کا ترجمہ اس احتمال کی بنا پر ہے کہ سوائے یعنی مستویہ ضمیر سے حال ہو اور للتائین
اس سے متعلق ہو یا سوائے یعنی مستوی مبتدائے محذوف کی خبر ہو، چنانچہ رُوح المعانی میں ہے:

اور کہا گیا ہے کہ للسانین کا تعلق
سواء کے ساتھ ہے۔ بنا بریں کہ یہ ضمیر
سے حال ہو اور معنی ہو گا کہ سوزیاں حاجتمندوں
کے لیے برابر تیار کی گئی ہیں اور ان کا نفع
سب حاجتمند انسانوں کے لیے برابر مہیا

رَقِيلٌ مُتَعَلِّقٌ بِسَوَاءٍ عَلِيٍّ
إِنَّهُ، حَالٌ مِنَ الضَّمِيرِ وَالْمَعْنَى
مَسْتَوِيَةٌ مَهْيَاةٌ لِلْمُتَّحَجِّينَ إِلَيْهِ
وَنَفْعُهَا مُسْتَوٍ مَهْيَاةٌ لِلْمُتَّحَجِّينَ
إِلَيْهِ مِنَ الْبَشَرِ (ج ۹ ص ۲۴۹)
(تیار، کیا گیا ہے۔

واضح ہو کہ یہاں برابر سے مراد نفس حقوق معاش میں برابری ہے۔

فائدہ درجات میں نہیں تاکہ تفاضل فی الرزق والی آیات سے تعارض

نہ ہو۔

غرضیکہ آیات بالا سطورہ میں تمام لوگوں کے درمیان خواہ مسلمان ہوں یا کافر،
حق معیشت میں مساوات کا جس قدر صاف اور صریح بیان ہے، وہ کسی عقلمند اور اہل
علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اے کریمے کہ از غزائے غیب
گہر و ترسا و ظیفہ خور داری
دوستاں اکجا کنی محروم
تو کہ بادشمنان نظر داری

سب کو برابر حقوق معاش فراہم کرنا سہ براہ مملکت کی ذمہ داری ہے۔

عالم تشہیر میں خدا تعالیٰ کے اس مقصد نظیر کی تکمیل کا ذمہ دار خلیفہ وقت اور
مملکت ہے۔ سہ براہ مملکت اور خلیفہ وقت کی فکر و بین ایک ذمہ داری ہے جو
کے خدا و اد حقوق سے روم ہو اور جو سہ براہ مملکت اس ذمہ داری کو پورا کرنے اور
انسان کو معاشی حقوق فراہم کرنے سے قاصر ہو وہ دنیا بت الیہ یعنی ائمہ کا اہل نہیں ہے
چنانچہ جناب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ اگر میں نے تمہارا

میں ایک اونٹ بھی بھوک سے مر گیا، تو میں روزِ قیامت خدا کے حضور اپنے آپ کو اس کا جواب دہ سمجھتا ہوں۔

غزنیہ بندہ و مولا حقوقِ معاش میں برابر کے مستحق ہیں، کسی کو کسی پر تفضل و تفوق نہیں، یہی قرآن کریم کے معاشی اصول کا مقتضی و مدعی ہے۔
پیش قرآن بندہ و مولا یکے است
بوریا و سند و دیبا یکے است

مشکوٰۃ شریف
میں مسلم شریف
کے حوالہ سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت سے زائد مال
کو حاجت مندوں میں تقسیم کرنے کا حکم فرمایا

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ایک شخص اونٹ پر سوار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ اپنے اونٹ کو دائیں بائیں کدرا رہا تھا (مگر اس کا اونٹ تھکاوٹ کی وجہ سے چل نہیں سکتا تھا) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس ضرورت سے زیادہ سواری ہو وہ اسے دیدے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زادِ سفر ضرورت سے زائد ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس زادِ سفر نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ضروریات میں کام آنے والے، اموال کا ذکر کیا، یہاں تک کہ ہم سمجھے کہ زائد از ضرورت (یعنی فاضل) اموال میں ہم میں سے کسی کا حق نہیں۔
مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۳۸/۳۳۹

اسلام میں ضرورت کے

ضرورت اور سہولت کے مختلف احکام

احکام اور ہیں اور سہولت کے اور۔ احکام ضرورت تو کسی حد تک مساوات و برابری ہے، مگر احکام سہولت میں

مساوات یعنی ہمدردی ہے، مثلاً کفر و اسلام میں جنگ چھڑ جائے، اسلام کو ایک ایک مجاہد کی ضرورت درپیش ہو اور ایک مجاہد کے پاس سامان جنگ ضرورت سے زیادہ ہو، لیکن دوسرے کے پاس کچھ نہ ہو اور اس دوسرے کا میلن جہاد میں شریک ہونا بھی از حد ضروری ہو، تو اس صورت میں نادار کے لیے اول الذکر سے زائد از ضرورت سامان زبردستی لیا جائے گا، کیونکہ یہاں ضرورت ہے، لہذا یہاں کسی حد تک مساوات کا اہتمام ہے، چنانچہ امام شمس الائمہ سرخی المبسوط میں فرماتے ہیں:

لَوْ اِخْتِاجُوا اِلَى سِلَاحِ اَهْلِ الْعَدُوِّ
كَانَ لَعْنٌ اَنْ يَأْخُذُوهُ لِلْعَاجِزَةِ
وَالضَّرُورَةِ وَقَدْ اَخَذَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ
صَنْعَانِ دُرُوْعًا فِي حَرْبِ هَوَازِنَ
وَكَانَ ذَاكَ بَغِيْرَ رِضَاہِ -

اور ضرورت پڑ جائے تو وہ ان سے
بہر ضرورت لے سکتے ہیں اور زانی ہو یا زہم
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صنفان
سے اس کی رضامندی کے بغیر زبردستی لے
لی تھیں اور یہ جنگ بنی ہوازن
میں ہوا۔

(ج ۱۰ ص ۱۲۶)

لیکن ضرورت پوری ہونے کے بعد وہ سامان جنگ مالک کو واپس کرنا ہوگا اور وہی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی بھوک و پیاس سے مر رہا ہے یا ننگا کچھ رہا ہے اس کے پاس جان بچانے اور تن ڈھانپنے کو کچھ نہیں اور بیت المال بھی خالی ہے، تو غنی سے اس کو مال زبردستی لیا جائے گا جس سے ان فاقہ کشوں کی جان بچ جائے اور ان کو پھانسی سے بچانے کے معاشی نظام میں اس حد تک مساوات کا اہتمام کرنا ضروری ہے یعنی اس بات کی اجازت نہ ہوگی کہ غریب و فاقہ کش کو فاقہ کشوں کے باعث جہاں بلب ہو رہے ہوں اور غنی لوگ تماشا بنے رہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جہاں ایک شخص بیمار ہو گیا ہے اور دوسرے

کے پاس دو سواریاں ہیں۔ ایسی صورت میں دوسرے کی سہولت کے لیے مساوات و ہمدردی کی ترغیبات سے کام لیا جائے گا، اگر اسے نہیں۔

اور مذکورہ بالا حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہما بھی صرف مواسات و ہمدردی کی تعلیم پر مبنی ہے: چنانچہ امام الحدیث رئیس المحققین مولانا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فیه حث علی الصدقة و
مواصاة و امدان فی ارفقة
والاصحاب الخ
اور اس حدیث میں رفقا و اہل اسلام
اجاب کے ساتھ ہمدردی و احسان
کرنے کی ترغیب ہے۔

غرضیکہ ہمدردی و احسان کی ترغیب پر مبنی بہت سی آیات و احادیث ہیں جنہیں اشتراکی لوگ نا فہمی سے مواسات کی بجائے غیر فطری مساوات پر محمول کرتے ہیں۔

مساوات اور ہمدردی کے مواقع
الگ الگ ہیں۔ حقوق و اجبہ و

ضروریہ میں مساوات ضروری ہے۔ مثلاً کسی کی دو بیویاں ہیں، تو اس پر فرض ہے کہ انہیں مساوات و برابری سے رکھے، لیکن باہمی ہمدردی و صلہ رحمی اور سلوک و احسان میں مساوات و برابری ضروری نہیں۔ مثلاً ایک شخص خیرات و صدقہ میں ایک درویش و فقیر کو دس روپے دیتا ہے اور دوسرے کو بیس روپے، اس میں حرج نہیں، ایسا کرنے سے وہ گنہگار نہ ہوگا، مگر حقوق و اجبہ کی صورت میں برابری نہ کرنے سے گنہگار ہوگا۔

یہ فرق ذہن نشین رکھنا چاہیے، لیکن اشتراکی اس حقیقت سے اغماض کر کے خود بچس بھوک کھاتے ہیں اور دوسرے ناواقف لوگوں کو بھی فریب دیتے ہیں۔

از فریب نصیر نو ہشتیار باش
رہ فتد راہر و ہشتیار باش

سولہاروی صاحب | اسلامی نظام معیشت میں کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا | نے علامہ ابن حزم

ظاہری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تمام ائمہ مجتہدین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب اسلام کے بیت المال میں اس قدر گنجائش نہ ہو کہ محتاجوں کی کفالت ہو سکے، تو خلیفہ وقت یعنی سربراہ مملکت ارباب دولت کو اس بات پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ان محتاجوں کے لیے اپنے فاضل مال سے اس قدر دیں جس سے انہیں ضرورت کے مطابق کھانا، گرمی و سردی کا الگ الگ لباس اور رہنے کے لیے بارش و دھوپ اور سیلاب ایسے حوادث سے محفوظ مکان فراہم کیا جاسکے۔

الٹ جائیں گی تدبیریں، بدل جائیں گی تقدیریں
حقیقت ہے، نہیں میرے تخیل کی یہ خلاقیت

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ فقر و فاقہ اور
افلاس خدا کی تقدیر (مرضی) سے ہے | کیا فقر و فاقہ خدا کی تقدیر سے ہے |

ہے۔ اگر خدا چاہتا، تو ان کو بھی دولت عطا کرتا، تو جنہیں خدا تعالیٰ نے اپنی تقدیر میں بھی محتاج و فقیر رکھا ہے۔ اسلام کا نظام معیشت انہیں کیونکر فارغ البال کر سکتا ہے۔ اور یہ تقدیر الہی پر موقوف ہے، ہم تقدیر الہی کو کیسے پھیر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بعینہ وہی سوال ہے جو کفار نے کیا تھا۔ قرآن مجید

میں ہے:

یعنی جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ
تم خدا کے دیئے ہوئے سے خرچ کرو، تو
کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں کیا ہم انہیں
کھانے کو دینے نہیں گوارا کرتے۔

وَإِذْ قِيلَ لِمَنِ الْمَالُ الَّذِي فَتَرْنَا
اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ
آمَنُوا أَنْ نَطْعَمُ مِنْ تَوْفِيقِ اللَّهِ
إِطْعَمَهُ -

کچھ کھانے کو دے۔

یہ سوال اسلام کی ایک اہم بات کو فراموش کر دینے سے پیدا ہوتا ہے، اگر اسے یاد رکھیں، تو کوئی الجھن نہ ہو اور تقدیر الہی کو بہانہ بنا کر معاشی بد حالی میں مبتلا افراد کی امداد و اعانت ایسے بہترین عمل صالح سے حرماں نصیبی بھی نہ ہو۔

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی یا خود فریبی؟
عمل سے فارغ ہو مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانہ

اور وہ بات عالم تکوین و عالم تشریح میں فرق کرنا ہے،
عالم تکوین و عالم تشریح

فقروا فلاس خدا کی تقدیر و تکوین سے ضرور بے نگر
اس کی تشریحی ہدایات یہ ہیں کہ ہم افلاس و فقر کے مارے ہوئے لوگوں کی امداد و اعانت
کریں جیسے ایک بیمار کی بیماری خدا تعالیٰ کی تکوین و تقدیر سے ہے، لیکن ہمیں اس کا تشریحی
حکم ہے کہ ہم دوا کے ذریعے اس کی بیماری کو دور کرنے کی کوشش کریں جیسے ترک دوا اس
بیمار کے ساتھ جذبہ سہمردی کے منافی، بلکہ اس بیمار کے ساتھ ظلم ہے۔ ایسے ہی مفلسوں
کے افلاس کو ختم نہ کرنا ان کے ساتھ زیادتی ہے جس کی اجازت اسلام کا نظام معیشت ہرگز
نہیں دے سکتا کہ اسلام معیشت انسانی کے رموز سے صحیح واقفیت رکھتا ہے۔

جانتا ہوں آہ! میں آلام انسانی کا راز !!

بے نوائے شکوہ سے خالی میری فطرت کا ساز

غرضیکہ ہمیں خدا تعالیٰ کے نظام تکوینی پر ایمان اور نظام تشریحی پر نظر رکھنی چاہیے۔ ہم
نظام تشریحی کے مختلف ہیں تکوینی کے نہیں، تو جس کے ہم مکلف ہی نہیں، اسے موضوع سوال
کیونکر بنایا جاسکتا ہے۔

اسلام کے معاشی نظام سے متعلق قرآن
فلسفہ تفاوت درجات رزق

کریم نے جن بنیادی اصولوں پر روشنی

ڈالی ہے، ان میں سے دوسرا یہ ہے کہ اگرچہ حق معیشت میں انسان برابر ہیں، تاہم درجاتِ معاش و مراتبِ رزق میں فرق ایک فطری بات ہے اور یہ بھی اس حد تک کہ بالا طبقہ زیریں طبقہ کا استحصال نہ کر سکے جس سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے چلے جائیں اور یہ تفاوت معمول، فریقین کے حق میں ابتلاؤ امتحان ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

رَفَعَ بَعْضُكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ
لِيَبْلُوكُمْ فِيْمَا آتَاكُمْ (العام)

کہ تمہیں خدا نے ایک دوسرے پر درجوں
بلند کیا تاکہ جو کچھ اس نے دیا اس میں تمہیں آزمائے

اس آیت میں جس تفاوتِ درجات کا بیان ہے، اس سے رزق میں تفاوتِ درجات مراد ہے؛ چنانچہ تفسیر امام ابن جریر میں ہے :

رَفَعَ بَعْضُكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ
يَقُولُ فِي الرِّزْقِ - ر ج ۸ ص ۸۷

یعنی خدا نے تمہیں ایک دوسرے
پر درجوں بلند کیا، یعنی رزق میں۔

علامہ مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ عنہ
پر اپنی تفسیر خزائن العرفان میں فرماتے ہیں :

یعنی خدا نے رزق میں مختلف درجے اس لیے رکھتے کہ تمہیں، آزمائش میں
ڈالے کہ تم نعمت و جاہ و جلال پا کر شکر گزار رہتے ہو اور باہم ایک دوسرے
کے ساتھ کس قسم کے سلوک کرتے ہو۔ (حمائل تاج کینی ص ۱۰۰)

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ
فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ
بَعْضًا سَخِرِيًّا (زخرف)

اور ہم نے لوگوں کے درمیان دنیا کی زندگی
میں ان کا معاش بانٹا اور ہم نے انہیں درجات
رزق میں ایک دوسرے سے پہلے اونچا کیا تاکہ
وہ ایک دوسرے سے خدمات لے سکیں

یعنی ہم نے مال و دولت میں لوگوں کو مختلف بنایا تاکہ وہ اس مال کے ذریعے ایک
دوسرے سے خدمت لے سکیں، یعنی اگر ایک غریب و بے مال ہے، یعنی مال کا فقدان ہے

تو امیر خدمت کا محتاج ہے، اسے خادم کی محتاجی ہے، اس طرح باہمی تعاون سے دُنیا کا نظام درست ہو کر غریب کو ذریعہ معاش ہاتھ آئے اور مال دار کو کام کرنے والے بہم پہنچیں تو اس پر کون اعتراض کر سکتا ہے کہ فلاں کو کیوں غنی کیا اور فلاں کو اس کے برابر کا امیر کیوں نہ کیا۔ دنیا میں معاشی تقسیم یوں ہی شکل کچھ سے نہیں، بلکہ ایک خاص نظام تکوینی سے چل رہی ہے۔ اسلام غریبوں اور محنت کشوں پر امیروں اور بالادست لوگوں کے جو روبرو اور استیصال کو روکتا ہے، لیکن معمول کی حد تک چھوٹے بڑے کا فرق تو ایک فطری امر ہے۔ اسلام کے نظام معیشت کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے معاشی مسائل میں نہایت ہی روشن اور مستحکم اصولوں سے انسانیت کی ایسی رہبری کی ہے جس سے ہر وقت و ہر زمانے کی پرواز کا رخ صحیح سمت کی طرف بدل جاتا ہے۔

حیرتی ہوں میں تیری تصویر کے اعجاز کا!

رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پُرازا کا!

اپنا اپنا فرض | اس قدر ترقی اور فطری فرق مراتب کے پیش نظر اسلام نے امیر و غریب پر الگ الگ فرض عائد کیا ہے جن کی رو سے غنی اور امیر کا فرض ہے کہ دولت کو محض انفرادی اور شخصی مفادات کے حصول کا ذریعہ بنا کر نہ رکھے، بلکہ اسلام کی ہدایت کے مطابق حاجت مندوں پر زکوٰۃ و صدقات اور عطیات کی مدد سے صرف کر کے معاشرہ کی ترقی کا باعث بنے اور غریب کا فرض ہے کہ وہ مال دار کے مال کو حسد کی نظر سے نہ دیکھے، بلکہ اس فقر و تنگدستی کو برکاتِ اخروی کا ذریعہ تصور کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب سے مسلمانوں میں فقر و تنگدستی کے خلاف نفرت اور مالی فراوانی کا جذبہ پیدا ہوا ہے، ان کے دلوں سے سکون و طمانیت کی روحانی دولت چھین گئی ہے۔

یہ فقر مردِ مسلمان نے کھو دیا جب سے

رہی نہ دولتِ سلیمان و سلیمان

قرآن کریم میں ہے :

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ
بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ (نساء)

اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے
تم میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

بہر صورت شکار ان فقر و افلاس و اہل غربت کو اپنی ایمان و دولت کی بقا اور اخروی
کامرانی کی آرزو ہونی چاہیے اور دل و نگاہ میں غیروں کے مال و متاع کا کوئی طمع و لالچ
نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الْفَقْرُ فَخْرٌ فِیْ كُمْ مَجْہے اپنے اختیاری فقر و فاقہ
پر ناز ہے، گو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے اسلاف کی طرح اپنے فقر اضطراری پر غیور و مفتخر
ہونا چاہیے۔

سماں الفقر فخری کار ہاشان امارت میں بآب وزنگ و خال و خط پہ حاجت روزیارا
گداں میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

فقیرم سازو سامانم نگا ہیست !!
بچشم کوہ یاراں برگ کا ہیست

جیسا کہ پہلے گدرا ہے اسلام تنگدستی کو اچھا تصور نہیں کرتا
تنگدستی اور اسلام

حدیث شریف میں ہے کہ الْفَقْرَانِ یَبْکُونُ کُفْرًا
رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ عن انس بسند ضعیف کہ غم و ریات زندگی میں تنگدستی
قریب ہے کہ کفر پر منتج ہو جائے تاہم اس پر سب و شکر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی تعویذ و تشدد
رہنی رہنا اور مالداروں کے مال پر نگاہ سدو اسنے کی بجائے بہ مطابق ارشاد باری تعالیٰ
لَیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى کہ ہر انسان اپنی کوشش کا ہی پھیل پاتا ہے۔ اپنے لیے
خود معاشی وسائل کا انتظام کرنا گناہوں کا کفارہ اور بندگی و ربات کا باعث ہے جیسے
بیماری اسلام کے نزدیک اچھی نہیں تاہم بیمار کا وادیا کرنے کی بجائے سب و شکر کے ساتھ
شفا کے حصول کے لیے دوا استعمال کرنا نہ ضروری ہے اور بیماری میں سب و شکر کرتے

ہوتے حصولِ شفا کے لیے عالمِ اسباب کے تحت کوشش کرنے والا خدا کا محبوب قرار پاتا ہے، اس کے گناہ جھڑتے اور درجے بلند ہوتے ہیں۔ اس طرح فقر و افلاس پر سبر و شکر کرنے والے کی جزا بھی جنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ فقر و افلاس والے اکثر جنت میں اور غنی و مالدار اکثر دوزخ میں دیکھے گئے۔ فقر و افلاس والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے سے اوپر والوں کو نہیں نیچے والوں کو دیکھیں جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے:

انظروا لی من هو اسفل منکم
ولا تنظروا لی من هو فوقکم مسلم

کہ تم اس کی طرف دیکھو جو معاشی حالت میں تم سے کمتر ہو اس کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہو۔

یعنی آنکھ کو نگاہِ حسد اور زبان کو حرفِ بے صبری سے پاک رکھنا ایمان و اسلام کا تقاضا ہے۔

پاک رکھ اپنی زبان تلمیذِ رحمانی ہے تو
ہونہ جائے دیکھنا تیری سدا بے آبرو

اور حدیث میں ہے کہ میری امت کے تنگدست سبر و شکر کرنے والے لوگ اہل دولت سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے اور پانچ سو سال دنیا کے ہیں جو آنحضرت کے نصف یوم کے برابر ہوں گے۔ گویا غریب لوگ امیروں کی نسبت خدا کے دیدار سے پہلے ہی مشرف ہوں گے۔

آنکھ کو بیدار کر دے وعدہ دیدار سے!
زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گرفتار سے!

اسلام کے اصولِ معاشیات میں سے تیسری

اصل یہ ہے کہ اسلام کسی ایسے طریق کو برداشت

حرص دولت کی ممانعت

نہیں کرتا جس سے ملک کی دولت چند ہاتھوں میں مرکوز و مجتمع ہو کر رہ جائے اور اسی وجہ سے اسلام نے احتکار و اکتناز کو جائز قرار نہیں دیا؛ چنانچہ سورۃ توبہ میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے راہِ خدا میں صرف نہیں کرتے،

اسے نبی انہیں دردناک عذاب کی اطلاع کر دیجئے اور سورہ حشر میں فرمایا کہ فقرا اور مساکین قربت داروں اور یتیموں وغیرہم پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں خرچ کرنے کا جو یہ طریقہ بتایا ہے وہ اس لیے ہے کہ مال صرف دولت مندوں میں محدود ہو کر نہ رہ جائے۔

اسی طرح بہت سی آیات ہیں جنہیں مفلسوں اور حاجت مندوں پر فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی ترغیبات دی گئی ہیں تاکہ مال کے وہ حقوق ادا ہوں جو اجتماعی مفادات کے لیے اس سے متعلق کیے گئے ہیں۔

ضرورت سے زائد مال کا رکھنا | اگرچہ علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ

وغیرہ ایسے حقوق ادا نہ کیے جائیں، وہ اکتناز کی تعریف میں آتا ہے، ورنہ نہیں اور یہ کہ مال و سرمایہ سے زکوٰۃ وغیرہ ایسے فریضے کی ادائیگی کے بعد اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت سے زائد مال رکھنا جائز ہے، لیکن اسے اسلام نے بنظر تحسین نہیں دیکھا بلکہ افضل و لائق تحسین یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد مال کو ذخیرہ کرنے کی بجائے ضرورت مندوں میں بانٹ دیا جائے، بلکہ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ایسے زائد ترین حضرات تو اسے ناجائز قرار دیتے ہیں اچنانچہ آیت والذین یکنزون الذہب الخ کی تفسیر میں مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ تنسرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ اس سے زائد مال کو گھرا یا بگلوں، میں جمع کر کے رکھ دینے کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دینے کو فرض سمجھتے تھے ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر وغیرہ اور آیت والذین یکنزون الذہب الخ

احتکار کی تعریف و ممانعت | احتکار کی تعریف و ممانعت سے بھی یہی مقصود ہے کہ کہیں احتکار دولت

نہ ہو، بلکہ اس میں تحریک رہے جس سے معاشرے کے دو سرے لوگ بھی استفادہ کریں

اور اختکار یہ ہے کہ کسی چیز کی کمیابی و منگائی کے زمانہ میں اسے خرید کر جمع کر کے رکھ دیا جائے تاکہ وہ مزید نایاب و مہنگی ہو، تو اس وقت اسے منہ مانگے داموں بیچا جائے، ایسا کرنا ممنوع و ناجائز ہے، جسے اسلام کے معاشی نظام میں ممنوع ٹھہرایا گیا ہے اور اس میں ضرورت کی بر چیز شامل ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

من احتكر طعاما اربعين ليلة
فقد برئ من الله وبری منه -
رجوہ شریف شرح قدوری ج ۲ ص ۱۰۷
اللہ اس سے بری ہے۔

کہ جس نے کھانے پینے کی ضرورت کی چیز کو مزید منگائی اور کمیابی کی نیت سے چالیس رات تک روک رکھا، وہ اللہ سے اور اللہ اس سے بری ہے۔

جانوروں کے چارہ میں ممانعتِ احتکار

اسلام کے اقتصادی نظام کی شفقتِ عامہ اور رحمتِ تامہ کا یہ عالم ہے کہ اس میں جانوروں کے چارہ تک میں ذخیرہ اندوزی سے منع کیا گیا ہے اور اس بات کو گوارا نہیں کیا گیا کہ جانوروں کے حقوق کا ضیاع و استیصال ہو؛ چنانچہ درمختار میں ہے:

دیکرہ احتکار قوت البہائم۔
یعنی جانوروں کی خوراک کا احتکار ممنوع

صلیٰ

ہے۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ جو نظام جانوروں کا استیصال برداشت نہ کرتا ہو، وہ انسانوں کا استیصال کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ بہر صورت اسلام کے اقتصادی نظام نے انسانوں اور جانوروں کی بر چیز کا احتکار منع کیا اور اس کے مرتکب کو گنہگار قرار دیا ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ احتکار و ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہگار ہے؛ البتہ سال بھر کا گھریلو خرچ گھر والوں کو سپرد کر دینا یعنی ایک سال تک کی ضروریات جمع کر کے رکھنا اس سے مستثنیٰ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کو سال بھر

کا خرچہ جمع کر کے دیتے تھے (بخاری کتاب التفسیر ج ۲ ص ۲۵۵)
 لہذا گھریلو ضرورت کے لیے جمع کر کے رکھنا منع نہ ہوا اور نہ ہی ضرورت کی اشیاء کو
 اپنی گھریلو ضرورت کے لیے جمع کر کے رکھنا خلاف توکل ہوا؛ البتہ کسی تاجر کا مہنگائی کی نیت
 سے رکھنا منع ہے جیسا کہ تاجر کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جس نے اس بات کا ارادہ کیا
 کہ میری امت پر ایک رات کے لیے مہنگائی آجائے اللہ تعالیٰ اس کی چالیس سال کی نیکیاں
 ضائع کر دے گا۔ (رواہ الامام ابن عساکر فی تاریخہ)

ہاں اگر ایک چیز عام دستیاب ہو ہی
 ہے اور اس کے ذخیرہ کرنے سے

احتکار کے جواز کی ایک صورت

لوگوں کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، تو اس کا ذخیرہ کر سکتے ہیں؛ چنانچہ در مختار میں ہے؛

فَإِنْ لَمْ يَضُرَّ لَمْ يَكْرَهُ - یعنی اگر ذخیرہ کرنے سے لوگوں کو تکلیف

(ص ۳۳ مطبع احمدی دہلی) و پڑیشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے تو ناجائز نہیں ہے

یہ صورت کے اعتبار سے احتکار ہے، مگر در حقیقت احتکار نہیں ہے اور اس صورت
 میں بھی اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ جوں ہی وہ چیز کمیاب ہونے لگے اسے فوراً مارکیٹ
 میں لایا جائے، ورنہ گناہ ہوگا۔

جب عام لوگ غلہ کی ضرورت

محسوس کر رہے ہوں اور جڑوں

نے اسے ذخیرہ کر لیا ہو یا

بوقت ضرورت ذخیرہ اندوز تاجروں کے

ذخیروں کو زبردستی فروخت و تقسیم کیا جائے

بلیک میلنگ کر رہے ہوں، تو حاکم وقت انہیں حکم دے کہ وہ اپنے مکہ والوں کی ضرورت کے

لیے رکھ کر باقی کو فروخت کر دیں۔ اگر وہ قاضی و حاکم وقت کے حکم کی پروا نہ کریں تو قانون

اسلام یہ ہے؛

حاکم ان ذخیرہ اندوزوں کو مناسب نفاذ

عزہ بما یراہ رادع الہ و باع

القاضی علیہ طعامہ وفاقا
 علی الصبیح و فی السراج لو
 خاف الامام علی اهد بلد
 انہلاک اخذ الطوم من المحتکرین
 و فرق عبہ فاذا وجد و سعة
 رد و مثله و هذا یس بحجر
 من بل ضرورة و من ضر الی
 من غیرہ و خاف السعدت تناوہ
 بل ص ۵ -

رد المحتار ص ۲۰۰ الاختیار ج ۲
 ص ۲۰۰ الہدایہ ج ۲ ص ۲۰۰-۲۰۰
 طبع السند

اور ان کی ضرورت سے زائد کو فروخت
 کر دے، کیونکہ عوام کو نقصان سے بچانے
 کا یہی واحد طریقہ رہ جاتا ہے اور جن عوام
 کے پاس قوت خرید نہیں، انہیں ویسے ہی
 دیدے، پھر جب ان کے پاس غلہ آئے
 تو وہ جتنا جتنا لیا ہے، واپس کر دیں اور
 یہ حجر نہیں، بلکہ ضرورت و مجبوری کی بنا
 ہے، یہ ایسے ہے جیسے ایک شخص جاں بلب
 ہو رہا ہو اور اس کے پاس اپنا کچھ نہ ہو، تو وہ
 غیر کا مال اس کی مرنی کے بغیر اس قدر
 کھالے، جس سے اس کی جان بچ جائے۔

قارئین! غور فرمائیں کہ اسلام کا معاشی نظام، معاشی بد حالی میں مبتلا عوام سے کس
 درجہ ہمدردی رکھتا اور انہیں ہر طرح کے استیصال سے کس خوبی سے بچاتا ہے۔ الغرض
 اسلام کے معاشی نظام نے سرمایہ و دولت کے حصول کے لیے کسی ایسے طریقے کو اپنانے
 کی اجازت نہیں دی جس میں ایک فرد کے نفع کا دار و مدار دوسرے کے نقصان یا مجبوری
 پر ہو یا وہ دوسرے کی معاشی بد حالی کا باعث بنے جس سے عوام مفلس سے مفلس تر اور
 امیر امیر تر ہوتا چلا جائے، اس لیے سود و غصب، چوری، ڈاکہ، رشوت، جوا، ماپ تول
 میں کمی، سٹہ اور لاٹری ایسے حصول سرمایہ کے تمام ذرائع ناجائز قرار پاتے، اس طرح کے
 طریقے اپنا کر دولت کمانے والے ممکن ہے نفس و شیطان کے اغوا سے سب کچھ جائز
 سمجھتے ہوں، مگر ایک کلمہ گو کو ایسا کرنا یا سب کچھ جائز ہے، کہہ کر سب کچھ کر گزرنایا نہیں

دیتا، یہ اسلام و ایمان کے تقاضوں کے سراسر منافی ہے۔

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں

اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہونزراں کا

اسلام انفرادی معیشت پر بہت زور دیتا ہے اور ہر
انفرادی معیشت تندرست و توانا و صحیح العقل لائق محنت مرد کو اس بات
 کی ذمہ داری سونپتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر
 نہ صرف اپنے معاش و رزق کی جستجو کرے، بلکہ اپنے آپ کو معاشرے کے ضعیف و ناتواں
 اور معذور لوگوں کی معاونت کا بھی اہل بنائے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 ارشاد فرماتے ہیں :

الید العلیٰ خیر من الید
 یعنی اوپر والا دینے والا ہاتھ نیچے
 السفلیٰ رصیح بخاری (والے (لینے والے) سے بہتر ہے۔
 اور بہتر اس لیے ہے کہ انفرادی معیشت کے استحکام پر ہی اجتماعی معیشت کا استحکام
 موقوف ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر فرد بے ملت کے مقدر کا ستارا

اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے اس وقت بہتر ہے جبکہ وہ اپنی ذات کے لیے
 لیتا ہو اور اگر وہ دین کے لیے یا دوسرے مستحق کے لیے لیتا ہو تو اس کے بگاڑ میں جو کچھ
 ہے جیسا کہ علماء کرام مالداروں سے دین کے لیے لے کر خرچ کرتے ہیں۔ بہر حال انفرادی
 معیشت کو اہمیت حاصل ہے۔ سورۃ بقرہ میں ہے :

ابتغوا من فضل اللہ کہ زمین میں پھیل جاؤ اور رزق کی تلاش کرو

اور حدیث شریف میں ہے :

یعنی رزق حلال کی تلاش کرنا فریضہ کے بعد فریضہ ہے۔

کہ ہر مسلمان پر طلب رزق حلال واجب ہے۔

طلب حلال جہاد ہے۔

۱۔ طلب الحلال فریضة بعد

الفریضة (طبرانی)

۲۔ طلب الحلال واجب علی

کل مسلم ردیلمی

۳۔ طلب الحلال جہاد (القضاء فی التعمیر)

أوردوا التلذذ فی الجہاد مع الصغیر ج ۲ ص ۵۳ ان کی شرح میں امام علامہ

علی عزیزی (مستطاب) علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :

یعنی اپنے اور کنبے کے لیے حلال

کمانی کی تلاش کرنا، ایمان اور نماز یا جمیع

فرائض الہیہ کے بعد ایک فریضہ ہے؛ لہذا

اپنی اور اپنے کنبے کی ضرورت کی حد تک

تلاش رزق فرض عین اور اس سے زائد

فرض کفایہ اور اس کا ثواب جہاد

کے برابر ہے۔

طلب الکسب الحلال لمؤنة

النفس والعیال فریضة بعد

الایمان والصلوة او بعد جمیع

ما فرض الله فطلب ما يحتاجه

لنفسه وعیالہ واجب دون

ما زاد علی الكفاية ثوابه کثواب

الجہاد (السراج المبین، ج ۲، ص ۴۱۷)

فتاویٰ عالمگیری

میں ہے کہ قدر کفایت

رزق حلال کی تلاش نفل عبادت سے بہتر ہے

اور حد ضرورت سے زیادہ اس نیت سے کمانا کہ فقراء و مساکین یا اپنے قریبی رشتہ داروں

کی امداد و اعانت یا دینی و دنیاوی کاموں میں مدد کرے گا، باعث اجر و ثواب ہے۔

فانہ افضل من التحلی لنفل العبادۃ (ج ۵ ص ۲۳۹ طبع مصر) کہ یہ نفل عبادت سے بھی بہتر ہے۔

مساجد اور خانقاہوں میں گوشہ نشین لوگوں سے رزق حلال کمانے والے افضل ہیں

اسی فتاویٰ میں ہے جو لوگ مساجد اور خانقاہوں میں (پیر و فقیر بن کر) بیٹھ جاتے ہیں اور گزراوقات کے لیے کچھ نہیں کرتے اور اپنے آپ کو متوکل بتاتے ہیں (ان سے رزق حلال کمانے والے بدرجہ باہتر ہیں، یہ کیسے متوکل ہیں) حالانکہ ان کی نگاہیں منتظر رہتی ہیں کہ کوئی ہمیں دے جائے، وہ متوکل نہیں۔ اس سے اچھا یہ تھا کہ کچھ کمانے جس سے گزراوقات کرتے۔ (فتاویٰ عالمگیری، ج ۶، ص ۳۲۹)

تیرے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے بہانی

یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

حدیث میں ہے لا رہبانہ فی الاسلام کہ اسلام میں راس طرح کی گوشہ نشینی کی کوئی گنجائش نہیں۔

اسی طرح آجکل بہت سے لوگوں

پیری مریدی کو پیشہ بنانا جائز نہیں | نے پیری مریدی کو پیشہ بنا لیا ہے

مریدوں میں دورے کرتے اور ان سے رتیں بھرتے ہیں جسے نذرانے وغیرہ کا نام دیتے

ہیں اور ان ہی سے بہت سے ایسے ہیں جو جھوٹ اور فریب سے بھی کام لیتے ہیں، یہ

ناجائز ہے (بہار شریعت ج ۱۶، ص ۲۱۸، بہ استثناء "مُخْلِصِينَ لَدُنِ الدِّينِ"

"وَهُمْ أَقَلُّ قَلِيلٍ وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِي الشَّاكِرِينَ"

اسلام کے معاشی نظام نے چونکہ ہر تندرست و عقلمند

بھیک کی ممانعت | کو رزق حلال کمانے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، اس لیے

انہیں بھیک مانگنے سے بھی منع کیا (الآبہ وقت حاجت شدیدہ وہ مجبوری و معذوری)

اور بلا ضرورت شدیدہ اپنے لیے سوال کرنا منع ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں فرماتے ہیں:

وَمَنْ كَانَ لَهُ قُوَّةٌ يَوْمَهُ لَا يَحِلُّ

لَهُ السُّؤَالُ وَمَا جَمَعَ التَّشَدُّدُ

اور جس کے پاس ایک دن کا خرچ

ہو، اسے بھیک مانگنا حرام ہے اور اس

مِنَ السَّمَانِ فَهُوَ خَبِيثٌ. (عالمگیری ج ۵ - صفحہ ۵۴)

کے باوجود جو مانگ کر جمع کرتے ہیں تو وہ حرام ہے۔

اس طرح ناجائز ذرائع مثلاً روپیٹ یا گا بجا کر کمانی کرنے سے بھی منع کیا اور ایسی کمانی کو حرام قرار دیا گیا ہے؛ چنانچہ الاختیار اور عالمگیری میں ہے۔

كان المال بمقابلة المعصية
فكان الاخذ بمعصية كالغناء
والنوح. (عالمگیری ج ۵ - صفحہ ۵۴)

کہ رونے دھونے اور گانا بجانے کی اجرت چونکہ معصیت کا معاوضہ ہے، اس لیے اس کا دینا اور لینا دونوں ہی ناجائز ہیں۔ (اختیار ج ۲ صفحہ ۲)

کیونکہ ان پیشوں میں بیچارے سادہ لوح مسلمانوں پر معاشی بوجھ پڑتا ہے اور ایسا کرنے والے جہاں دوسروں کے لیے بوجھ بنتے ہیں، وہاں اپنی خدا داد جسمانی اور ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں کو ضائع کر کے بھی گنہگار ٹھہرتے ہیں۔ بہر صورت اسلام میں رزق حلال کی تلاش نہ صرف اہم کام ہے، بلکہ گناہوں کا کفارہ بھی ہے؛ چنانچہ طبرانی نے ارسطو، ابو نعیم نے حلیہ اور خطیب نے التخصیص المنتشابہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من الذنوب ذنوب لا يكفرها
الا السهم بطلب المعشية -
(احیاء العلوم للغزالی ج ۲ - صفحہ ۳۳)

کہ کچھ ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ طلب معاش میں جدوجہد اور منکر کرنا ہی ہے۔

اسی طرح ابو یعلیٰ اپنی مسند طبرانی، کبیر اور امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اطلبوا الرزق فی خبايا الارض (الجامع الصغیر ج ۱ - صفحہ ۴۳)

کہ اپنی روزی زمین کے پوشیدہ خزانوں (کھیتی باڑی وغیرہ) میں تلاش کرو۔

اس حدیث کی شرح میں امام علی عزیزی علیہ الرحمہ سراج منیر میں فرماتے ہیں:

یعنی تم رزق کو بوسے میں تلاش کرو کھیتی کر کے اور ذرخت لگا کر بزمین اپنے اندر کی چیزیں باہر نکالتی ہے یعنی نبات کہ جس سے جانوروں کی خوراک ہے اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رزق حلال کی تلاش جائز ہے بلکہ بسا اوقات رزق حلال کی تلاش حد فرض میں داخل ہو جاتی ہے اور رزق کی تلاش توکل کے خلاف نہیں، کیونکہ رزق تو اللہ کی طرف سے ہے، لیکن تلاش طلب رزق کا سبب عادی ہے۔

ای التمسوه فی الحرث بنحو
زرع وغرس فان الارض تخرج
ما فیہا من النبات الذی لہم
قوام الحيوان (الی ان قال) و
فیہ ان طلب الرزق مشروع
بل ربما دخل بعض الطلب
فی حد الفرض وذاك لا یتانی
التوکل لان الرزق من اللہ
لکنہ سبب عادی للطلب۔

(سراج منیر، ج ۱، ص ۲۳۱)

علامہ عزیزی کی تفسیر سے مندرجہ ذیل ایمان افروز مسائل کا استنباط ہوتا ہے:

- ۱- تلاش رزق کا عادی ذریعہ مندرجہ ذیل ایمان افروز
- ۱- تلاش رزق کا عادی ذریعہ کھیتی باڑی کرنا اور آمدنی پیدا کرنے والے پوک لگانے۔
- ۲- زمین کو اللہ تعالیٰ نے جانداروں کی روزی کا ذریعہ بنایا ہے۔
- ۳- رزق کی جستجو جائز بلکہ بسا اوقات فرض ہو جاتی ہے، جبکہ اپنے لہجے کی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے۔

۴- تلاش رزق توکل کے خلاف نہیں۔

۵- تلاش رزق طلب رزق کا سبب عادی ہے اور یہ ایمان اسباب کے ساتھ

ہی وابستہ ہے۔

تلاش رزق ازاں داوند مارا!

کہ باشد پر کشودن را بہت

اتنا کمانا فرض ہے جو اپنے اندر اور اہل و عیال اور جن کی تلاش رزق | کفالت ذمہ میں ہے، ان کے خرچہ اور ادائیگی قرض کے لیے کفایت کر سکے۔ اس کے بعد اجازت ہے کہ اتنے پر ہی بس کرے یا اپنے اور اہل و عیال کے لیے کچھ پس انداز و پس ماندہ رکھنے کے لیے بھی جدوجہد کرے (بلکہ آج کے نازک دور میں یہ افضل ہے)، نیز ماں باپ تنگ دست و محتاج ہوں، تو فرض ہے کہ اپنی کمائی سے اس قدر ان کی امداد کی جائے جس سے ان کی ضروریات پوری ہو جائیں۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ - ص ۳۴۹ طبع مصر)

گویا اسلام کا اقتصادی نظام کسی فرد کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ خود عیشی میں اپنے ماں باپ اور زیر کفالت عزیزوں کی پروا نہ کرے، بلکہ ان کی خبر گیری و سرائض میں شامل ہے۔

نہ رہ اپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری

اگر منظور ہے دنیا میں او بے گانہ خو! رہنا

اسلام کے معاشی نظام میں اسراف و تبذیر اور عیاشی سے عیاشی کی ممانعت | بڑی شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی گئی ہے کہ اس سے

بالواسطہ (یعنی انفرادی معیشت کے کمزور پڑنے سے) اجتماعی معیشت پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ مقدار خرچ میں تجاوز اسراف اور مواقع میں بے جا خرچ تبذیر ہے اور اسی طرح بخل سے بچنے کی تاکید بھی آتی ہے۔ بخل سے پرہیز اور اسراف و تبذیر سے گریز کا نام اقتصاد و میانہ روی ہے جو معیشت کی ترقی میں ایک اہم چیز ہے۔

اخراجات میں میانہ روی | اخراجات میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم | اختیار کرنے کا حدیث

میں واضح حکم وارد ہے، چنانچہ مروی ہے الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشتہ کہ نفقہ میں میانہ روی نصف معیشت ہے۔ اگر اسراف و تبذیر کا سلسلہ بند ہو جائے اور

اوپر کی سطح سے لے کر نچلی سطح تک کے سب افراد میانہ روی اختیار کر لیں، تو ملک بھر کی معیشت پر سے تقریباً نصف بوجھ کم ہو جائے، پھر میانہ روی کی ابتدا سربراہ مملکت ہو سربراہ ان فضول خرچ اور عیاش ہو تو اس کا عملہ اور ماتحت افسران اعلیٰ و ادنیٰ بھی فضول خرچی اور عیاشی میں مبتلا ہو جائیں گے، مشہور ہے الناس علیٰ دین ملو کہم کہ لوگ اپنے سربراہ کی روش اپناتے ہیں۔ سربراہ مملکت میں اگر ملک کی معاشی و اقتصادی ترقی کا کوئی سوز و گداز نہ ہو تو ملکی مشینری کے دوسرے کل پرزے بھی اس ملی و ملکی جذبہ ہمدردی سے قطعاً ناآشنا رہیں گے۔

شمع محفل ہو کے توجہ سوز سے خالی رہا!

تیرے پروانے بھی اس لذت سے ہی خالی ہے

اسلام کے نظام کو لوگوں کی معاشی بہتری جس حد تک مطلوب و وصیت پر پابندی ہے، اس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملے گی۔

باوجودیکہ اسلام کسی کی ذاتی ملکیت میں دخل اندازی کا روادار نہیں، تاہم جہاں ذاتی ملکیت کے مقابلے میں اجتماعی معیشت اور حاجت مندوں کی مشترکہ منفعیت کو خطرہ لاحق ہوا، وہاں اسلام نے کسی حد تک انفرادی اور ذاتی ملکیت میں دخل اندازی کو روادار رکھتے، بلکہ ضروری گردانتے ہوئے اجتماعی معیشت اور حاجت مندوں کے مشترکہ مفاد کی حفاظت کی ہے، اس کی نظیر وصیت پر پابندی ہے؛ چنانچہ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا کُل مال فلاں شخص کو دے دیا جائے، تو اس کی وصیت میں اس طرح کی ترمیم ضروری ہوگی کہ کفن و دفن اور قرض کی ادائیگی کے بعد اس کی جائداد کا تیسرا حصہ موصیٰ لہذا جس کے حق میں وصیت کی گئی، کو دے کر باقی دو حصے اس متوفی (وفات یافتہ) کے حقدار وارثوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے اور یہ اس لیے کہ اس کا کل مال وجہ معقول اور ضرورت شرعیہ کے بغیر کسی ایک

شخص کے ہاتھ میں نہ چلا جائے، بلکہ معاشرے کے دوسرے حقداروں کو بھی کچھ نہ کچھ مل جائے۔ یہ بھی ایک طرح سے مستحقین کے حقوق کا تحفظ اور دولت کو مختلف افراد کے ہاتھوں میں متحرک رکھنے کی کوشش ہے؛ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلام کے احکام کے آگے سر تسلیم خم رکھیں اور تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کریں۔

خم ہے سر تسلیم میرا آپ کے آگے !!
پیری ہے تو اضع کے سبب میری جوانی

اسلام کے نظام معیشت میں اپنی اولاد کو ہر دو
اولاد میں حکم مساوات

بخشش کے سلسلے میں بھی خصوصی ہدایات ہیں
کہ اگر کوئی شخص اپنی اولاد کو اپنی زندگی میں کچھ دینا چاہتا ہے، تو سب کو دے، بلا وجہ معقول و بلا سبب شرعی کسی کو محروم نہ رکھے۔ صحیح مسلم میں ہے؛

حضرت نعمان بشیر فرماتے ہیں کہ ان کے والد انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کی کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کے طور پر دے دیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تو نے اپنے ہر بیٹے کو اسی طرح ایک ایک غلام کا ہبہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا فارحہ کہ اس سے رجوع کرو۔ ایک روایت میں ہے فَاذْذُوْاْ اَسَے وَاپْسِ كِرْلُو۔ ایک اور روایت میں

ہے، آپ نے فرمایا؛ اتقوا اللہ واعدوا فی اولادکم فوجع ابی فرد تلتک الصدقة کہ خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد میں برابری کرو، تو میرے باپ نے وہ عطیہ مجھ سے واپس کر لیا۔ ایک اور روایت میں ہے فرمایا؛ فلا تشمد فی اذا فانی لاشمد علی جور تو اب مجھے گواہ نہ بناؤ، میں ظلم پر گواہ بننا نہیں چاہتا (وغیر ذالک من

اختلاف الالفاظ صحیح مسلم ج ۲ - ص ۲۷)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں؛

یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مہرب
میں اولاد کے درمیان برابری کرنا مناسب
ہے اور ہر ایک کو دوسرے کے برابر حقوق
دے اور کسی کو ترجیح نہ دے۔ مرد و عورت
کو برابر دے۔

وفی الحدیث انہ ینبغی ان لیسوی
بین الاولاد ۵ و فی الہبہ ویہب
لکل واحد منہم مثل الآخر ولا
یفصل ویسوی بین الذکر والانثی
شرح نووی ج ۲ - ص ۳۷ و ہکذا

فی الدر المختار والشامی

بعض اولاد کے ساتھ محبت زیادہ ہو اور بعض
کے ساتھ کم یہ کوئی ملامت کی چیز نہیں، کیونکہ یہ فعل

ترجیحی سلوک کی صورت

غیر اختیاری ہے اور عطیہ و بخشش میں اگر یہ ارادہ ہو کہ بعض کو ضرر پہنچائے تو یہ درست نہیں،
بلکہ سب میں برابری کرے، کم و بیش نہ کرے، ایسا کرنا مکروہ و غیر مستحسن ہے۔ ہاں اگر اولاد میں
کوئی دینی بزرگی رکھتا ہو، مثلاً عالم دین ہو جو علم دین کی خدمت میں مصروف یا عبادت و
ریاضت میں مشغول ہے اسے اگر دوسروں کی نسبت زیادہ دیدے اور ان لڑکوں کو جو دنیا
کے کام و دھندوں میں لگے ہوئے ہیں، اگر محض ادا سے، تو بلاشبہ مستحسن ہے۔ (فتاویٰ تھانی
خاں ہاشمی ہندیہ ج ۲ - ص ۲۷۹)

شریعت نے صورت مذکورہ میں جو نیک اولاد کے حق میں ترجیحی سلوک کی اجازت
دی ہے، اس میں ظلم و زیادتی ناحق نہیں، بلکہ یہ عین حق ہے اور سراپا نواب۔ اس میں
جہاں دوسری اولاد کو جو متاثر نہ ہو، نیک و صالح ہونے کا احساس شوق
ہوگا اور وہ کسی نہ کسی خیال سے رو بہ اسلات ہوں گے۔ وہاں والد کو دین کو غیر دین پر ترجیح
دینے کا ثواب و اجر بھی ہوگا اور اس نیک بچے کی جو صلہ افزائی بھی ہوگی۔ اس میں اور بھی کسی
ایک رموز و اسرار ہیں، جنہیں اہل رموز و اسرار علماً جانتے ہیں۔ یہ دنیا کے اہل حکمت و دانش
کی جانب سے

حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہے یا اہل حق کی تہمیریں

سابقہ تقریرات کی روشنی
میں بلاشبہ یہ بات واضح

ہر فرد کو ضروریاتِ زندگی مفت حاصل ہوں

ہو گئی کہ اسلام کا معاشی نظام انفرادی حقوق کے مقابلے میں اجتماعی اور ملی حقوق کا زیادہ تحفظ کرتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں اس بات کا بڑی شدت سے اور اولین طور پر اہتمام کیا جاتا ہے کہ ہر فرد کو خوراک، لباس، مکان، علاج اور تعلیم کی مناسب سہولتیں مفت حاصل ہوں اور اس کی ذمہ داری اور اخراجات کا بوجھ بیت المال پر ہوتا ہے۔ اگر خدا نخواستہ بیت المال کبھی خالی ہو جاتے، تو ترغیب و ترہیب کے ذریعے دولت مندوں کو ذمہ داری میں شریک کیا جائے گا، انہیں غریبوں، ناداروں اور حاجت مندوں کی حالت زار پر خاموشی تماشائی بنے رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس سلسلہ میں حدیث شریف بھی ملاحظہ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ان فی المال لحقاً سوی الزکوٰۃ کہ تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

یہ ارشاد فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ و لیس البر ان تولوا وجہکم قبل المشرق والمغرب کی آخر تک تلاوت فرمائی۔ (مشکوٰۃ ج ۱۔ ص ۱۶۹)

کیونکہ اس میں ہے واتی المال علی حبہ (اس کی محبت پر مال خرچ کرے) اور اسی آیت میں آگے ہے واتی الزکوٰۃ (اور زکوٰۃ دے) اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال خدا کے لیے غریبوں کا حق ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

کہ مانگنے والا آجاتا ہے، اسے خالی نہ لوٹانا، قرض مانگنے والے کو قرض دینا، گھریلو استعمال کی چیزیں یعنی آگ، پانی، نمک، دھڑ، مصالحہ اور آٹا و برتن وغیرہ جو عام طور پر ایک دوسرے کے گھر سے مانگ لی جاتی ہیں مسب

اجتماعی حقوق کی ادائیگی کے
سلسلہ میں اسلام کے معاشی

اجتماعی حقوق کس ترتیب سے ادا ہوں

واقصدی نظام نے ہماری رہنمائی کر دی ہے؛ چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی صحیح میں
حضرت ابوہریرہ و حکیم بن حزم سے اور امام مسلم اپنی صحیح میں صرف حکیم بن حزام سے روایت
فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وابدء بمن تعول دمشقوة جاضاً کہ خرچ کی ابتدا اس سے کرو جس کے تم کفیل ہو۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

ای بمن تلزمك نفقتہ (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۱۸)

یعنی اپنے بعد جب اجتماعی حقوق کے ادا کرنے کی نوبت آئے، تو سب سے پہلے اس
اس کا حق ادا کرو جس کے تم کفیل ہو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ مردانگی یہ ہے
کہ انسان دوسروں پر بوجھ نہ ہو، بلکہ اپنے اور اپنے ساتھ اہل و عیال کا آپ ہی کفیل ہو
کیونکہ جب اجتماعیت کو اپنے نوز اکتساب سے مستنیر کرنے کی نوبت آئے، تو سب سے
پہلے اس کے اپنے اہل و عیال ہی اس کی صلاحیتوں سے مستنیر ہوں۔

تو اے مسافر شب خود چراغ بن اپنا

کہ اپنی رات کو داغ جگر سے نورانی

اس اجمال کی تفصیل اس حدیث سے ملتی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے
مروی ہے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا
میرے پاس ایک دینار ہے (میں اسے کس پر خرچ کروں، فرمایا انفقہ علی نفسك
کہ اپنی ذات پر خرچ کر (یہ لنفسك عليك حق کے تحت تعلیم ہے، اس لئے عرض کیا کہ
میرے پاس دوسرا دینار ہے فرمایا اپنے خادم پر خرچ کرو عرض کیا کہ میرے پاس تیسرا دینار ہے
فرمایا اس کو بیوی پر خرچ کرو عرض کیا کہ میرے پاس چوتھا دینار ہے فرمایا اپنے نام پر خرچ کرو عرض کیا کہ یہ ہیں چنانچہ

وینا از نمایانت اعلم درواہ ابوداؤد ولسانی، مشکوٰۃ ج ۱، ص ۱۱۱، کہ تو خوب جانتا ہے، یعنی اس کے بعد تیرے اعزہ و اقارب میں جو مستحق امداد ہیں، وہ تجھے خوب معلوم ہیں، ان پر خرچ کرو (مرقاۃ)،

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ (ان حقوق کی ادائیگی کے بعد جو فرائض کا درجہ رکھتے ہیں) صدقات نافلہ (یعنی ثانوی حقوق کی ادائیگی، کا نمبر اپنا اور اپنے بیچوں گھروں اور خادموں کے مستقبل کی ضروریات کے لیے مناسب انتظام کرنے کے بعد آتا ہے، جو زائد ہوا سے جمع کر کے رکھنے کی بجائے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجات و ضروریات میں خرچ کرنا چاہیے، اگرچہ زکوٰۃ بھی ادا کر چکے ہیں۔

قرآن کریم میں قتل العفو سے یہی مراد ہے۔ اگر ملک کے دولت مند اور صاحب مال لوگ قتل العفو کی یہ مراد سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوں، تو ملک سے افلاس و غربت کا یکسر خاتمہ ہو جائے گا۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
جو حرف قتل العفو میں ہے پوشیدہ اب تک
اللہ کرے تجھ کو عطا حدت کردار
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: **و فی اموالہم حق للساائل و المحروم** کہ دولت مندوں کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔ (ذاریات و معارج) نیز ترمذی شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فاضل مال کو ضرورت مندوں میں خرچ کرنا اسے جمع کر کے رکھنے سے بہتر ہے اور اپنی ضروریات میں کام کرنے کی حد تک رکھ چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں اور خرچ کرتے وقت ان پر پہلے خرچ کرو جو تمہاری کفالت میں ہوں اور خرچ کرنے والا اپنے لیے مانگنے والے سے بہتر ہے۔

(ترمذی، ج ۲، ص ۵۷)

لفظِ حق دونوں کے بارے میں وارد ہوا ہے اور
لفظِ حق سے تعبیر کا فائدہ | یہاں لفظِ حق سے تعبیر کا فائدہ یہ ہے کہ سرکاری اداروں

اور دولت مندوں کو معلوم ہو جائے کہ استحقاقِ دولت کی بنیاد صرف عملِ پیدائشِ دولت ہی نہیں، بلکہ افلاس و غربت بھی استحقاقِ دولت کی بنیاد ہے؛ لہذا مفلس و نادار افراد بھی ٹھیک اسی طرح دولت کے مستحق ہیں جس طرح اولین مالک مگر فرق صرف اولیت اور ثانویت کا ہے، گویا دولت کے مستحق دو قسم کے لوگ ہوتے۔ ایک تو وہ جو کسی پیداوار کے عملِ پیدائش میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جنہیں عملِ پیدائش میں کسی کردار کا کامظاہرہ کیے بغیر محض ان کی غربت و افلاس کی وجہ سے دولت میں حصہ دار و شریک اور حقدار بنایا گیا ہے۔

کچھ تو وہ ہوتے ہیں جو اپنی ضرورت
ضرورت مندوں کی دو قسمیں ہیں | کے لیے مانگنے سے نہیں شرماتے وہ

سائل ہیں اور دوسرے وہ ضرورت مند بھی ہیں جو سوال کرتے شرماتے ہیں، جبکہ وہ شدید ضرورت مند اور معاشی مصیبت سے بھی دوچار ہوتے ہیں، مگر ان کا خود دار خمیہ نہیں دستِ سوال دراز کرنے سے منع کرتا ہے، تو ایسے لوگوں کی ہمیں خود تلاش کرنی چاہیے اور سوالیوں کی نسبت ان کی فکر زیادہ ہونی چاہیے کہ وہ ضرورت مند ہوتے ہوئے بھی اظہارِ حاجت نہیں کرتے، البتہ ان کا دل فریاد سے معمور ہوتا ہے اور ان کی شکایت و حاجت زبان سے نہیں، آہ سرد سے محسوس کی جاسکتی ہے۔

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں مستور ہے

سینہ سوزاں تیرا فریاد سے معمور ہے

یہاں ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کرنا مناسب معلوم
ایک عجیب واقعہ | ہوتا ہے جسے ملاعلی قاری مرقاة المفاتیح میں مشکوٰۃ میں تحریر ہے

فرماتے ہیں: ہمارے شیخ عارف باللہ علی مستقی علیہ الرحمۃ نے بتایا کہ ایک صالح آدمی اپنی حلال کمائی کا ایک حصہ خدا کے لیے بانٹ دیتے اور ایک حصہ اپنے کام میں لاتے اور بقیہ ایک حصہ اپنے کاروبار میں لگا دیتے۔ ایک روز ان کے پاس ایک مالدار شخص آیا اور کہا کہ میں کسی غریب کی امداد کرنا چاہتا ہوں کہ کسی مستحق کی نشان دہی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ مستحق کے ہمیں حلال کمائی والے کا ہی مال جاتا ہے۔ جب اس نے مجبور کیا، تو آپ نے فرمایا کہ تم چلے جاؤ مانگنے والے پھرتے ہوں گے جس کے بارے میں تمہارا دل ماننے اور مطمئن ہو، اسے دے دو وہ چلا گیا، تو اسے ایک نابینا معمر منگتا ملا، اس نے اس کو جو دینا تھا دے دیا اور چلا آیا پھر دوسرے روز اس مالدار کا اس نابینے پر سے گزر ہوا تو وہ نابینا اپنے ساتھی کو بتا رہا تھا کہ گزشتہ کل مجھے مالدار نے اتنی رقم دی کہ میرا کام بن گیا، میں نے شراب پی اور فلاں گانے والی عورت کے ساتھ شب بسر کی۔

مالدار نے سنا، تو اسے صدمہ ہوا کہ اس کے مال کو اس نابینا منگتے نے کہاں بیہودگی میں خرچ کیا، وہ اس صالح کے پاس آیا اور اسے واقعہ بتایا، تو اس صالح نے اپنی حلال کمائی سے مالدار کو کچھ دے کر کہا کہ جاؤ اور سب سے پہلے جس آدمی پر تمہاری نظر پڑے، یہ رقم فی سبیل اللہ اسے دے دو۔

چنانچہ وہ چلا گیا اور سب سے پہلے جس پر اس کی نظر پڑی، وہ ایک خوش لباس شخص تھا، معلوم ہوتا تھا کہ یہ دولت مند ہے، اسے دینے کو مالدار کا دل نہیں چاہتا تھا؛ تاہم صالح مذکور کے حکم کی وجہ سے اس نے وہ رقم اسی شخص کو دے دی۔ اس سفید پوش نے وہ رقم لی اور اٹے پاؤں واپس چلا گیا اور ایک ویران مکان میں داخل ہوا اور دوسری طرف سے نکل کر چلا گیا یہ مالدار بھی اس کے تعاقب میں رہا تاکہ یہ دیکھے کہ اس نے ویرانے میں جا کر کیا کیا ہے، اس نے جا کر دیکھا کہ وہاں ایک مرا ہوا کبوتر پڑا ہے۔ اس مالدار نے اس سفید پوش کو قسم دے کر کہا کہ بتاؤ یہ کیا راز ہے۔ اس نے کہا کہ اس کے نیچے بھوک سے بلک رہے تھے اور مانگنے کو ضمیر

گوارا نہ کرتا تھا، یہی مردہ کبوتر ملا تھا، میں اسے لے جا رہا تھا کہ اسے پکاؤں اور بچوں کو کھلا کر ان کی جان بچاؤں، راستے میں آپ ملے اور فی سبیل اللہ کچھ رقم دے دی، اب چونکہ مجھے حلال مل گیا، اس لیے اس کبوتر کو واپس اس ویرانے میں پھینک کر گھر جا رہا ہوں تاکہ اس رقم سے کچھ حلال خریدوں اور بچوں کو کھلاؤں، اس کے بعد اس مالدار کو اس صالح کی بات کا یقین ہو گیا (مرقاۃ - ج ۴ - ص ۱۹۹/۲۰۰)

اس لیے اہل دولت اور صاحب ثروت لوگوں کو ایسے باضمیر اور سفید پوش اہل فتنہ کا بھی خیال رکھنا چاہیے، اس بات کا منتظر نہیں رہنا چاہیے کہ گھر پر پانگنے والے آئیں گے تو انہیں دے دوں گا، بلکہ بے منگتے ضرورت مندوں کی خود جا کر جستجو کرنا اور ظاہر حال سے نہیں، کچھ دل کی بصیرت اور دوسرے قرآن و شواہد سے بھی ان کی خبر رکھنا چاہیے۔

دل بنیا بھی کر خدا سے طلب !

آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

سیدنا فاروق اعظم
رضی اللہ عنہ کا راجا

حضرت عمر کا رعایا کی خوشحالی کے لیے فکر مند ہونا

کی زندگی کو خوشحال بنانے کے لیے اور ان کے ہر قسم کے حقوق کی حفاظت کے جذبے سے راتوں کو گشت کرنا ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے۔ تاریخ طبری میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے راتوں میں گشت کرنے کے سلسلے کو وسعت دینے کے پروگرام کو مرتب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا، تو انشا اللہ راتوں کا گشت ساری مملکت میں پورا سال کروں گا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر طرت کی کوشش کے باوجود بعض مجبوریوں کی بنا پر بعض لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ہوں گے !

تو میں شام جاؤں گا، وہاں دو ماہ تیار

فاسیر الی الشام فاقیم بہما

کروں گا اور وہاں راتوں کا گشت کروں گا

شہرین ثغر اسیر الی الجزیرۃ

فاقیم بہا شہرین ثم اسیر
 الی مصر فاقیم بہا شہرین
 ثم اسیر الی البحرین فاقیم بہا
 شہرین ثم اسیر الی الکوفۃ فاقیم بہا
 شہرین ثم اسیر الی البصرۃ
 فاقیم بہا شہرین واللہ
 لنعم الحول ہذا۔
 (تاریخ الطبری، ج ۵، ص ۵۷)

پھر جزیرے جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں
 گا، پھر مصر جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں
 گا، پھر بحرین جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں
 گا، پھر کوفے جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام
 کروں گا، پھر بصرہ جاؤں گا، وہاں دو ماہ
 قیام کروں گا اور یہ پورا سال میری
 راتوں کو گشت کا سال ہوگا۔ قسم بخدا یہ
 اچھا سال ہوگا۔

شہر مشاہیر اسلام کے مصنف لکھتے ہیں کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے گوزروں
 کو تحریر فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ قوم کے نگران اور چرواہے
 ہوں اور اس نے انہیں اس لیے حکمران نہیں بنایا کہ وہ قوم کو ٹیکسوں کے
 بوجھ تلے دبا دیں۔

امام ابو نعیم حلیہ میں فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین اپنے زمانہ خلافت میں اس
 تمام سونے اور چاندی و دیگر اموال کو جو بیت المال میں جمع ہو جاتا حاجت مندوں اور مستحقوں
 میں بانٹ دیتے اور بیت المال میں کچھ باقی نہ چھوڑتے، پھر وہاں دو رکعت نماز ادا کر کے
 فرماتے کہ یہ زمین اس بات کی گواہی دے گی کہ ہم نے اللہ کے بندوں کے لیے جو کچھ جمع کیا تھا
 وہ سب انہیں بانٹ دیا ہے

شاہد قدرت کا آئینہ ہو، دل میرا نہ ہو

سر میں جڑ ہمدردی انساں کوئی سوانہ ہو

الغرض اسلام کے نظام حکومت سے ایک اسا اقتصادی و معاشی نظام معرض

وجود میں آتا ہے کہ صالح و موزوں ہونے کی بدولت امت کے ہر ہر فرد کے خوشحال و فارغ البال ہونے کی پوری ضمانت دیتا ہے۔

اسلام کے معاشی نظام میں اس بات کا
رعیت کے لیے نقصان کا معاوضہ ثبوت بھی ملتا ہے کہ اگر رعیت میں سے

کسی کا نقصان ہو جائے تو حکومت اسلامیہ کی طرف سے اسے معاوضہ دیا جاتا ہے؛ چنانچہ کتاب الخراج میں ہے۔

اتی عمر رجل فقال یا امیر
المومنین زرعت ذرعاً فمربہ
جیش من اهل الشام فافسده
قال فعوضه عشرة الاف (ص ۱۹)

یعنی ایک شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی اسے امیر المومنین
میں نے کھیت بویا، اہل شام میں سے ایک
شکر کا وہاں سے گزر ہوا، تو میرا کھیت برباد
ہو گیا۔ آپ نے اسے دس ہزار روپیہ معاوضہ دیا۔

اس واقعہ سے اسلام کے معاشی نظام کی خوبی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ یہی وجہ
ہے کہ دنیا بھر میں عیسائیت تک کے منکرین نے اسے ایک بے مثال معاشی نظام قرار دیا۔
والفضل ما شهدت به الاعداء۔

حضرت عمر فاروق عظیم رضی اللہ عنہ
کو عوام کی معاشی تکلیف کی فکر اس
سربراہ مملکت کو مہنگائی کی فکر

حد تک ہوتی ہے کہ اس کے مقابلے میں اپنی تکلیف کو بھول جاتے ہیں؛ چنانچہ جب آپ پر
قائدانہ حملہ ہوا، تو اس اثنائے میں کسی دُور کے علاقے سے ایک نمائندہ آپ کی خدمت میں حاضر
ہوا، آپ نے سب سے پہلے یہی سوال کیا کیا کیف اسعار ہم؟ قال قلت ارخص اسعار
تاریخ الطبری - ج ۵ - ص ۱۰۰، کہ ان کے ہاں عام چیزوں کے نرخ کیسے ہیں؟ وہ کہتے ہیں
کہ میں نے عرض کی کہ وہاں چیزیں بہت سستی ہیں۔ آپ نے اس پر امینان کا سانس لیا؛ ملو

ہوا کہ سربراہ مملکت لوگوں کی معاشی خوشحالی کا ذمہ دار ہے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسے
سربراہِ درود و فکر سے ہی عالمِ اسلام میں معاشی خوشحالی کا دور لوٹ سکتا ہے۔

کانا وہ دے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو
یارب وہ درد جس کی کسک لازوال ہو

اسلام کے مالیاتی نظام پر ایک نظر | اسلام کے معاشی نظام کے بڑے
کارلانے کو مملکتِ اسلامیہ کے لیے

سرکاری خزانے کا وجود ضروری ہے جسے بیت المال کہا جاتا ہے۔ ایک بیت المال مرکزی
ہوتا ہے، دوسرے صوبائی اور تیسرے ضلعی۔ اگر ضرورت ہو تو ایک ضلع میں متعدد بیت المال
بھی قائم کیے جاسکتے ہیں جس سے عوام کی ضروریات پوری کی جائیں گی۔ اب ہم اختصار کے ساتھ
بیت المال کے ذرائع آمد اور ساتھ ہی اس کے مصارف کے سلسلہ میں کچھ عرض کرتے ہیں۔

ذرائع آمد | (۱) زکوٰۃ (۲) عشر (۳) خراج (۴) جزیہ (۵) وقف (۶) کراء الارض
(سرکاری زمین پر لگان) (۷) عشو (کسٹم ڈیوٹی) (۸) ضرائب (ہنگامی
ٹیکس) (۹) فینے (بغیر جنگ کے) بھاگ جانے والے کا سامان (۱۰) خمس (۱۱) صدقات (۱۲)
اموال فاضلہ (متفرق آمدنیاں) (۱۳) کانیں (۱۴) دینے (۱۵) سواری ٹیکس (۱۶) ذرائع
مواصلات (۱۷) برقیات (۱۸) سیاحت و زیارت (۱۹) تجارت (۲۰) صنعت و حرفت۔

مصارف | (۱) مصارفِ ثنائیہ (آٹھ قسم کے ضرورت مند جن کا ذکر قرآن میں
بیان ہے) (۲) تنخواہیں (۳) وظائف (۴) رفاہ عامہ (۵) شعبہ
ہائے حکومت یعنی ہسپتال، سکول و مدارس، سڑکیں، پبل اور مسافر خانے وغیرہا کے متفرق
مصارف۔ اسلامی نظام یا نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کے بعد غیر ملکی قرضوں کی قطعاً ضرورت نہ ہوگی
کیونکہ ذرائع آمد مصارف سے کہیں زیادہ ہیں۔ نیز ذرائع آمد میں سے اگر سواری ٹیکس معاف کر دیا
جائے جیسا کہ اسلام کے نظامِ معیشت و آسودگی کا تقاضا ہے، تو بہتر ہوگا اسلامی سلطنت

کو خدا کا فضل کافی ہے، کہیں سے قرصہ کی بھیک مانگنے کی حاجت ہرگز نہ ہوگی۔ غرضیکہ ذرائع آمد کے مقابلے میں مصارف کم ہیں، اس لیے اسلام کے نظام معیشت میں ٹیکسوں کی بھرمار نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ یہ نظام لوگوں کو حیات حقیقیہ کے ذوق سے آشنا کرتا ہے۔

ہست دین مصطفیٰ دین حیات!

شرح او تفسیر آئین حیات!

زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظام اور مالیاتی پروگرام کے سلسلے میں زکوٰۃ ایک اہم ذریعہ آمد ہے جو نماز کے بعد ہر صاحب نصاب عاقل و بالغ مسلمان کے ذمہ واجب الادا ہے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی اور نشوونما کے ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد دولت پاکیزہ ہو کر برکتوں سے نشوونما پاتی ہے۔ نیز زکوٰۃ کی ادائیگی بندے کو اس بات کا احساس بھی دلاتی ہے کہ اس کے مال کا مالک حقیقی خدا تعالیٰ ہے اور اس کی حیثیت صرف خازن و امین کی ہے اور اس امانت کو رضا کارانہ طور پر ادا کرنا از حد ضروری ہے۔

کرتی ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف

منعموں کو مال و دولت کا بناتی ہے امیں

فلسفہ زکوٰۃ اسلام میں اہل دولت پر جو مالی حقوق عائد کیے گئے ہیں، مثلاً زکوٰۃ، عشر اور خمس وغیرہ سب میں یہی حکمت و فلسفہ کار فرما ہے کہ ملک کی دولت چند ہاتھوں میں مرکوز و محدود ہو کر نہ رہ جائے، چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

كُلَّا يَكُوْنُ دَوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ (حشر آیت ۷) کہ ہم نے دولت مندوں پر زکوٰۃ و عشر و صدقات و خیرات ایسے مالی حقوق اس لیے عائد کیے ہیں کہ مال چند اغنیاء میں ہی گردش نہ کرتا رہے اور چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے، بلکہ اس کی تحریک و گردش کا دائرہ اس طرح وسیع و عریض ہو کہ پورے ملک و ملت کے افراد اس کی تسبیح سے مستفید و منتفع ہوں۔ آیت مذکورہ کے جملہ مسطورہ بالانے اسلام کے نظام معیشت کی روح و خلاصہ کو بڑی جامعیت

کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اسلام کے نظام معیشت کے برعکس سرمایہ دارانہ معیشت میں دولت سمٹ کر چند افراد کے ہاتھ میں جمع ہو جاتی ہے جس سے ملک کے چند افراد از حد متمول و مالدار بن جاتے ہیں اور ملک و قوم کے باقی افراد تنگ دستی و معاشی بد حالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں! اسلام نے ایسی سرمایہ داری کی پہلے ہی بیخ کنی کر دی ہے اور اسلامی معاشرہ کو اس طرح کی شکل عطا کی کہ اس پر مہلک و تباہ کن سرمایہ داری کے دھبے کبھی بھی پڑنے نہیں پاتے اور اسلامی معاشرہ میں سرمایہ داری پنپ ہی نہیں سکتی اور دولت کو چند ہاتھوں میں مجتمع و مرکّز ہونے سے روکا اور اس سلسلے میں ایسے حفاظتی بند باندھے کہ اس سے دولت نہ تو چند ہاتھوں میں جمع ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کی افادیت چند افراد تک محدود رہ سکتی ہے، بلکہ اس کی حرکت و گردش تمام افراد ملک و ملت میں جاری رہتی ہے، لہذا اس میں نہ تو امیر، امیر تر اور نہ ہی غریب غریب تر ہوتے ہیں، بلکہ نہایت حسن و خوبی سے غربت و افلاس کا قلع قمع ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ باہمی طبقاتی آگ اور تحاسد و تباغض کی بھٹی ہمیشہ کے لیے سرد ہو جاتی ہے جس سے غریب و مفلس لوگ آمادہ بغاوت ہو کر اپنی ہی قوم کے خون کا دریا بہا دیتے ہیں اور باہمی کشت و خون جو سوشلزم و کمیونزم اور اشتراکیت کا طرہ امتیاز ہے، عمل میں نہیں آتا، بلکہ معاشرہ کی عمارت دولت کی مساویانہ تقسیم پر کچھ اس طرح سے استوار کی جاتی ہے کہ پورا ملک امن و سکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اشتراکی معاشرہ کو جس کی ہوا تک نصیب نہیں ہوتی۔ علامہ اقبالؒ سے اشتراکی معاشرہ کی بابت سینے سے

جز بہ تن کارے ندارد اشتراک
بر مساوات شکم دارد اساس
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

رنگ و بو از تن نگیرد جان پاک
دین ال پیغمبر حق ناشناس
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت

لہ اشتراکی معاشرہ

اشتراکیت و کمیونزم لہ سوشلسٹوں اور اشتراکیوں پر تنقید ہے۔

لیکن اسلام نے زکوٰۃ، عشر، و صدقہ و خیرات ایسے مالی حقوق دولت مندوں اور مالداروں پر قائم کر کے غریبوں اور ناداروں کو ان کی دولت و ثروت میں حصہ دار بنا کر جو مساوات حقیقی پیدا کی ہے، اس میں نعرہ بازی اور ملتج بازی نہیں، بلکہ اس کی صدائے مساوات حقیقت و صداقت پر مبنی ہے جو ہمیں صدیوں سے دعوتِ عمل دے رہی ہے جو فرس نشیں غریب کو اٹھا کر تخت نشیں امیر کا ہم پہلو بنا دیتی ہے، علامہ اقبال کی زباں سے سینے سے

ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز صدیوں سخن رہا ہے جسے گوش چرخ پیر

ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط کرتی ہے جو غریبوں کو ہم پہلو سے امیر

اقبال کس مساوات کا یہ فیض عام ہے

رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

اسلام کے معاشی نظام میں عزت
نقلی حج سے غریبوں کی امداد بہتر ہے | دافلاس کے دور کرنے کی انتہائی

کوشش کی گئی ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد اگر کسی کے پاس فاضل دولت موجود ہے۔ تو اسے بھی اس انداز سے خرچ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ خرچ کرنے والا اپنا مقصد بھی حاصل کر لے اور اس سے معاشرہ کے بد حال لوگوں کا بھلا بھی ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص فاضل دولت سے کوئی ثواب کا کام کرنا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں نفل حج کرنے کا خیال رکھتا ہے تاکہ اسے خدا تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو۔ تو اسلام کے معاشی نظام کی طرف سے اسے ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ نفل حج کے بجائے اس رقم کو معاشرہ کے بد حال لوگوں پر صرف کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کرے۔ اس سلسلے میں ہم امام غزالی علیہ الرحمۃ کا فرمان پیش کرتے ہیں:

بہت سے دولت مندوں کو حج پر روپیہ صرف کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے وہ بار بار

حج کرتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو مہربو کا دار و مدارت مند بھیجا دیتے

ہیں (ایسا حج کہاں قبول ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحیح فرمایا ہے کہ (قیامت کی علامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ) اخیر زمانہ میں بلا ضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی۔ ان کو حج کا سفر بہت آسان معلوم ہوگا (کہ جہازوں پر آئیں جائیں گے) روپیہ کی ان کے پاس کمی نہ ہوگی (جبکہ معاشرہ کے بد حال اور ضرورت مند لوگ پریشانی میں مبتلا ہوں گے اور یہ نفلی حج کرتے پھرتے ہوں گے، لیکن) وہ حج کے ثواب سے محروم رہیں دست واپس آئیں گے ابونصر علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ایک شخص امام الاولیاء بشر بن حارث کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میرا حج کا ارادہ ہے۔ آپ نے پوچھا تیرے پاس کتنی رقم ہے؟ اس نے کہا دو ہزار درہم۔ فرمایا حج سے تیرا کیا مقصد ہے؟ اس نے عرض کی اللہ کی رضا جوئی۔ فرمایا کہ میں تمہیں ایسا کام بتاؤں کہ تمہارے روپے بھی خرچ ہو جائیں اور خدا کی رضا جوئی بھی حاصل ہو اور تمہیں سفر بھی نہ کرنا پڑے، اس نے عرض کی، بخوشی؟ فرمایا اچھا جاؤ اس مال کو ایسے دس آدمیوں کو دے دو جو مقروض ہوں، وہ اس سے اپنا قرضہ ادا کر دیں اور اگر تمہاری طبیعت چاہے، تو یہ ایک ہی (مقروض یا کسی حاجتمند) کو دے دو فان اد خالک السور علی قلب المسلم و اعانة اللھفان و کشف الضر و اعانة الضعیف افضل من مائة حجة بعد حجة الاسلام (احیاء العلوم - ج ۳ - ص ۳۹۷)

تو تمہیں کیونکہ مسلمان کے دل کو خوش کرنا، بے کس کی امداد، ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا اور ضرورت مندوں کو چھوڑ کر حج پر چلا گیا، تو تیرا حج قبول نہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عہد فرمایا ہے کہ وہ صرف متقین کے عمل کو قبول فرمائے گا۔ (احیاء العلوم، ج ۳ - ص ۳۹۷ - طبع مصر)

سوچ تو دل میں لقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟

انجمن ہے پیاسی اور پیما نہ بے صبا تیرا

ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا مسجد کی تعمیر سے بہتر ہے | اسی کتاب میں ایک جگہ

امام صاحب فرماتے ہیں کہ بعض لوگ معاشی بد حالی میں مبتلا لوگوں کی ضروریات میں صرف کرنے کی بجائے مساجد کی تعمیر وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں، حالانکہ ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا مسجد کی تعمیر سے کہیں بہتر اور اہم ہے۔

صوف المال الیہم اھم و افضل و اولیٰ من الصرف الی بناء المساجد و زینتھا۔ (ج ۳، ص ۳۹۶)

یعنی ضرورت مند مسلمانوں کی ضرورت میں مال خرچ کرنا مساجد کی تعمیر و آرائش پر خرچ کرنے سے زیادہ ضروری و بہتر اور افضل ہے۔

پاکستان کی قومی آمدنی اور زکوٰۃ | اگر پاکستان کی قومی آمدنی کی زکوٰۃ پاکستان کے نادار افراد میں تقسیم کی جائے تو اس

سے تقسیم دولت کا جس قدر وسیع سلسلہ عمل میں آسکتا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی قومی آمدنی پندرہ ارب تیس کروڑ روپے کے قریب تھی۔ زکوٰۃ کی شرح اڑھائی فیصد کے حساب سے قومی آمدنی سے اگر زکوٰۃ نکال جائے، تو اڑتیس کروڑ پچیس لاکھ روپے سالانہ غریبوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ (ملاحظہ کیجئے ۱۹۶۵ء کا سرکاری بجٹ)

اموال ظاہرہ و باطنہ | اموال کی دو قسمیں ہیں ظاہرہ و باطنہ۔ اول الذکر وہ مال ہے جسے گھر میں چھپا کر رکھنا ممکن نہ ہو

جیسے جائیداد، کھیتی اور ثانی الذکر وہ مال ہے جسے گھر میں چھپایا جاسکتا ہے جیسے سونا اور چاندی۔ ثانی الذکر مال کی زکوٰۃ اگر صاحب مال از خود حکومت کو ادا کرے، تو بہتر ہے اس سے جبراً وصول نہیں کی جائے گی۔ نیز وزیر خزانہ یا افسر خزانہ اموال زکوٰۃ کو اس سے

خرچ کرنے کے پابند ہیں جس طرح قرآن و سنت کی ہدایات ہیں اور قرآن و سنت نے ہر طرح سے اس کی وضاحت کر دی ہے جس کو پیش نظر رکھنے والا غلطی میں نہ پڑے گا۔

صفتِ برق چمکتا ہے مرا فکرِ بلند !!

کہ بھٹکتے نہ پھیریں ظلمتِ شب میں راہی

انگرائی کا حق | اسلام کے معاشی نظام کی برتری کے وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے اصول خدا تعالیٰ کے وضع کردہ ہیں

اور زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے اپنی مرضی سے کچھ کہنے یا کرنے کے مجاز نہیں، بلکہ دونوں خدا و مصطفیٰ اجل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی و امر پر چلنے کے پابند ہیں، اس لیے اسلام زکوٰۃ دینے والوں کی انگریزی کا بھی حق دیتا ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کے اموال صحیح مصرف پر صرف ہو رہے ہیں یا نہیں، اگر ضرورت پڑے تو ذمہ دار

انصر کے خلاف عدالت میں دعویٰ بھی دائر کر سکتے ہیں اور اس کے علاوہ درہم و دینار یعنی نقد رقم اور سونے چاندی کی زکوٰۃ صاحبِ نصاب اپنی مرضی سے جہاں چاہے دے اور جس مستحق کو مناسب سمجھے عطا کر سکتا ہے، لیکن حکومتِ اسلامیہ کو سامانِ تجارت و مویشی، یعنی اونٹ، گائے، بھینس، بھینس بکریاں، گھوڑوں اور گدھوں کی تجارت پر زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے، اس میں جو مزاحم ہو، اسے باعنی تصور کیا جاتا ہے اور امیرِ اسلام اس

سے اکراہ و جبر کے ساتھ زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے اور زرعی پیداوار کا عشر بھی حکومتِ اسلامیہ وصول کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ حکومتِ اسلامیہ اس سلسلے میں پوری توجہ سے اور بلا رُوعایت وصول کی تک و دو کرے گی تاکہ وہ معاشی بد حالی میں مبتلا افراد کی حالت سدھارنے

میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکے

ہر ایک مقام سے آگے گزر گیا ماہِ نو

کمال کس کو میسر ہو لہے بے تگ و دو

زکوٰۃ کے مصرف وہ مصارفِ ثانیہ یعنی زکوٰۃ کے آٹھ مصارف

ہیں جن کا قرآن کریم کی سورۃ توبہ میں ذکر ہے انما الصدقات للفقراء الخ آیت ۶ یعنی زکوٰۃ صرف غریبوں، نرے ناداروں اور انہیں کے لیے ہے جو اسے حاصل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنوں کے چھڑانے میں صرف کی جائے، اور مقروضوں کے لیے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور طالب علموں اور مسافر کے لیے ہے (یعنی فقرا و مساکین و یتیم و بیوہ و جسمانی معذور و بے روزگار کیلئے) اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمہ مبارکہ مستحی بہ کنزالایمان ۱۳۲ھ ان فی ترجمۃ القرآن میں مسکین کا ترجمہ نرے نادار سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ ہدایہ کے مطابق ہے فرماتے ہیں والمسکین من لاشیئ لہ (ج ۱ ص ۱۸۷) کہ مسکین وہ ہے جو کچھ بھی نہ رکھتا ہو۔ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں و هذا مروی عن ابی حنیفہ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی تعریف مروی ہے۔

مؤلفۃ القلوب کا مسئلہ

ابتدائے اسلام میں کچھ لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے یا اسلام پر باقی رکھنے یا ان کے

شر سے بچنے کے لیے مذکوٰۃ سے حصہ دیا جاتا تھا (فتح القدیر ج ۲ - ص ۲۵۹) اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تقسیم فرماتے۔ جب اسلام ایک طاقت بن گیا تو اس وقت ایسے لوگوں کو حصہ دینے کی ضرورت نہ رہی؛ لہذا مؤلفۃ القلوب کا حصہ خود بخود ساقط ہو گیا۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ عینیہ اور قرع نامی دو شخص مؤلفۃ القلوب تھے جنہوں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا حصہ طلب کیا۔ آپ نے حضرت عمر کو خط لکھا۔ وہ دونوں صاحبان خط لے کر میداناً عمر فاروق

رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ آپ نے اس خط کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اسلام پر قائم رکھنے کے لیے عطا فرمایا کرتے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر کے ایسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اب اگر تم اسلام پر قائم رہو گے تو بہتر ورنہ تمہارے اور ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واپس حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمر؟ آپ نے ارشاد فرمایا هُوَ اِنْ شَاءَ يَعْنِي وَهِيَ (میرے بعد خلیفہ ہوں گے)، اگر چاہیں (اور منظور کریں) گے۔ تو حضرت صدیق اکبر اور دیگر جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے اتفاق کیا؛ لہذا مَوْلَفَةُ الْقُلُوبِ کے حصے کے سقوط پر صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہو گیا۔

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ حضرت عمر فاروق قرآن کریم کو ایک شبہ کا ازالہ کیسے منسوخ کر سکتے تھے۔ نیز یہ خبر واحد ہے اس سے قرآن کریم کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا لہذا اس حکم کا باقی رہنا حکومت وقت کی صوابدید پر موقوف ہونا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نہیں، بلکہ یہ صحابہ کرام کا اتفاق و اجماع ہے اور اجماع قطعی ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق تو اس فیصلے کے منظر قرار پاتے اور اس اجماع کی سند کتاب و سنت سے کوئی نہ کوئی دلیل شرعی انہیں معلوم تھی، اگرچہ اس دلیل شرعی کا اس وقت ذکر نہ کیا گیا ہو اور عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں ہے۔ پھر ممکن ہے کہ ذکر بھی ہوا ہو، مگر اسے کسی نے بھی نقل نہ کیا ہو، کیونکہ عدم نقل بھی عدم ذکر کو مستلزم نہیں ہے اور اس کے لیے اس قدر کہنا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہونے کی حیثیت سے وہ نفوس قدسیہ کسی حکم و فیصلہ پر اس وقت خاموش نہیں رہ سکتے، جب تک کہ انہیں اس فیصلے و حکم کی سند کتاب و سنت

سے معلوم نہ ہو، ان کا حضرت عمر فاروقِ اعظم کے فیصلہ مذکورہ پر خاموش رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ انہیں قرآن و سنت کی روشنی میں یہ بات معلوم تھی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مولفۃ القلوب کو حصہ دینا اس وقت تک ہے جب تک کہ اسلام کو غلبہ و قوت حاصل نہیں ہوتی۔ نیز امام ابن البہام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدر میں لکھا ہے کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ساتھ ہی یہ آیت تلاوت فرمائی: الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (سورہ کہف) کہ تمہارے رب کی طرف سے حق (واضح ہو گیا) ہے جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی آیت مولفۃ القلوب کے حصہ کے سقوط کی موجب ہے۔

(فتح القدر ج ۲ ص ۲۶)

رہا یہ سوال کہ آیت انما الصدقات الخ مذنی او آیت الحق من ربک الخ مکی سورت تھے ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مؤخر الذکر آیت کا نزول مکہ میں ہوا تاہم اس کا حکم اور اس پر عمل بعد میں ظہور پذیر ہوا کہ ایسی کئی ایک آیات پائی جاتی ہیں جو نزول کے اعتبار سے مقدم مگر حکم و عمل کے لحاظ سے مؤخر ہیں۔ بہر صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام بالخصوص لسان الحق سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم سے یہ بات ہرگز ہرگز متصور نہیں کہ وہ کسی ایسی نص قرآن کریم کی جو اپنی قطعی حالت کے ساتھ بدستور موجود ہو خلاف ورزی کریں، کیونکہ وہ تو قرآن کریم کے احکام کے محافظ و پاسبان تھے، اس کے کسی حکم کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟

پاسبانِ عزت ام الکتاب !

ازنگاہش غارت باطل خراب !

اسلامی معاشی نظام نے دور والوں کی نسبت

قریبی و مقامی مستحقین کو ترجیح دی ہے۔ زکوٰۃ کی

مقامی مستحقین کو ترجیح

تقسیم میں اول قریب، پھر بعید کے مطابق پہلے قریبی و مقامی مستحقین کو دینے کا حکم ہے اس کے بعد اگر گنجائش ہو تو دور والوں کو۔

چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو مین کی ذمہ داریاں سونپ کر روانہ کیا، تو ارشاد فرمایا اے معاذ! تم اہل کتاب کے پاس جا کر انہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے (اسلام لانے) کی دعوت دینا اگر وہ تمہاری بات مان لیں (اسلام قبول کر لیں) تو انہیں بچکانہ نمازوں کی پابندی کا حکم دینا اور اس کے بعد انہیں فریضہ زکوٰۃ سے آگاہ کرنا اور ان کے امیروں سے زکوٰۃ وصول کرنا تو خذ من اغنیائہم و ترد علی فقراء ہم یعنی زکوٰۃ وہاں کے دولت مندوں سے لے کر وہاں کے غریبوں میں بانٹ دی جائے گی اور وصولی زکوٰۃ میں ان کے بڑھیا مال نہ لینا اور مظلوم کی بدعا سے بچنا کہ اس کلمہ اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں (بخاری، مسلم) اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان نقل الزکوٰۃ عن بلد
الوجوب لا يجوز مع وجود
المستحقین فیہ بل صدقة
کل ناحیة لمستحقی تلك الناحیة
یعنی ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر
کو بھیجنا جائز نہیں، جبکہ وہاں مستحق موجود
ہوں، بلکہ ہر علاقہ کی زکوٰۃ اس علاقے
کے مستحقوں کے لیے ہے۔

(مرقاۃ ج ۲، ص ۱۱۹)

فقہائے احناف نے اگرچہ عدم جواز کا قول نہیں کیا تاہم کراہیت سے اتفاق کیا ہے، ہدایہ میں ہے: ویکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد رج ۱ ص ۱۹۱
ایک مرتبہ خراسان کی زکوٰۃ وہاں کے عامل نے شام کے بیت المال کو روانہ کر دی
خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا، تو آپ نے وہ زکوٰۃ

خراسان کے بیت المال کو واپس بھجوا دی اور ہدایت کی کہ اسے خراسان کے مقامی مستحقوں میں بانٹ دیا جائے۔ (عمدة القاری، شرح بخاری، ج ۸، ص ۲۳۸)

البتہ اگر ایک شہر کی زکوٰۃ وہاں کے مقامی مستحقوں کی ضرورت سے زیادہ ہے اور زکوٰۃ دینے والے کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار جسے شرعی طور پر زکوٰۃ دینے کی ممانعت نہیں دوسرے شہر میں ہے، تو اس صورت میں اس کو زکوٰۃ بھیج سکتے ہیں۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۹۰)

ہاشمیوں کو زکوٰۃ دینے کے بارے میں جمہور فقہاء احناف کی رائے

لا تدفع الی بنی ہاشم کہ ہاشمیوں کو زکوٰۃ نہ دی جائے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یا بنی ہاشم ان اللہ حرم علیکم غسالۃ الناس وادساختم وعودنکم منها بنعمس الخمس

کہ اے بنی ہاشم اللہ تعالیٰ نے تم پر لوگوں کا غسل اور میل (زکوٰۃ) حرام کی ہے اور اس کے عوض تمہیں خمس کا خمس عطا کیا ہے۔

(ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۸)

لہذا نص سے معلوم ہوا کہ بنی ہاشم پر زکوٰۃ حرام ہے، وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے، بلکہ ہاشمی لوگ اپنی زکوٰۃ غیر ہاشمی کو دیں گے، لیکن آج کے دور میں اس مسئلے پر نظر ثانی کرنا ہوگی، جیسا کہ

امام طحاوی کی رائے

امام الاحناف حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ ضرورت مند معاشی بحران میں مبتلا ہاشمی حضرات زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ امام طحاوی نے اس سلسلے میں کچھ احادیث بھی روایت کی ہیں جن سے جواز ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے، تاہم آج کے پُرفتن دور میں جسے معاشی مسائل نے سنگین حالات سے دوچار کر رکھا ہے، ظاہر الروایہ

پر عمل مناسب ہے، جبکہ امام صاحب سے ایک روایت جواز کی بھی ہے؛ چنانچہ فتح القدیر میں امام ابن ہمام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وروی ابو عصمة عن ابی حنیفة انه یجوز فی هذا الزمان وان کان متعنا فی ذلك الزمان۔
(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۲)

اور امام ابو عصمتہ، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس (امام اعظم کے) زمانے میں ہاشمیوں کو زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے اگرچہ اس (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں ناجائز تھی۔

کفایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے:

الحرمۃ کانت فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم للعوض و هو الخمس فلما سقط ذلك حلت لهم الصدقة قال الطحاوی وبالجملة ناخذ۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۸۱)

کہ حرمتِ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں عوض یعنی خمس الخمس کی وجہ سے تھی، تو جب خمس الخمس ساقط ہو گیا، تو ان کے لیے زکوٰۃ حلال ہو گئی۔ امام طحاوی فرماتے ہیں ہم جواز کو لیتے ہیں۔

یہ حرمت گویا اس وجہ سے تھی کہ انہیں خمس الخمس ملتا تھا اور جب خمس الخمس ساقط ہو گیا، تو ان کے لیے یہ قاعدہ الضرورات تلج المخطورات زکوٰۃ کی حرمت ساقط ہو گئی۔ ہاشمی حضرات کو لوگوں کے صدقاتِ نافذہ یا حیلوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا ان کے معاشی بحران میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔ ہاں اگر پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے بعد ہاشمیوں کے لیے کہ غریب و مفلس ہوں، کفالت کا الگ انتظام کر دیا جائے جس سے وہ حسب ضرورت لے سکیں، تو وہ زکوٰۃ سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ فی حدود حکم الحرمۃ۔ الغرض زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اگر اہل دولت اپنی دولت کی زکوٰۃ صحیح طور پر ادا کریں، تو اس سے نہ صرف ان کے دلوں

سے دولت کی محبت مٹ کر وہاں خدا تعالیٰ کی محبت جلوہ گر ہوگی، بلکہ معاشرہ کے افلاس و غربت کے مارے ہوتے لوگوں کو کسی حد تک معاشی مساوات حاصل ہوگی اور اسلامی معاشرہ کو بے مثال استحکام بھی نصیب ہوگا۔

محبّ دولت رافنا ساز ذکوٰۃ
دل زحتیٰ تنفقوا محکم کند
ہم مساوات آشنا ساز ذکوٰۃ
زر فزاید اُلفتِ زر کم کند
این ہمہ اسباب استحکام تست
اہل قوت شو زوردے یا قوی
پنختہ محکم اگر اسلام تست
تا سوارِ اشترِ خاکی شوی

عشر کے معنی دسویں حصہ کے ہیں
نصف عشر (بیسواں حصہ) بھی اس

کس کس چیز سے عشر دیا جائے

اطلاق میں شامل ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

والتواحقہ یوم حصادہ۔
(العام ۱۴۱)
اور اس کا حق شرعی اس کے کاٹنے کے دن
ادا کرو۔

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر خزان العرفان
میں تحریر فرماتے ہیں :

معنی یہ ہیں کہ یہ چیزیں (کھیتی اور درخت) جب پھلیں کھانا تو اسی
وقت سے تمہارے لیے مباح ہے اور اس کی زکوٰۃ یعنی عشر اس کے
کامل ہونے کے بعد واجب ہوتا ہے، جب کھیتی کاٹی جائے یا پھل ٹوٹ
جائیں (مسئلہ) لکڑی، بانس، گھاس کے سوا زمین کی باقی پیدوار
بارش سے ہو تو عشر واجب ہوتا ہے اور اگر ہٹ وغیرہ سے ہو تو
نصف عشر۔

(تفسیر خزان العرفان برعاشیہ ترجمہ اعلیٰ حضرت تاملہ ۲۳۶)

عشر زمین کا کرایہ ہے | زمین کے بارے میں اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ اس کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے ان الارض لله

(قرآن) کہ زمین کا مالک اللہ ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو عارضی اور مجازی طور پر مالک بنا دیا ہے کہ اپنی ضروریات کے سلسلے میں زمین سے استفادہ کریں؛ لہذا عشر اس کا معاوضہ و کرایہ ہے، لیکن چونکہ وہ خود کرایہ لینے سے پاک ہے، اس لیے اس نے ہدایت کی کہ اسے ضرورت مندوں کو دے دو، ان کے ہاتھوں میں گیا، تو گویا خدا کے ہاتھوں میں پہنچا کہ خدا کی مخلوق اس کا عیال ہے۔ امام ابو یعلیٰ اور امام بزار حضرت انس اور امام طبرانی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

المخلوق کلہم عیال اللہ فاحبہم
الی اللہ انفعہم لعیالہ۔
(الجامع الصغیر للسیوطی ج ۲ ص ۱۱۱)

کہ کل مخلوق خدا کا عیال ہے، تو اللہ کو وہی زیادہ پسند ہے جو اس کے عیال کو زیادہ فائدہ پہنچاتے۔
خلاصہ یہ ہے کہ زمین خدا کی ہے ہم عارضی استفادہ کرنے والے ایک طرح سے اس کے کرایہ دار ہیں اور یہ عشر و نصف عشر وغیرہ اس کی زمین کا کرایہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و نظر کا انقلاب بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین

عشر یا نصف عشر، عشری زمین سے لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی عشری زمین قوم مسلمان ہو جاتے، تو ان کی زرعی زمین اور عربوں کی زمین اور مجاہدین و غنیمت والوں کے حصہ میں آتی ہوتی زمینیں جنہیں مسلمانوں نے آباد کیا ہو اور لا وارث ذمی کے مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آنے والی زمین سب عشری ہیں۔ ان سے عشر یا نصف عشر لینے کا حکم ہے، اسی طرح جو زمین عشری ہو نہ خراجی

اس سے بھی عشر یا نصف عشر کی وصولی کا حکم ہے۔

ہندو پاک کی زمینوں کا حکم | اس صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت عظیم
البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان

بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ مبارکہ "فتاویٰ رضویہ" میں فرماتے ہیں :
ہندوستان (اور پاکستان) کی زمینیں خراجی نہ سمجھی جائیں گی جب
تک کہ کسی خاص زمین کی نسبت خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو
بلکہ وہ عشری ہیں یا نہ عشری نہ خراجی، اور دونوں صورتوں میں ان کا
وظیفہ عشر ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۲، ص ۲۵۳)

عرب کی سرزمین عشری ہے | قاضی القضاة امام ابی بن یوسف
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : وارض

العجاز والمدینہ ومکہ واليمن وارض العرب کلہا ارض عشر۔
کتاب الخراج ص ۳، اور حجاز مدینہ ومکہ ویمین اور کل عرب کی زمین عشری ہے۔
اگر عشری زمین بارش اور دریائی سیلاب یا قدرتی
چشموں اور نہروں کے بے قیمت پانی سے
عشر و نصف عشر کی صورت

سیراب ہوتی ہو، تو اس کی پیداوار سے عشر لیا جائے گا اور اگر ان ذرائع سے سیراب
ہو جن میں خرچ کرنا پڑتا ہے، تو نصف عشر لیا جائے گا۔ ہدایہ میں ہے کہ اس پر ہونے
والے مصارف کے وضع کرنے سے پہلے عشر یا نصف عشر دینا ہوگا۔
لا یعتب منہ اجر العمال
کے کارکنوں اور نیلوں کے اخراجات شمار
میں نہیں لائے جائیں گے۔
ونفقة البقرة (ج ۱، ص ۱۵۱)

عشر زمیندار پر یا مزارع پر؟ | امام اہل سنت مجدد دین ملت مولانا شاہ
احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے

فتاویٰ شریف میں فقہاء کے فیصلوں کی بہترین تینقح کر کے مسئلہ کو نہایت خوبی کے ساتھ واضح فرمایا ہے، ملاحظہ ہو :

زمین اگر بٹائی پر دی جائے، یعنی مزارع کے لیے پیداوار کا حصہ مثلاً نصف (۱/۲)، یا ثلث (۱/۳)، غلہ قرار دیا جائے، تو مالک زمین پر صرف بقدر حصہ عشر آئے گا، مثلاً مزارعت بالناصفۃ (۱/۲) کی صورت میں سو من غلہ پیدا ہو تو زمیندار پانچ من عشر میں دے اور اگر زمین اجارہ پر دی گئی جسے لوگ نقشہ کہتے ہیں۔ مثلاً سو روپیہ بیگھ پر اٹھائی، تو بمطابق قول صاحبین رحمہما اللہ، کل عشر مزارع پر ہے، ہمارے بلاد میں وہی (قول صاحبین، اوفق بالناس ہے۔ الخ (ج ۴، ص ۲۵۴)

کیونکہ اس صورت میں زمیندار پر عشر واجب کرنا اس کے لیے ناقابل برداشت ہو جھ ہو جائے گا جس سے اگر ایک کو معاشی سہولت ضرورت سے زیادہ حاصل ہوگی، تو دوسرے کے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔

پریشاں ہو کے میری خاک آخردل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یارب پھر وہی مشکل نہ بن جائے

عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے،
عشر و خراج کا مصرف | البتہ خراج کا حکم اور ہے وہ یہ کہ خراج کا مصرف

لشکر اسلام ہی نہیں، بلکہ تمام مصالح عامہ مسلمین ہیں جن میں تعمیر مساجد و خرچ مساجد و وظیفہ امام و مؤذن و بنائے پل و سرائے و تنخواہ مدرسین عالم دین و خبر گیری طلبہ علوم دین و خدمت علماء حق حایان دین مشغولین درس و وعظ و افتاء و غیرہ امور دین سب داخل ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۲۵۶/۲۵۷)

کسی زمین کے عشری ہونے کی
زمین کے عشری ہونے کی صورتیں | آٹھ صورتیں ہیں :

۱۔ مفتوحہ اراضی کہ مجاہدین اسلام میں تقسیم کی گئیں۔ ۲۔ لڑائی کے بغیر از خود مسلمان ہونے والوں کی زمینیں۔ ۳۔ کاشت ہونے والی زمین کہ عشری کے قریب ہے۔ ۴۔ عشری و خراجی زمین سے یکساں قریب کاشت ہونے والی یا عشری یا خراجی دونوں پانیوں سے سیراب ہونے والی زمین۔ ۵۔ مسلمانوں کا مکہ کھیت یا باغ بن گیا۔ ۶۔ عشری زمین خرید کردہ ذمی کو مسلمان نے شفعہ میں لے لیا یا ستم شرعی سے بیع فاسد یا خیار شرط یا خیار روت سے بیع ٹوٹ گئی یا خیار عیب سے بہ حکم قاضی واپس ہو گئی۔ ۷۔ افتادہ زمین کہ اسے مسلمان نے آباد کیا۔ ۸۔ غیر مسلم لاوارث بچے مرنے کے بعد اس کی زمین مسلمان کے قبضہ میں آگئی۔ ان سب صورتوں میں عشر یا نصف عشر ہوگا۔ جب ان زمینوں کا عشر بیت المال میں جمع ہو کر مستحقین مملکت میں تقسیم ہوگا، تو انشاء اللہ تعالیٰ معیشت نظام مصطفیٰ کی برکت سے مملکت پاک کے باشندوں کو فارغ البالی کا وہی مقام اور بادہ و جام ہاتھ آجائے گا جسے ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام نے ان سے چھین لیا ہے۔

لا ایک بار پھر وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی

کسی زمین کے خراجی ہونے کی صورتیں | کونسی صورتوں میں زمین سے خراج لینے کا حکم ہے

بھی آٹھ ہیں : ۱۔ مفتوحہ اراضی کہ غیر مسلم مفتوحین کے پاس رہنے دی گئیں۔ ۲۔ غیر مسلم بہ صلح اطاعت قبول کر کے ذمی کی حیثیت سے پناہ میں آگئے، ان کی زمینیں۔ ۳۔ غیر مسلم ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی۔ ۴۔ افتادہ (غیر آباد) زمین کہ اسے باجاً سلطان غیر مسلم ذمی نے آباد کیا۔ ۵۔ مسلمان کی آباد کردہ افتادہ زمین کہ خراجی زمین کے

قریب یا خراجی پانی سے سیراب ہو۔ ۷۔ مفتوحہ غیر منقسم اراضی کہ تا قیامت مسلمانوں کے لیے چھوڑ دی گئیں۔ ۸۔ زمین کے مالک مرگتے اور وہ بیت المال میں آگئی۔ جب ان سب اراضی کا خراج بیت المال میں جمع ہوگا، تو انشاء اللہ معاشی مشکلات حل ہوتے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ نیز خراج کا تعلق عشر کے برعکس پیداوار کی بجائے صرف زمین سے ہے خواہ آباد کرے یا نہ۔

بارش، کنوؤں، چشموں، دریاؤں اور عربوں
عشری اور خراجی پانی کی کھودی ہوتی نہروں کا پانی عشری ہے غیر عربوں
 کی کھودی ہوتی نہروں، غیر مسلموں کے کھودے ہوئے کنوؤں کا پانی خراجی ہے، اگرچہ
 بعد میں مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے۔

خراج کی دو قسمیں ہیں ایک خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کو حصہ
خراج کی قسمیں ادھایا تہائی یا چوتھائی وغیرہ کی صورت میں مقرر کیا جائے
 جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں پر مقرر کیا۔ دوسرا خراج موظف کہ فی
 بیگہ رقم کی ایک مقدار مقرر کر دی جائے جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
 نے کیا تھا ہدایہ و کتاب الخراج،

غیر مسلم جو اسلامی سلطنت کے زیر اقتدار اور پناہ میں آجائیں، حکومت
جزیہ ان کی جان و مال و آبرو کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اس ذمہ داری سے
 عمدہ برآ ہونے کے لیے ان غیر مسلموں سے معمولی سائیکس وصول کیا جاتا ہے جس کا نام
 جزیہ ہے، اس سے جہاں غیر مسلموں کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کی آئینی ضمانت
 حاصل ہوتی ہے، وہاں اسلام کی بالادستی کا بھی اظہار ہوتا ہے اور یہ جزیہ ہر عاقل، بالغ،
 آزاد اور باروزگار غیر مسلم مرد سے لیا جاتا ہے اور موجودہ ٹیکس جزیہ کی جگہ ہوگا اس لیے ان
 سے جزیہ کی دوسری کوئی وصولی نہیں کی جائے گی، اسے جزیہ ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

اسلام کے معاشی نظام میں غیر مسلموں سے حسن سلوک | اسلام کا معاشی نظام ایک

ایسا رحمانہ اور مشفقانہ نظام حیات ہے کہ اس میں غیر مسلموں سے بھی ہمدردی کی بنیاد پر بہتر سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ جزیہ صرف ان غیر مسلموں سے لے لیا جاتا ہے جو مسلمانوں سے لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس لیے غیر مسلم عورتیں، بچے، پاگل، معذور بے روزگار اور بوڑھے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز ان کے مذہبی رہنما جو خلوت نشین اور عبادت گزار ہیں اور اپنے عامۃ الناس کو اسلام کے خلاف کوئی صلاح و مشورہ نہیں دیتے، وہ بھی جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز ان کے مالوں سے کوئی زکوٰۃ وغیرہ بھی نہیں لی جائے گی اور یہ جزیہ سال میں صرف ایک ہی مرتبہ لیا جائے گا۔ نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں غیر مسلم ذمیوں کو جو تحفظات اور سہولتیں حاصل ہیں اگر انہیں وہ صحیح طور پر میسر ہوں، تو وہ اس کی تاثیر فیض سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ اسلام لائے بغیر نہیں رہتے۔ خلافت راشدہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور اس پر شاہد ہیں۔

جمیل تر ہیں گل و لالہ فیض سے اس کے

نگاہ نظام مصطفیٰ میں وہ ہے جادو

اگر سال ختم ہونے لگا، جزیہ کی ادائیگی سے قبل کوئی غیر مسلم ذمی سقوطِ جزیہ مسلمان ہو گیا، تو اسے جزیہ معاف ہوتا ہے اور اگر غیر مسلم ذمی

پر جزیہ سال کے اختتام سے واجب ہو چکا تھا اور وہ مر گیا، تو جزیہ ساقط ہو گیا، نہ تو اس کے وارثوں سے لیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کے ترکہ سے وضع کیا جائے گا۔ کتاب

المخارج - طبع مصر، ص ۱۲۲/۱۲۳

اور یہ جزیہ مستقل طور پر اس وقت ختم و ساقط ہو جائے گا، جب کہ حضرت یسعی

علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔

اسلام کے نظامِ معیشت میں غیر مسلموں پر جو جزیہ عائد کیا جاتا ہے، اس کی مقدار اس قدر قلیل ہے کہ وہ برائے نام ہی رہتا ہے۔ چنانچہ امام شمس اللامہ سرخی کتاب المبسوط اور امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں، مالدار ذمی سے سالانہ اڑتالیس اور متوسط درجہ والے سے چوبیس اور اس سے ادنیٰ حالت والے سے بارہ درہم شرعی وصول کیے جاتے ہیں (المبسوط ج ۱۰ ص ۷۸ و کتاب الخراج ص ۱۲۲/۱۲۳)

درہم چاندی کا ہوتا ہے جس کا وزن تولہ کا ۱/۴ حصہ ہے، تو چار درہم گویا ایک تولہ چاندی ہوتی، چاندی کی بجائے اس کی مالیت کی رقم موجودہ نرخ کے مطابق دی جاسکتی ہے، پھر اس کی وصولی میں ان سے انتہائی نرم رویہ برتا اور نہایت ہی مشفقانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مکان سے گزر رہے

ایک یہودی کا عجیب واقعہ

تھے کہ اس کے دروازے پر ایک بوڑھا نابینا سوال کر رہا تھا۔ آپ نے ازراہ شفقت اس کی کمر پر ہاتھ مارا اور پوچھا کہ تم کون ہو، اس نے کہا کہ وہ یہودی ہے، اسے جزیہ دینا ہے جس کی ادائیگی کے لیے وہ بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ فاروق اعظم نے اس کا ہاتھ پکڑا، اسے اپنے گھرنائے جو کچھ توفیق تھی، اسے عنایت فرمایا اور بیت المال کے افسر کو بلوا کر اسے ہدایت فرمائی کہ اسے دیکھ لو یہ ایک نادار یہودی ہے، اس قسم کے لوگوں سے جزیہ مست لیا کرو، بلکہ اس کی ضرورت کا بندوبست کر دو (یعنی اس کا بیت المال سے گزارہ الاؤنس مقرر کرو تا کہ اسے پیٹ پالنے کے لیے بھیک بھی نہ مانگنی پڑے)، خدا کی قسم یہ بے انصافی ہوگی کہ اس سے ہم جوانی میں تو جزیہ لیں اور بڑھاپے میں اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیں۔ (کتاب الخراج، ص ۱۲۶)

اسلام کے نظامِ معیشت پر صرف گیری کرنے والے ذرا نظرِ انصاف سے اس کی برکتوں کو دیکھیں جو بلا تمیز اپنے پرانے سب پر برابر نثار کی جا رہی ہیں۔ فرنگی نظامِ حیات کا سرکارِ مدینہ کے نظامِ حیات سے موازنہ فرما کر خود ہی صحیح فیصلہ کریں۔۔۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اسلام کے نظامِ معیشت میں
مسلمان تو مسلمان رہے غیر مسلم

غیر مسلم نادہندوں کے ساتھ سلوک

نادہندگان سے بھی جو حسن سلوک بتا جاتا ہے، اس کی کہیں مثال نہیں ملتی، اس کے عکس آج کے نام نہاد ترقی پسند و مہذب دور میں جس طرح مجبور عوام کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا جاتا ہے، وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اسلام کے سراپا رحمت و شفقت نظامِ معیشت کو رجعت پسندی کا طعنہ دینے والے حق و انصاف کے نام کی کسی چیز سے اگر واقف ہیں، تو وہ غور کریں، کیا یہی نام نہاد جدید اور ترقی یافتہ نظامِ معیشت بہتر ہے جس میں مجبور عوام سے سود و سود و سول کیا جاتا ہے اور ناداری و غربت سے ادائیگی نہ کرنے والے کو پابند سلاسل کر کے جیل میں ڈالا جاتا ہے اور اگر اس کے باوجود وہ بیچارہ و نادار آدمی ٹیکس کی رقومات کسی مجبوری سے نہ دے سکے، تو اس کی جائداد جو اس کی ضروریاتِ زندگی تک کی کفایت نہیں کر سکتی، نیلام عام کر کے اس سے سرکاری قرضے وصول کیے جاتے ہیں، یا اسلام کا وہ نظامِ معیشت بہتر ہے جس میں مسلمان تو کجا نادہندگان غیر مسلموں سے بھی مشفقانہ سلوک کیا جاتا ہے اور ان سے کسی طرف کی زیادتی و تشدد کو سرگز برداشت نہیں کیا جاتا؟ اس لیے یہ کہنا بجا ہو گا کہ اسلام کا نظامِ معیشت ہی ایک واحد نظامِ حیات ہے جو اپنے پرانے سے قطع نظر انسانی قدروں کا سچا محافظ ہے اور اس حقیقت کا اعتراف وہ

حضرات ضرور کریں گے جن کا سینہ عقل و شعور اور عدل و انصاف سے روشن ہے اور جو اس روشنی سے محروم ہیں، وہ اپنی کج فہمی پر روئیں، اسلام کے نظام معیشت کا کیا قصور ہے؟

میرے شر میں بجلی کے جوہر
لیکن نیستال تیرا ہے نمناک

امام قاضی ابو یوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں :
ہمیں ہشام بن عمرو نے اپنے باپ عمرو سے انہوں نے سعید بن
زید سے روایت کی ہے کہ ان کا اہل کتاب کے ایک گروہ سے گزر ہوا،
جنہیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا، سعید بن زید نے اس کی وجہ دریافت
کی تو اب ملا کہ یہ لوگ جزیہ نہیں دیتے، انہیں اس کا دکھ ہوا، وہ سیدھے
حاکم کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا،
آپ نے فرمایا مَنْ عَذِبَ النَّاسَ عَذْبَهُ اللَّهُ جَوْلُوكُمْ كَوْعَذَابِ
كَاءِ اسے اللہ تعالیٰ عذاب دے گا (اس پر ان کی رہائی ہو گئی)

(کتاب الخراج ص ۱۲۵)

اس کے بعد امام موصوف لکھتے ہیں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام
سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ آپ کا کچھ ایسے لوگوں سے گزر ہوا جنہیں دھوپ میں
کھڑا کر کے ان پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا تھا، آپ نے اس کی وجہ دریافت کی، عرض
کی گئی کہ یہ لوگ جزیہ نہیں دیتے، آپ نے فرمایا کیا کہتے ہیں :

قَالُوا يَقُولُونَ لَا نَجِدُ قَالَ
فَدَعَوْهُمْ لِأَتَكَلِّفُوهُمْ مَالًا
يَطِيقُونَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عِنْدَ عَرَضٍ كَانُوا فِيهَا
يُجْرُونَ بِالنَّارِ لَمْ يَدْرُوا
بِأَنَّهَا نَارٌ فَجَاءَهُمْ
بِالنَّارِ لَمْ يَدْرُوا بِأَنَّهَا
نَارٌ فَجَاءَهُمْ بِالنَّارِ
لَمْ يَدْرُوا بِأَنَّهَا نَارٌ

انہوں نے عرض کی کہ کہتے ہیں ہم ادائیگی
کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ نے فرمایا، پھر
ان کو چھوڑ دو، ایسے بے ہمت لوگوں کو

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال
لَا تَعَذِّبُوا النَّاسَ فَإِنَّ الَّذِينَ
يَعَذِّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا
يَعَذِّبُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ
أَمْرٌ بِهِمْ فَأَعْلَى سَبِيلِهِمْ۔
(کتاب الخراج ص ۱۲۵)
وہا، تو انہیں رہا کر دیا گیا ہے

تکلیف نہ دیا کرو میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں کو
دقابل درگزر بات میں، تکلیف نہ دیا کرو
جو لوگوں کو دقابل درگزر بات میں، عذاب
دیں گے، خدا روز قیامت انہیں عذاب
دے گا۔ آپ نے انہیں رہا کر دینے کا حکم

آدمیت احترام آدمی !
باخبر شو از مقام آدمی !
اس کی نفرت بھی عمیق، اس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی ہے اس کا اللہ کے بندوں پر شفیق

اسلام کے معاشی نظام کی برتری
اور سربراہ اسلام کی شفقت عامہ

قحط سالی میں قطع ید کی ممانعت

کا یہ عالم قابل دید ہے کہ قحط سالی میں چونکہ معاشی بد حالی کا دور دورہ ہوتا ہے، اس لیے
فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زمانہ میں قطع ید کی ممانعت فرمادی تھی: چنانچہ
امام ابو عبید زرماتے ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خیر خواہی اور معاملہ فہمی اس حد تک بڑھ
گئی تھی کہ آپ نے زمانہ قحط میں چوروں سے ہاتھ کاٹنے کی سزا بھی ساقط فرمادی تھی اور فرمایا
کہ زمانہ قحط میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی اور ایسے ہی وجوہ کی بنا پر آپ نے سو
بکریوں کے ریڑھ کے مالک کو بوقت ضرورت زکوٰۃ لینے کی اجازت دے دی تھی د کتاب
الاموال، ج ۲ ص ۲۳۱) کہ بکریوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ وہ مہموک سے دودھ دینا
بند کر دیتی ہیں اور دودھ پر تو مالک کی روزی کا انحصار ہوتا ہے، قحط سالی اور معاشی بد حالی

کے زمانے میں چوروں سے عفو و درگزر کرنا نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرہ امتیاز ہے،
اس لیے یہ کہنا یقیناً بجا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا نظامِ زندگی پوری انسانیت
کے لیے پیغامِ فوز و فلاح اور سراپا عفو و امان ہے۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

حضرت علی کی ایک تختیں دار کو وصیت | امام بیہقی سنن کبریٰ اور امام
ابو یوسف کتاب الخراج میں

روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو ثقیف کا ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ
نے ساہور علاقہ کا تحصیل دار مقرر کیا اور روانگی کے وقت مجھے حکم دیا کہ دیکھو روپیہ پیسہ
کی وصولی میں کسی کو کوڑے نہ مارنا اور نہ ان کے خوراک کے سامان کو فروخت کرنا اور نہ
ان کے موسم سرما اور گرما کے کپڑے نیلام کرنا اور نہ ہی ان کے جانوروں کو جن سے وہ
کام کرتے ہیں اور نہ کسی کو ایک ٹانگ پر کھڑا کرنا۔ تحصیل دار نے عرض کی کہ اس صورت
میں تو میں اسی طرح خالی ہاتھ واپس آؤں گا جیسے خالی ہاتھ گیا تھا۔ حضرت علی
کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: افسوس کہ ہمیں حکم ہی یہی ہے کہ جو چیز فاضل اور ضرورت
سے زائد ہو، اس سے محصول وصول کریں، تو اگر تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی
تو خدا تعالیٰ تجھے میرے بغیر ہی پکڑ لے گا اور اگر مجھے علم ہو گیا، تو میں تجھے معزول کر دوں
گا۔ تحصیل دار کا کہنا ہے کہ میں حضرت علی کے حسب ارشاد روانہ ہوا فعلت بالتذی
امرئی بہ فرجعت و لَمَّا انْتَقَصَ مِنَ الْخَرَجِ شَيْئًا۔ یعنی میں نے
خراج کے وصول کرنے سے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہدایات پر عمل کیا، تو
پورا خراج لے کر لوٹا اور خراج سے کچھ بھی کم نہ تھا۔

یہ اسلام کی انتہائی رحمت و شفقت ہے کہ سرکاری ٹیکس اسی طرح لطافت و

شفقت سے وصول کیا جاتا ہے کہ اس سے نہ کوئی بھوکا رہتا ہے، نہ پریشان و تنگ۔
 لہذا ہمیں تہذیبِ حاضر کی اندھی تقلید کرنے کے بجائے اس سے استغنا و اعراض کر کے
 اپنے خدا و مصطفیٰ اجل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے نظامِ معیشت کو نافذ کر کے اپنی عزت
 رفتہ کو واپس حاصل کرنا چاہیے جس میں مسلمانوں کے لیے حقیقی ترقی کا راز مضمر ہے اور
 جو ہماری صحیح منزل و معراج ہے۔

نڈھونڈھ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجسلی میں

کہ پایا میں نے استغناء میں معراجِ مسلمانی

جزیہ کی قلیل مقدار پر جرجی زیدان جیسے متعصب عیسائی کو تسلیم کرنا پڑا کہ جزئیہ کی جو
 رقم اسلامی سلطنت میں غیر مسلم رعایا سے لی جاتی ہے، وہ اس رقم سے بہت ہی کم ہے
 جو وہ اسلام سے قبل روم و ایران کی حکومتوں کو دیا کرتے تھے۔ اب جبکہ غیر مسلم حکومت
 پاکستان کو مختلف ٹیکس دیتے ہیں جو جزئیہ سے کہیں زیادہ ہے، تو ٹیکسوں کی موجودگی میں
 ان سے جزئیہ کی وصولی نہیں ہوگی؛ البتہ جزئیہ میں انہیں فائدہ ہے کہ وہ تھوڑا ہوگا اور
 ٹیکس زیادہ ہے۔

جزیہ کے مصارف وہی ہیں جو خراج
جزیہ کے مصارف کے ہیں۔ (کافی کتب الفقہ)

وقف کے معنی ہیں کہ منقولہ یا غیر منقولہ شئی کو اپنے ذاتی ملک سے
وقف خارج کر کے خالص اللہ کی ملک میں کر دینا تاکہ اس کا نفع و وقف

کی حسب خواہش بندگانِ خدا کو ملتا ہے۔ وقف ایک صدقہ جاریہ ہے کہ وقف کرنے والے
 کو ہمیشہ ہمیشہ (تا وجود موقوف) اس کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور بہتر وقف وہی ہے
 جس کی مسلمانوں کو زیادہ ضرورت ہو جس کا نفع بھی زیادہ ہو، مثلاً کتابیں خرید کر کتب خانہ
 قائم کرنا اور اسے دین کے لیے وقف کرنا کہ اس سے اہل علم استفادہ کرتے رہیں اور وقف

کرنے والے کو ثواب ہوتا رہے۔

اسی طرح مدرسہ قائم کرنا اور اس کے لیے جائیداد اور زمین، دکانیں و باغات وقف کرنا تاکہ اس کی ضروریات خود بخود پوری ہوتی رہیں جس سے اس کا وجود ہمیشہ کے لیے قائم رہے یہ نہایت اعلیٰ درجے کا کام ہے، اس کے بعد مساجد کا قیام و تعمیر اس کے باقی رفاہی اداروں کی تعمیر ہے جو جائیداد فقراء مسلمین پر وقف کی گئی، وہ بیت المال کی تحویل میں ہوگی جہاں سے فقراء مسلمین امداد پاتے رہیں گے۔

آج سے کچھ عرصہ قبل مسلمانوں میں اپنی آخرت سنوارنے کا جذبہ خوب تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی جائیدادیں نیک کاموں اور دینی اداروں کے لیے وقف کر کے انہیں خود کفیل بنا کر دین و دنیا میں بلند مقام حاصل کر جاتے تھے، مگر آج بخل و کنجوسی کا خوب دور دورہ ہے، جائیدادیں بنانے اور سمیٹنے کا جذبہ و رجحان ترقی پر ہے۔ خدا تعالیٰ اس مادہ پرستی اور ہوس ماضی سے بچا کر مسلمانوں کو پھر سے وہی جذبہ کہن عطا فرمائے۔ آمین ۷

شراب کہن پھر پلا ساقیا وہی جام گردش میں لا ساقیا
جو انوں کو سوزِ جگر بخش دے میرا عشق میری نظر بخش دے

کراء الارض حکومت کی مملو کہ اراضی کا سالانہ کرایہ اور لگان ہے

کراء الارض جو کاشت کاروں پر عائد کیا جاتا ہے۔ ایسی زمینوں کو اسلام کی اصطلاح میں ارض المملکتہ یا ارض الحوزہ کہتے ہیں اور جو لاوارث زمین ہو کہ جنگ سے مفتوح ہو کر وقف علی المسلمین ہو گئی، اس کی بھی آمدنی بیت المال میں جاتی ہے اور جنگ سے مراد کفر و اسلام کی جنگ ہے کہ ایک طرف کفار ہوں اور دوسری طرف سے مسلمان اعلانِ کلمتہ کے لیے لڑے ہوں، اس کے سوا کوئی اور وجہ جنگ نہ ہو ۷

یہی دینِ محکم یہی فتح یاب !
کہ دنیا میں تو حید ہو بے حجاب !

عشور | ایران اور روم کی سلطنتوں کا دستور تھا کہ جب کوئی مسلمان تاجر مال تجارت لے کر ان کی سرحد میں داخل ہوتا، تو وہ اس سے محصول (کسٹم ڈیوٹی) لیا کرتے تھے اور اگر وہ سال میں متعدد بار آمد و رفت رکھتا، تو ہر بار محصول لیتے، لیکن جب غیر مسلم اسباب تجارت لیکر آنا اسلامی مملکت اس سے کوئی محصول نہیں لیتی تھی۔ اس صورت حال سے غیر مسلم تاجر فائدے اور مسلم تاجر خسارے میں رہتے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس بارے میں خط لکھا، تو آپ نے فرمان جاری کیا کہ تم بھی ان سے کسٹم ڈیوٹی لیا کرو، اسے اسلامی اصطلاح میں عشور کہتے ہیں۔

خذ انت منهم کما یاخذون
من تجار المسلمین۔
تم بھی غیر مسلم تاجروں سے ٹیکس لیا
کرو جیسے وہ مسلمان تاجروں سے
لیتے ہیں۔
(کتاب الخراج ص ۱۳۵)

اور اس فرمان میں مسلمان تاجروں سے محصول لینے کا حکم بھی شامل تھا، لیکن اس طرح کہ غیر مسلم ذمی سے کل مال لے کر گزرے، بیسواں حصہ اور غیر مسلم حربی سے دسواں اور مسلمان سے چالیسواں (وہی زکوٰۃ کا حصہ لیا جائے۔ ساتھ ہی یہ ہدایت بھی درج تھی جس مال کا مسلمان سے چالیسواں حصہ اور ذمی سے بیسواں اور حربی سے دسواں حصہ لیا جائے، اس کی مالیت دوسو درہم سے کم نہ ہو اور اگر کم ہو، تو اس سے کوئی کسٹم ڈیوٹی نہ لی جائے۔ اگر کوئی شخص بہت سے مال کو اس قدر کئی قسطوں میں کر کے لے جائے جس کی مالیت دوسو درہم سے کم ہو، تب بھی اس سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ نیز یہ بھی کہ جس مال سے ایک بار کسٹم ڈیوٹی لی جائے، اگر اسے تاجر واپس لے جا کر پھر دوبارہ لے آئے، جب بھی اس مال سے کسٹم ڈیوٹی نہ لی جائے، جب تک کہ وصولی کو سال نہ گزرے؛ البتہ غیر مسلم حربی سے ہر بار کسٹم ڈیوٹی وصول کی جائے گی۔ غیر مسلم ذمی اور مسلمان تاجر سے دونوں سے نہیں۔ نیز اس میں یہ ہدایت بھی تھی کہ اگر مسلمان

تاجر اس بات کا حلف اٹھائے کہ اس مال کی اس نے زکوٰۃ ادا کر دی ہے، تو اس سے بھی کسٹ ڈیوٹی نہ لی جائے۔ (کتاب الخراج ص ۱۲۳/۱۲۴)

قارئین! غور فرمائیں کہ اسلام کو عوام کی حالت سدھارنے اور ان کی معیشت کو بہتر بنانے میں کس قدر احساس ہے۔ اسلام کے نظام معیشت میں ملک کے عوام سے جو جذبہ صداقت کا فرمایا ہے، اسے ایک حقیقت ہیں کی آنکھ دیکھ کر تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتی، لیکن جنہوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب کی عینک چڑھا رکھی ہو، انہیں اس حقیقت کا ادراک کیسے حاصل ہو

کیا خبر اس کو ہے یہ راز کیا؟

دوست کیا ہے، دوست کی آواز کیا؟

راقم کی رائے میں ادائیگی زکوٰۃ کا سرٹیفکیٹ یا رسید کا مصدقہ کاغذ بھی پیش کرنا فی زمانہ مزید موجب حصول طمانیت ہوگا کہ آج کے مسلمان جھوٹی قسم اٹھانے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے اور یہ سرٹیفکیٹ یا رسید کسی سرکاری یا نیم سرکاری ادارہ کی طرف سے مصدقہ ہو۔

فائدہ

عشور یعنی کسٹ ڈیوٹی جو مسلمان سے لی جائے وہ زکوٰۃ اور جو ذمی و عربی غیر مسلم

عشور (کسٹ ڈیوٹی) کی شرعی حیثیت

سے لی جائے وہ خراج متصور ہوگی، چنانچہ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں: اور جو عشور مسلمانوں سے لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ کے طور اور جو غیر مسلم ذمیوں اور عربیوں سے لیا جاتا ہے وہ خراج کی مد سے متصور ہوگا۔

وکل ما اخذ من المسلمین
من العشور فسبیلہ سبیل
الصدقة وسبیل ما یؤخذ
من اهل الذمة جمیعا و
اهل الحرب سبیل الخراج۔ ص ۱۳۴

یعنی ہر ایک کو متعلقہ مد میں جمع کر کے اس کا حساب و اندراج اسی کے ساتھ رکھا جائیگا۔

ضرائب (ہنگامی ٹیکس) بھی بیت المال کے لیے ہوتے ہیں۔ اگر
ضرائب کفار کے ساتھ جنگ ہو جائے اور بیت المال خالی ہو اور لوگوں کو

ان کی ضروریات میسر نہ آرہی ہوں جس سے تباہی و بربادی اور ہلاکت کا قومی اندیشہ منڈلا
 رہا ہو اور غنی و سرمایہ دار لوگ بھی وہ تمام مالی حقوق ادا کر چکے ہوں جو ان پر عائد ہوتے تھے،
 لیکن بایں ہمہ ملکی ضرورت پوری نہ ہو رہی ہو یا قحط سالی سے بربادی و ہلاکت کا قومی اندیشہ
 بدستور باقی ہو تو اس صورت میں سرمایہ داروں پر ہنگامی اور وقتی ٹیکس لگائے جائیں گے، ان
 کا نام ضرائب ہے، ان سے جنگی اور غریب و پریشان حال لوگوں کی معاشی ضرورت پوری
 کی جائے گی، بجائے اس کے کہ ہم غیر ملکوں سے قرض کی بھیک مانگتے پھریں۔ اپنے ملک
 کے دولت مندوں سے ان کے حسب استطاعت وقتی ٹیکس لے کر ملکی معیشت و ضرورت
 کو سنبھالا دیا جاسکتا ہے، بلکہ ہمارے اسلاف کی روایت تو یہ ہے کہ اہل ثروت و غنی لوگ
 اپنی صداقت نیت اور خلوص للہیت کی بنا پر پر معاشی بد حالی اور غربت و فقر میں مبتلا
 لوگوں کی خود ہی خبر گیری کرتے اور ان کی اس حد تک معاونت فرماتے تھے کہ افلاس و غربت
 کے مارے ہوؤں کو زبان پر حرف شکایت لانے کی ضرورت ہی کم محسوس ہوتی تھی۔

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی!

نفتش ہے صفحہ ہستی پر صداقت ان کی!

ضرائب ہنگامی امداد سے اگر اہل استطاعت گریز کرنے لگیں تو حکومت اسلامیہ ان سے
 جبری طور پر بھی امداد لے سکتی ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

یعنی سربراہ مملکت ملک کے وفادار

دولت مندوں کے مالوں میں ہنگامی ٹیکس

عائد کرنے کا تعلق کر سکتا ہے تو وہ ملک

وللا ما مران يفعل ذلك

فی مال العادل عند الحاجة

نفی مال الباعی ادلی والمعنی

فیه العاق الضرر الادنی
لدفیع الاعلیٰ۔

کے بے وقاؤں (جو ملکی ضروریات میں
استطاعت کے باوجود تعاون نہیں کرتے
بلکہ آمادہ بفساد رہتے ہیں) کے مالوں میں

(ہدایہ شریف - ج ۱ - ص ۵۸۵)

ضرر اعلیٰ کے دفع کو تصرف کر سکتا ہے۔

اور امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط شریف میں ہے کہ حرب ہوازن میں ضرورت
درپیش تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے کچھ زرہیں اس کی بلا اجازت
استعمال کے لیے لے لی تھیں۔ (مبسوط ج ۱۰ ص ۱۲۶)

لیکن نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
میں ان موجودہ بے ہنگم ٹیکسوں
کی کوئی گنجائش نہیں جو حکومتیں

نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود
بے ہنگم ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں

عوام پر بلا جواز مسلط کرتی ہیں۔ یہ سراسر عدل و انصاف کے خلاف اور خالص جبر و ظلم ہے
اور یہ ظالمانہ اور بے رحمانہ ٹیکس محض مقتدر ہستیوں کی عیاشیوں اور ہوس پرستیوں کو پورا
کرنے کے لیے لگائے جاتے ہیں۔ اگر اہل اقتدار عیاشیوں اور ہوس پرستیوں سے
باز آکر اسلامی زندگی اختیار کریں، تو غریبوں پر اس قدر ظالمانہ ٹیکسوں کا بوجھ نہ لادنا پڑے۔
قارئین! غور فرمائیں کہ جس ملک کے سربراہ کی یہ حالت ہو:

”جو ملک کے خزانے سے اپنے لیے ایک کروڑ دس لاکھ روپے
سالانہ یعنی تیس ہزار روپے روزانہ وصول کرتا تھا اور دوسرے اخراجات
اس کے علاوہ تھے۔ پاکستان کے خزانے سے انہوں نے اپنے لیے
بیس لاکھ روپے کی ایک کار خریدی جس کا نام مرسیڈیز ۶۰ ہے۔“

ہفت روزہ ”اسلامی جمہوریہ“ ۲۱ فروری ۱۹۷۷ء ص ۴۲

اور جس سربراہ کی یہ حالت ہو:

”دفتر خارجہ کے سفارتی ذرائع سے اور حکومت پاکستان کے خرچ پر

نیویارک سے پانچ سو ڈالر کے سوٹ، لندن سے ایک سو ڈالر کی قمیض،
روم سے ایک سو ڈالر کے بوٹ اور پیرس سے معدنی پانی منگوایا جاتا تھا
اس کے علاوہ اس کی پسندیدہ چائے سنگاپور سے منگوائی جاتی تھی۔“

”نوائے وقت لاہور“، رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ

ایسے سربراہ مملکت کو، مملکت اور عوام کا خیر خواہ کہنا چاہیے یا بدخواہ، پھر عوام بھوکوں
مر رہے ہوں اور سربراہ کی عیاشی کا یہ عالم ہو کہ وہ اپنے ملک اور وطن عزیز کا پانی پینا بھی پسند نہ
کرتا ہو اور غیر ملکوں کا معدنی پانی نوش کرے۔

ہم کو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی !!

گھر میرا بجلی کے چراغوں سے روشن

بہر صورت قرآن و سنت، اسلام اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے نظام
حیات میں عوام پر ٹیکس عائد کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں، جب تک کہ خزانے
میں کچھ موجود ہو، درمختار طبع اند یا مطیع احمدی میں ہے :

وکرہ الجعل ای اخذ	یعنی مجاہدین کے لیے لوگوں سے ضرورت
المال من الناس لاجل	کا سامان پکڑ لینا اس وقت تک ناجائز
الغزاة مع الفیئ ای مع	ہے، جب تک کہ بیت المال میں کچھ
وجود فیئ فی بیت المال۔ ۳۲۴	موجود ہے۔

اور خزانہ تو مسلمانوں ہی کی ضرورت کے لیے ہے لان بیت المال معدل لنواب
المسلمین (شامی - ج ۴ - ص ۱۲۴)، حکام کی عیاشیوں کے لیے نہیں، علامہ امام ابن
عابدین درمختار کی بالاسطورہ عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں :

وللامام ان یکلف الناس	کہ ساکم جنگی ضرورت کے وقت جبکہ خزانے
بان یقوی بعضهم بالکراع	میں کچھ نہ ہو، ضرورت مندوں کے لیے

الى الخيل والسلاح وغير ذلك من النفقة والزاد -
 صاحب استطاعت لوگوں سے جبری طور پر سواریاں واسلحہ اور سفر خرچہ دلوا سکتا ہے۔
 (رد المختار ج ۲ ص ۱۲۷)

اسی طرح ہدایہ وفتح القدر و عنایہ میں ہے وما وظف الامام لتجهيز الجيش
 وفداء الاسارى الخ (ج ۳ ص ۱۲۵ و ج ۴ ص ۲۲۲ و ج ۵ ص ۲۲۲/۲۲۱) اور
 ضرورت کے پورے ہوئے بعد ٹیکس کے بغیر اصلی اشیاء جو جبراً لی گئی تھیں، تو مالکوں کو واپس
 کر دی جائیں گی اور اگر کوئی چیز ضائع ہو گئی، تو مالکوں کو اس کی قیمت دی جائے گی، چنانچہ مجمع الانبیاء؛
 بشرط الضمان فاذا زالت
 الحاجة يرد ان كان قائما
 والا فقيمته (ج ۱ ص ۶۲۲)
 یعنی بشرط ضمان پھر رفع ضرورت کے
 بعد اگر وہ چیز موجود ہو تو وہی مالک کو لوٹا دی
 جائے گی، ورنہ اس کی قیمت۔

یہ اس لیے کہ ہمارا دین، دین
 اسلام ہے اور یہ مسلم ہے کہ اسلام

اسلام جان اور مال کا تحفظ دیتا ہے

جان و مال کا مکمل تحفظ دیتا ہے۔ دارالاسلام میں ہر شخص کی جان، مال واجب الاحترام
 اور واجب العصمتہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

عصوامنی دماءہم
 اموالہم (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷)
 کہ میں ہر مسلمان کو جان و مال کا مکمل
 تحفظ دینے کا ذمہ دار ہوں۔

اور جان و مال و عزت و ناموس کا صحیح محافظ اسلام یعنی نظام مصطفیٰ ہی ہو سکتا ہے،
 بلکہ اسلام تو دارالاسلام میں موجود پناہ گزین غیر مسلموں کو جان و مال کا مکمل تحفظ دیتا ہے۔
 اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کیسا عادلانہ نظام حیات ہے کہ ذاتی ملکیت کو
 تحفظ دیتا ہے اور حاجت مندوں کی ضروریات کا کفیل بھی ہے۔ ایسے عظیم الشان اور حیات
 افزا نظام مقدس کے ہوتے ہوئے کیپٹلزم اور سوشلزم ایسے رسوائے زمانہ نظام بے معنی ہو کر

رہ جاتے ہیں۔

ہفت کشور جس سے ہونچیر بے تیغ و تہنگ
 تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے
 اگر کفار مسلمانوں کے لشکر سے خائف و مرعوب ہو کر مال چھوڑ کر بھاگ
 جائیں اور وہ مال مسلمانوں کے ہاتھ لگے، اسے فیتی کہتے ہیں اور اس کے

فیئ

بھی تین حصے کیے جاتے ہیں۔ عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے :

والبحنیفة یقسمہ، اثلثاً۔

کہ امام ابوحنیفہ اسے تین حصوں

میں بانٹنے کا فرماتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۲۲)

مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ فقرا و مساکین اور یتیموں
 کے لیے بیت المال میں رکھا جاتا ہے۔

خمس غنیمت

سداقات نافلہ اور فقراء و مساکین اور یتیموں کے لیے نذر
 کیے ہوئے اموال بھی بیت المال میں جمع ہوتے ہیں جہاں سے مستحقین
 پرستفرق آمدنیاں :

صدقات

کو دیے جاتے ہیں۔

اموالِ فاضلہ

۱۔ لاوارث لوگ فوت ہو جائیں اور اپنے پیچھے جائداد چھوڑ

جائیں۔ ۲۔ مرتد کے زمانہ ارتداد کا کمایا ہوا مال۔ ۳۔ ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی

دولت بحق بیت المال ضبط کر لی جاتی ہے۔ یہ سب اموالِ فاضلہ ہیں جو بیت المال میں کئے
 جاتے ہیں۔

زمین کے وہ خزانے جو قدرت نے اس میں پیدا کیے اگر سرکاری زمین

کانیں

میں دستیاب ہوئے تو کل بیت المال کے لیے درنہ پانچواں حصہ

بیت المال کے لیے۔ حدیث شریف میں ہے: *دنی الرکاز الخمس کہ قدرتی خزان ارضی*

میں خمس ہے۔ (کما فی الہدایہ ج ۱ ص ۱۰۱)

کسی زمین دفن کیا ہو مالِ دینہ کہلاتا ہے، اگر یہ کسی کو دستیاب ہو اور
دینہ اس کا مالک بھی کوئی نہ بنے، تو چار حصے دستیاب کرنے والے کے

اور پانچواں حصہ بیت المال کا ہوتا ہے (کما فی البدایہ)

بسوں، ٹرکوں، کاروں، سکوتروں، موٹر سائیکلوں اور ٹانگوں
سوار میٹیکس پرٹیکس وغیرہ، لیکن اس کی موجودہ مقدار زیادہ ہے، اسے کم کرنا
 ہوگا اور اگر اس کے بغیر مملکت کا کام چل سکے، تو اس ٹیکس کے عائد کرنے کی ضرورت نہ ہوگی
 اس کا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب اسلام کا نظام حیات مکمل طور پر نافذ ہوگا
 تو اللہ تعالیٰ آسمان سے ایسی برکتیں نازل فرمائے گا کہ سوار میٹیکس جیسے بوجھوں کی مصیبت
 سے قوم کو نجات مل جائے گی۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوشش!

اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی!

سرکاری بسیں، گاڑیاں، دریلوے، جہاز اور محکمہ
ذرائع مواصلات ٹیلیفون اور محکمہ ڈاک کی آمدنی۔

برقیات بجلی (الیکٹرک) کی آمدنی

اسی طرح غیر ملکوں کی سیاحت و
سیاحت و زیارت زیارت کی آمدنی۔

بنکوں سے سودی نظام کو ختم کر کے انہیں شریعت کے مطابق
تجارت مضاربت و مشارکت کے اصولوں پر چلایا جائے گا، اس کے

منافع بھی بیت المال میں جمع ہوں گے۔

اسی طرح سرکاری فیکٹریاں بھی جو آمدنی پیدا کرتی ہیں، اس سے
صنعت ورکروں کی زندگی خوشحال بنانے کے بعد فاضل آمدنی بھی بیت المال

میں جمع ہو۔ مملکتِ اسلامیہ کی مندرجہ بالا پیداواری مدت اور ذرائع آمد بہت وسیع ہیں، ان کے مقابلے میں اخراجات محدود ہیں۔ اگر ملکی معیشت پر عیاشی و فضول خرچ کی بجائے قناعت پسند و امانت دار قیادت کا کنٹرول ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک میں غربت و افلاس باقی رہ جائے۔

اس قدر ہوگی ترم آفریں باد بہار !
نکمتِ خوابیدہ غنچے کی لوزا ہو جائے گی

کورٹ فیس کی ممانعت | کورٹ فیس چونکہ حصول انصاف کی فیس ہے، اس لیے یہ جائز نہیں۔ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

میں اس کی گنجائش نہیں، اسے ختم کر دیا جائے تاکہ ہر شخص کو انصاف کے مواقع مفت حاصل ہوں۔

گزارہ الاؤنس اور تنخواہیں | اسلام کا معاشی نظام اس لحاظ سے بھی نیا ہے کہ نظاموں سے اعلیٰ و برتر ہے کہ اس میں

لوگوں کی معاشی کفالت کا پورا اہتمام ہے، حتیٰ کہ اس میں نومولود بچے تک کو گزارہ الاؤنس دیا جاتا ہے اور اسلام نے اس وقت یہ اقدام کیا، جبکہ روئے زمین پر کسی بھی معاشرے میں اس کا تصور تک نہیں ملتا تھا۔ اگر آج کسی غیر اسلامی معاشرہ میں یہ چیز پائی جاتی ہے تو وہ اسلامی معاشرہ کی تقلید میں ہی ہے، لہذا حقوق انسانی کے تحفظ و نگہداشت کا سہرا خادمانِ اسلام کے ہی سر ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں وظائف کا نظم و نسق کن ایک شعبوں پر مشتمل ہے۔ ہر ایک شعبہ کے لیے الگ الگ حساب و کتاب رکھا جاتا ہے۔

فوج کی تنخواہ | فوج کے جوان جو فوجی خدمت و عافیت پر ہیں، ان کے لیے باقاعدہ ماہانہ تنخواہ ہوتی ہے۔ فوج کی تنخواہیں بانسٹا بطور پر

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جاری فرمائیں۔ یہ تنخواہیں اس قدر ہوتی ہیں کہ فوجیوں کے

روزِ مزہ کے ضروری اخراجات باسانی پورے ہوتے۔ یہاں تک کہ جب کسی فوجی کے ہاں کوئی بچہ جنم لیتا، تو اس کی تنخواہ کے ساتھ اس کے بچے کا ماہانہ وظیفہ بھی جاری کیا جاتا اور بچوں کے وظائف صرف فوج کے لیے ہی نہیں، سب کے لیے ہوتے تھے، کیونکہ اسلام کے معاشی نظام کا سایہ رحمت سب کے لیے یکساں ہیں، اس کی نگاہ میں چھوٹا بڑا ایک سا ہے۔

اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
نشیب و فراز و پس و پیش سے

بشر بن غالب سے روایت ہے کہ حضرت

شیر خوار بچہ کا وظیفہ

حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے دریافت

کیا گیا کہ نومولود بچوں کا وظیفہ کب سے جاری ہوگا؟ انہوں نے فرمایا اسی وقت سے جبکہ وہ پہلی آواز نکالے (کتاب الاموال ج ۱ ص ۲۹۹)

حضرت عبداللہ عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کا وظیفہ اس وقت تک جاری نہ کرتے، جب تک کہ اس کا دودھ نہ چھڑایا جاتا، لیکن بعد میں انہوں نے اعلان جاری کیا کہ:

لوگو! اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کیا کرو، ہم ہر مسلمان بچے کی پیدائش کے وقت ہی سے اس کا وظیفہ جاری کریں گے اور یہی حکم انہوں نے تمام اسلامی مملکت میں بھیج دیا کہ مسلمان کے ہر بچہ کا اس کی پیدائش ہی سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔

(کتاب الاموال ج ۱ ص ۲۹۹)

محمد بن ہلال المدینی اپنے

عمر کے ساتھ بچہ کے وظیفہ میں اضافہ

باپ کی وساطت سے

اپنی دادی کے بارے میں روایت کرتے ہیں وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دیا کرتی تھیں۔ ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذرہ نظر نہ آئی، تو آپ نے اپنے گھر والوں سے دریافت کیا کہ فلاں خاتون دکھائی نہیں دیتی کیا وجہ ہے؟ ان کی اہلیہ نے عرض کی کہ آج رات اس کے بال بچے ہو اسے۔ حضرت عثمان نے (باوجودیکہ اس کی طرف سے کسی قسم کی درخواست تک نہ بھیجی گئی تھی، خلیفہ نے محض اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے) محمد بن ہلال کی دادی کے پاس پچاس درہم اور ایک چادر بھیجی اور فرمایا کہ یہ تیرے بیٹے کا وظیفہ ہے اور چادر سے اس کے کپڑے بنالے جب یہ بچہ ایک سال کا ہوگا ہم پچاس کی بجائے اس کا وظیفہ سو درہم کر دیں گے۔ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۰۷)۔

ہے سوزِ دروں سے زندگانی
اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ

امام ابوسعحاق اپنے دادا انبیا سے خلیفہ وقت کو جب کسی بچے کی ولادت کا علم ہوتا تو وہ درخواست طلب کیے بغیر اس کا وظیفہ جاری کر دیتے

راوی ہیں کہ ان کا گزر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سے ہوا، تو حضرت عثمان نے ان سے پوچھا بڑے میاں! آپ کے کتنے بچے ہیں؟ انہوں نے عرض کی کہ امیر المؤمنین میرے ساتھ کنبہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے تمہارے لیے اتنا وظیفہ مقرر کر دیا ہے (راوی کو یہ مقدار یاد نہ رہی) اور تمہارے بال بچوں میں سے ایک کے لیے سو سو درہم مقرر کیے۔ (ایضاً ص ۱۰۷)۔

عزبت کی ہوا میں بارہ ہو!!
ساقی تیرا نم سحر ہو!!

میت کا ترکہ وارثوں کے لیے اور اس کے عیال کا
 خرچ اور واجب الادا قرض حکومت کے ذمہ

خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں سماجی تحفظ کا خوب اہتمام کیا گیا ہے اور وہ اس طرح کہ اگر کوئی مرجائے، تو اس کا ترکہ وارثوں کا ہوگا، مگر اس کے عیال کا خرچ اور واجب الادا قرض مملکت اسلامیہ کے بیت المال (خزانہ) کے ذمہ ہوتا ہے؛ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فمن توفی من المؤمنین فترك
 دیناً فعلی قضاءه و من ترك
 مالا فهو لورثته (متفق علیہ)
 (مشکوٰۃ ج ۱ - ص ۲۵۲)

یعنی مرنے والے کا اگر ترکہ ہو تو اس کا قرض اس کے ترکہ سے ادا ہوگا۔ اور اگر قرض نہ ہو تو وہ ترکہ وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ ہاں مال و ترکہ اگر کچھ نہ ہوگا اور قرض ہی قرض ہوگا، تو وہ بحکم امیر المؤمنین سرکاری خزانے سے ادا ہوگا۔ یہ حکم عام ہے کہ امیر المؤمنین رعایا کے لیے باپ کی حیثیت رکھتا ہے اور باپ کی شفقت پوری ادائیگی قرض کا باعث ہے۔ اس حکم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختص نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ ہم نے بین القوسین حیثیت کی قید لگا کر اس حکم کے عموم کی طرف پہلے ہی اشارہ کر دیا ہے۔ اسی طرح کی ایک اور حدیث ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، میدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

انا اولی بالمؤمنین من انفسہم
 فمن مات و ترك مالا فمالہ
 میں مسلمانوں کے ان کی جانوں کے زیادہ
 قریب ہوں، جو مسلمان مرجائے اور

شروع شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
مقروض کی نماز جنازہ پڑھانے سے پرہیز فرماتے

مقروض کی نماز جنازہ

تھے، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ مقروض میت جس نے جائز ضرورت کی بنا پر قرض لیا
تھا، اس کی نماز جنازہ پڑھایا کریں اور جس نے خلاف شریعت کاموں میں خرچ کرنے کو
قرض لیا تھا، اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں، چنانچہ عمدۃ القاری شرح بخاری میں حضرت
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نماز جنازہ
نہ پڑھاتے تھے۔ ایک انصاری کا انتقال ہو گیا اس پر کسی کا قرض تھا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا اس
پر قرض ہے؟ عرض کی گئی کہ ہاں ہے۔ فرمایا تم خود ہی اس کی نماز جنازہ پڑھ دو، تو حضرت
جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا پیمانہ نام پہنچایا:

یرے نزدیک قرضوں کے معاملے میں
وہی شخص ظالم ہے جس کے قرضے ناجائز کاموں
فضول خرچیوں اور خلاف شرع کاموں کے
لیے گئے ہوں اور جو عیالدار ضرورت مند جائز
کاموں کے لیے قرض لیتا ہے اس کا قرض
میں آپ ہی ادا کروں گا، تو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور
فرمایا کہ جو شخص قرض اور ضروریات چھوڑ جائے
اس کی ادائیگی اور ذمہ داری میں اٹھاتا ہوں۔

إِنَّمَا الظَّالِمُ عِنْدِي فِي الدُّيُونِ
الَّتِي حُمِلَتْ فِي الْبُغْيِ وَالْإِسْوَابِ
وَالْمَعْصِيَةِ فَأَمَّا الْمُتَعَفِّفُ
ذُو الْعِيَالِ فَأَنَا ضَامِنٌ أَلَسْتُ
أُودِي عَنْهُ فَصَلِّ عَلَيْهِ
أَنْبِي صلی اللہ علیہ وسلم
وَقَالَ بَعْدَ ذَلِكَ مَنْ تَرَكَ
ضِيَاعًا أَوْ دَيْنًا فَعَلَى الْخ

(ج ۱۲ ص ۱۱۱)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ بعض اہل علم کا اس
حدیث سے استنباط نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

يَعِبُ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يَقْضَى
كَهَامٍ وَحَاكِمٍ وَقَدْ كَانَتْ

مِنْ بَيْتِ الْمَالِ ذَيْنَ الْفُقَرَاءِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 اِقْتِدَاءً بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 والے حضرات کا قرض بیت المال سے ادا کرے۔
 ج ۱۲ ص ۱۱۳

جن کو سوائے آسماں پھیلا کے جل تھل بھر دیے

صدقہ ان ہاتھوں کا پیار سے ہم کو بھی درکا سے

لہذا ناداروں کے قرض جو ضروریات زندگی کے لیے حاصل کیے گئے، فضول خرچی اور گناہ و خلاف شرع کاموں کے لیے نہیں۔ ان کی ادائیگی بیت المال سے ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں چونکہ باقاعدہ بیت المال نہ تھا، اس لیے اسکی ادائیگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے فرما دیتے تھے۔ چونکہ آپ کی حیثیت ایک نبی برحق اور رسول برحق کے علاوہ اسلامی ریاست کے سربراہ کی بھی تھی، اس لیے اسے آپ کی خصوصیت قرار دینے کی بجائے عموم پر رکھا جائے اور ملک کے ناداروں کے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری ملک کے بیت المال (خزانے) پر عائد کی جائے گی۔

اگر سربراہ مملکت اور حکومت اپنے ملک کے ناداروں کی خبرگیری نہ کرے اور ان کے قرضے نہ اتارے تو نادار کہاں جائیں اور کس سے کہیں؟

غریب درمیان محفل خویش!

تو خود گوبا کہ گویم مشکل خویش!

اک زندہ حقیقت میرے سینے میں ہے مستور

کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد

جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا!

اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

مال چھوڑ جائے، وہ اس کے وارثوں کا
ہے اور جو قرض یا محتاج کنبہ چھوڑ جائے
اس کے اخراجات کی ذمہ داری مجھ پر ہے

لموالی العصبۃ و من توك كلا
اوضیاعاً فاناً ولیہ فلا دع له،
(ج ۲ ص ۹۹۸/۹۹۹ طبع مجتہبی)

تم مجھے یاد کیا کرو۔

کتاب الاموال میں ہے کہ جو شخص (قرض یا خیال داری کا) بار چھوڑ کر مرے گا وہ
ہمارے ذمہ ہے اور جو شخص مال چھوڑ کر مرے گا، وہ اس کے وارثوں کا ہوگا (ج ۱ ص ۳۹۹)

ہے حقائق ابدی پر اساس ہے اس کی
عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوق جمال
یہ زندگی بے نہیں ہے طلسم افلاطون
عجم کا حسن طبیعت عرب کا سوز و دل

علماء و اساتذہ، ائمہ و مؤذنین اور طلباء علم دین کے وظائف
ملکائے کرام
وائمہ و خطبہ

اور مؤذنین کے وظائف باقاعدہ و باضابطہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جاری
فرمائے تھے اور وہ اسلامی مملکتوں میں بھی جاری رہے، کیونکہ علماء و فقہاء و اہل علم حضرات
جو قرآن و حدیث اور دیگر علوم اسلامیہ کی خدمات انجام دیتے ہیں اور جو ان علوم کے سکینے میں مدد
ہیں اور اسی طرح جو دنیاوی علوم و فنون کے مفیدہ کے معلم و متعلم ہیں، ان کے وظائف
بھی ان کے حسب شان مقرر ہوتے ہیں۔

علماء اگرچہ دین کے علوم کی تعلیم اور فرائض کی بجا آوری خالص اللہ کے لیے کرتے
ہیں، تاہم اسلام کے نظام میں پابندی اوقات کا ان کو محمول مشاہرہ دیا جاتا ہے جو اہل
افسروں اور وزیروں کے برابر ہوتا ہے تاکہ کسی نہ کسی جذبے سے لوگ اپنے بچوں کو علم
دین پڑھانے کی طرف مائل ہوں اس سے علوم دینیہ کی تجدید و انقاس میں مدد ملتی ہے
اور اگر علماء کا وقار اور ان کے مشاہرہ نسبت کم ہوئے تو لوگ اپنے بچوں کو علم دین
پڑھانے سے گریز کریں گے جس سے ملک و ملت اور اسلام کو ناقابل تلافی نقصان

پہنچے گا جس کا شاہدہ اب ہم کر چکے ہیں، نیز علمائے کرام کا فکر معاش سے آزاد ہونا ملک و ملت کی اولین ضرورت ہے۔

اس جہاں میں اک معیشت اور سوانتا ہے
روح کیا اس دس میں اس فکر سے آزاد ہے

فقرا و مساکین اور بے روزگاروں کے لیے گزارہ الاؤنس

اسلامی نظام نے
فقرا، مساکین اور

بے روزگاروں کے ماہانہ وظائف مقرر کیے ہیں، اس میں نادار، بے روزگار، مریض، بوڑھے معذور یتیم اور بیوگان سب شامل ہیں، حکومت اسلامیہ کا بیت المال سب کی ضروریات زندگی ہر ذمہ داری تک کفیل ہوتا ہے۔ فتوح البلدان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان مستحقین کی خوراک کی مقدار مقرر کرنے کے لیے اچھی خوراک کھانے والے چند آدمیوں کو بلا کر انہیں دو وقت کا کھانا کھلایا اور اسی حساب سے ہر شخص کی خوراک بیت المال سے ماہانہ طور پر مقرر کر دی۔ کتاب الاموال میں سفیان بن وہب سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں مدی اور قسط دو پیمانے لے کر فرمایا: میں نے ہر شخص کے لیے ماہانہ ایک مدی ایک من چھتیس سیر گندم دو قسط دو سو اچار سیر زیتون کا تیل مقرر کر دیا ہے حاضرین میں سے ایک نے عرض کی کہ غلاموں کا بھی؟ فرمایا ہاں غلاموں کا بھی (رج اصناف)

امام ابو یوسف
رحمۃ اللہ علیہ کتاب
الخراج میں لکھتے ہیں

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا حضرت
فاروق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دینا

کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا: فاجزّل لہم فی العطاء والوزق لایحتاجون صۃ کہ علماء کے وظائف بھاری مقرر کیجیے تاکہ وہ معاشی فکر و احتیاج سے بالاتر ہو کر ملک و ملت کی خدمت کریں۔ چنانچہ فاروق اعظم نے اس پر عمل کیا اور علماء کے بھاری مشاہرے مقرر کر کے انہیں فکر معاش سے مستغنی کر دیا۔

سعد بن ابراہیم سے مروی ہے کہ حضرت
قرآن مجید پڑھنے پر وظیفہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں

کو فرمان بھیجا کہ "لوگوں کو قرآن مجید سیکھنے پر وظیفے دو" گورنروں نے آپ کی خدمت میں
 لکھا کہ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی ہے اور کچھ ایسے لوگوں نے بھی قرآن مجید سیکھنا شروع
 کر دیا جنہیں سوائے وظیفہ کے اور کوئی کوشش تعلیم قرآن کے حصول میں نہیں ہے (اور یہ
 اچھی بات ہے کہ کسی طرح قرآن تو سیکھ لیں گے، آپ نے پھر لکھا کہ لوگوں کو شرافت و
 مروت اور نیک صحبت کی بنا پر بھی وظیفے دو۔ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۴۶۸)

اسید بن عمرو سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ ایک
 گورنر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو قرآن مجید پڑھے گا میں اس کا
 نام دو ہزار وظیفہ پانے والوں میں درج کر دوں گا، تو انہوں نے کہا کہ اُف اُف کیا یہ
 زمانہ بھی ہمیں دیکھنا پڑا کہ کتاب اللہ کے علم کو اسلامی جذبے سے نہیں محض وظیفے
 کے طمع سے پڑھنے پر بھی، وظائف دیے جائیں گے۔ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۴۶۸)

ابو غیلان سے مروی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے یزید
تعلیم قرآن پر تنخواہ بن ابی مالک و مشقی اور عمارت بن مجید اشعری کو دیہاتی

لوگوں کو دینی تعلیم دینے کے لیے بھیجا اور ان کے لیے تنخواہ مقرر کر دی۔ مگر عمارت نے
 اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اطلاع ملی
 گئی تو آپ نے جواب میں لکھا کہ یزید نے جو کچھ کیا کہ تعلیم قرآن پر تنخواہ قبول کر لیں، اس میں
 کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی اور ہماری دُعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے اندر عمارت جیسے
 (بے لوث خدمت کرنے والے) لوگوں کی کثرت کرے۔ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۲۲۸)

ہیں لوگ وہی جہاں میں آتے ہیں
 آتے ہیں تو کام دوسروں کے

تعلیم حدیث پر معاوضہ جس طرح دوسرے علوم کی تعلیم و تدریس پر اجرت لینا جائز ہے، اسی طرح تعلیم و تدریس

حدیث پر بھی معاوضہ و اجرت لینا جائز ہے۔ چنانچہ صاحب المجتبیٰ امام عبدالرحمن نسائی علیہ الرحمۃ کے شیخ یعقوب بن ابراہیم علیہ الرحمۃ حدیث کی روایت پر اجرت لیتے تھے۔ المجتبیٰ یعنی سنن امام نسائی میں ہے:

کان یعتوب لایحدث بہذا
الحدیث الا بدینار سنن نسائی
یعنی شیخ یعقوب بن ابراہیم علیہ الرحمۃ
ایک دینار لے کر ہی اس حدیث کی
روایت کرتے تھے۔

اور وہ حدیث جسے یعقوب بن ابراہیم علیہ الرحمۃ دینار لے کر روایت فرماتے تھے
یہ ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم لایبولن احدکم فی
الماء الدائم ثم یغتسل منه
(نسائی ج ۱ ص ۲)

جو علماء قومی و دینی کاموں پر مامور ہیں ان کی
معاشرتی کفالت حکومت کے ذمہ ہے
جو علماء قومی اور دینی
کاموں پر مامور ہیں
ان کی معاشرتی کفالت

حکومت کے ذمہ ہے، چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا، بلکہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یمن میں کسی کام کے لیے
بھیجا، جب واپس آئے، تو حضور نے انہیں اس خدمت کا صلہ دیا۔ کافی النسائی اسی
طرح بیہقی میں امام زہری سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب
بن اسید کو مکہ مکرمہ کا عامل بنایا تو ان کے لیے چالیس اوقیہ سالانہ مقرر فرمائے اور ایک اوقیہ

چالیس درہم کی ہوتی ہے (عنا یہ شرح ہدایہ ج ۱۰ ص ۲۷ طبع مصر)
الاختیار اور الہدایہ میں ہے:

وَيَجُوزُ الْإِجَادَةُ عَلَى التَّعْلِيمِ
وَالْإِمَامَةِ فِي زَمَانِنَا وَعَلَيْهِ
الْفَتْوَى لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ -
الاختیار ج ۲ ص ۲۷ والہدایہ ج ۲ ص ۲۷

کہ تعلیم قرآن و حدیث وغیرہ اور
امامت و اذان ایسے نیک کاموں (میں)
پابندی اوقات، کا معاوضہ جائز ہے کہ
لوگوں کو اس کی ضرورت ہے۔

معلوم ہوا کہ علما کا درس و تدریس پر وظیفہ لینا بلاشبہ جائز ہے اور یہ دراصل
پابندی اوقات کا وظیفہ ہوتا ہے جس میں یہ درس و تدریس ایسی دینی خدمت انجام دیتے
ہیں، اس پر علم فروشی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ علم فروشی کے معنی یہ ہیں کہ طمع و لالچ میں دیدار نہ
غلط بیانی کی جائے یا علم کی بات چھپا دی جائے، حالانکہ اس کے اظہار کا بھی وقت اور
ضرورت ہو۔ اجرت لے کر وقت خرچ کرنا اور اوقات کی پابندی کرنا قابل معاوضہ چیز
ہے۔ پس اسی کی اجرت اور اسی کا مشاہرہ ہوتا ہے۔ نہ یہ علم و فتویٰ فروشی ہے اور نہ ہی
رشوت کہ یہ بلاشبہ جائز اور رشوت بلاشبہ حرام و ناجائز اس کا احادیث میں جواز وارد ہے
جبکہ رشوت لینے کی مذمت و ممانعت ایک امر مسلم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے اور

لینے والے پر لعنت فرمائی اور اس پر بھی جو رشوت

رشوت کی ممانعت

کا دلال ہے (البوداؤد وابن ماجہ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما و ترمذی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
رضی اللہ عنہما و اتحد و بیہقی عن ثوبان رضی اللہ عنہما)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کی سفارش کرے اور وہ اسے کچھ ہدیہ
دے اور یہ قبول کر لے تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازے پر آگیا۔
البوداؤد عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ، حکام کا معاملہ علما کے معاملہ سے مختلف ہے اور دیکھ

بدیہ علماء کے لیے جائز اور حکام کے لیے ناجائز | حاکم اور افسر کو بدیہ
دسول کرنا جائز

نہیں بلکہ یہ رشوت سے جیسا کہ اکثر لوگ حکام کو ڈالی یا تحفہ اور گفٹ کے نام سے دیتے ہیں اور اس سے مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ اگر کوئی معاملہ ہوگا، تو ہماری رعایت کریں گے۔ اگر اس کی چیز واپس کر دی تو اسے تکلیف ہوگی تو وہ اس کی چیز کو لے کر اس کی مناسب قیمت دے دے۔ کم قیمت دے کر لینا بھی جائز نہیں اور اگر کوئی اس چیز کو رکھ چلا گیا، اسے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون تھا، تو اس چیز کو بیت المال (قومی خزانے) میں بطور امانت داخل کر دے خود نہ رکھے، جب دینے والا معلوم ہو جائے، تو اسے واپس کر دے۔ اسی طرح حاکم کو رعیت سے قرض و عاریت لینا اور مفت کام کرانا بھی جائز نہیں۔ (درمختار مع الشامی ج ۵ ص ۲۶۲) واعظ و مفتی و مدرس و امام و خطیب مسجد قبول کر سکتے ہیں (جبکہ یہ کسی محکمہ کے افسر نہ لگے ہوں ورنہ ان کے لیے بھی وہی مسئلہ ہے جو حاکم و افسر کے بارے میں گزرا کہ انہیں جو کچھ دیا جاتا ہے، وہ ان کے علم و دین کا اعزاز ہے کسی چیز کی رشوت نہیں ہے۔ اگر مفتی کو فتوے کی رعایت کے لیے بدیہ دیا کہ وہ اس کے حسب خواہش ہی فتویٰ دے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو، تو دینا لینا دونوں حرام اور فتویٰ بتانے کی اجرت بھی حلال نہیں، ہاں لکھنے کی اجرت لے سکتا ہے، فتاویٰ شامی میں ہے:

وَأَنَّمَا يَحِلُّ عَلَى الْكُتَّابَةِ لِأَنَّهَا
أُجْرٌ وَأَجْبَةٌ عَلَيْهِ. (شامی ج ۵ ص ۳۴۲)
اور فتویٰ لکھنے کی اجرت لے سکتا ہے کہ
لکھنا اس پر شرعاً واجب نہیں۔

اور یہ جو گزرا کہ شیخ یعقوب بن ابراہیم حدیث کی روایت پر ایک دینار اجرت لیتے تھے، اس کا محمل یہ بھی ہو سکتا ہے یعنی کان رضی اللہ عنہ یاخذ الدینار علی تحدیث
ذالك الحدیث کتابة لا علی نفس رواية الحدیث واللہ اعلم نیز حکام
و افسران کو ان کے جو رشتہ دار و احباب ان کے عمدہ سے بیشتر بدیہ کرتے تھے، وہ اب

بھی لے سکتے ہیں، مگر معمول سابق سے زیادہ نہیں، ہاں اگر ہدیہ دینے والا اب مالی اعتبار سے ترقی کر گیا ہے اور ہدیہ میں اضافہ اسی مالی فراوانی کی بنا پر ہے، تو کل کے قبول کر لینے میں حرج نہیں ہے کہ مقصود اخلاص ہے طمع نہیں ہے۔

اخلاص عمل مانگ نسیاگان کہن سے!

شاہاں چہ عجب گر ہوا زند گدارا!

رشوت کی تعریف و حکم | رشوت اس مال کو کہتے ہیں جسے ضرورت مند شخص

دے یا کسی ایسے شخص کو اس شرط پر دے جو حاکم سے اس کا کام کرادے گا (شامی ج ۵ ص ۳۶۲) اور اگر ایک شخص کسی کا کام بلا طمع کر دے، پھر وہ اسے کچھ دے، تو اس کے لینے میں حرج نہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو کراہت منقول ہے، وہ ان کے تقویٰ پر مبنی ہے (شامی ج ۵ ص ۳۶۲) یعنی یہ اگرچہ جائز ہے تاہم لینے والے کو اس سے پرہیز بہتر ہے۔

مجبوری و بے بسی میں رشوت کا مسئلہ | فقہاء اسلام نے اس امر کی تفسیر صحیح

فرمائی ہے کہ ظالم و جابر آدمی سے اپنی جان و عزت بچانے یا اپنا حق وصول کرنے کے لیے بے بس و مجبور انسان رشوت دینے پر گنہ گار نہ ہوگا، بلکہ اس کی بجائے رشوت لینے والا ظالم ہی دوہرے گناہ میں ملوث اور عذاب کا مستحق ہوگا (فتح القدیر شرح بدایہ ج ۲ ص ۲۵۵)۔

ایک شبہ کا ازالہ | جب حاکم کو ہدیہ لینا جائز نہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت حاکم اعلیٰ کی بھی تھی، تو آپ ہدیے اور تحائف قبول

قبول فرماتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ربنا بر عصمت و عفت، یہ آپ کی خصوصیت ہے، چنانچہ علامہ حاکمی فرماتے ہیں:

وَمَنْ خُصَّصَتْهَا عَلَيْهِ الصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ أَنْ هَذَا يَأْتِي لَهُ مَزَادَةٌ
أَنَّهَا لَيْسَ لِلدَّامِ قَبُولُ التَّهْدِيَةِ
وَأَلَّا لَمْ تَكُنْ خُصُوصِيَّةً.

کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کے
لیے حاکم ہونے کے باوجود بدلے جائز
تھے، دوسرے حاکم کے لیے نہیں، ورنہ یہ
خصوصیت نہ رہے گی۔

(درمختار مع الشامی ج ۵ ص ۳۷۲)

غرضیکہ علماء کے وظائف بیت المال سے مقرر کیے جائیں گے اور سب مستحقین کو کہ
جن کے وظائف مقرر ہیں دینے کے بعد فاضل سرمایہ دیگر ضرورت مندوں میں تقسیم کیا
جائے گا۔ کہیں قرض خواہ کو قرض کے طور پر اور کہیں مقرضوں کے قرض اتارنے میں وقس
علیٰ هذا کیونکہ سرمایہ کے ویسے پڑے رہنے سے اس کا ضرورت مندوں پر خرچ ہونا بہتر ہے
حضرت انس بن محمد سے مروی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس
آنے والے مال پر نہ دوپہر گزرنے دیتے تھے نہ رات۔ (کتاب الاموال، ج ۱ ص ۱۲۷) سے

دل بے نیازی کہ در سینه دارم!

گداز ادب شیوہ بادشاہی

کتاب الاموال ص ۱۲۷ میں اس روایت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں،
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال کو تقسیم فرماتے اور مستحقین تک پہنچانے میں عجلت سے
کام لیتے تھے۔ اگر آپ کے پاس مال صبح پہنچتا تو آپ اسے دوپہر تک اپنے پاس نہ رہنے دیتے
اسی طرح اگر مال شام کے وقت آتا تو آپ رات سے پہلے اسے تقسیم فرمالتے تھے اور حضرت
ابوسریحہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر
سونا ہو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے پہلے اس میں سے کچھ بھی میرے
پاس باقی نہ رہے، مگر یہ کہ مجھ پر قرض ہو اور اسے ادا کرنے کے لیے میں نے کچھ بچا لیا ہو۔

سے کہاں سے تو نے اے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی
 کہ چرچا پادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا
 حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوہ حنین سے واپسی
 پر میں بھی اور لوگوں کے ساتھ آپ کے ساتھ جا رہا تھا کہ کچھ دیہاتی عرب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے پیچھے لگ گئے اور آپ سے مانگنے لگے۔ ایک کیکر کے درخت کے پاس سے
 گزرتے ہوئے آپ کی چادر اس میں الجھ گئی۔ آپ ٹھہر گئے اور فرمانے لگے میری چادر چھڑا
 دو، فرمایا اگر ان کیکر کے درختوں کے پتوں کے برابر بھی اونٹ یا مویشی ہوتے تو میں وہ بھی
 تم میں تقسیم کر دیتا اور تم دیکھ لیتے کہ میں نہ تو بخیل ہوں اور نہ دروغ گو اور نہ ہی بزدل۔
 (کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۳۳)

صحیح ترمذی میں حضرت ابوسعید

سب مال ضرورت مندوں میں بانٹ دیا | خدری رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے کہ انصار میں سے کچھ حاجت مند لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور
 آپ سے مالی امداد کا سوال کیا، آپ نے انہیں حسب ضرورت عطا فرمایا انہوں نے پھر سوال
 کیا آپ نے عطا فرمایا۔ صحیحین میں ہے کہ یہاں تک کہ جو مال جمع تھا سب دیا اور کچھ
 بھی باقی نہ چھوڑا فرمایا ما یكون عندی من خیر فلن اذخره عنکم یعنی جو مال
 میرے پاس ہوتا ہے، اسے تم میں سے روک کر جمع کر کے نہیں رکھتا۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۳۱)
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول و فعل سے یہ حقیقت روز روشن کی طسنت
 واضح ہو گئی کہ بیت المال (سرکاری خزانہ) ملک و قوم کی امانت ہے۔ مملکت کا سربراہ اور
 امیر ملک اسے مفاد عامہ کے لیے ہی مصرف میں لانے کا ذمہ دار ہے۔ اس بات کی
 اجازت ہرگز نہیں کہ بیت المال یا قومی خزانے کو نفس پرستی اور اقرار باپوری کا ذریعہ بنائے۔
 اس سلسلے میں سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ملاحظہ فرمائیے جو آپ نے

درس عبرت کے طور پر ہمارے لیے چھوڑی ہے۔

مقام ابن عربی
فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اپنے ایک قریبی رشتہ دار سے برتاؤ | طبری اپنی

تاریخ میں فرماتے ہیں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک قریبی رشتہ دار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ مانگا، آپ نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر کے نکال دیا۔ کسی نے آپ سے عرض کی: یا امیر المؤمنین فلان سائلک فزبرتہ و اخرجتہ فقال انه سألنی من مال اللہ فما معذرتی ان لقیته مسلکاً خائناً فلولا سألنی من مالی قال فاسئل الیہ بعشرة آلاف۔
(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۱۹)

کہ یا امیر المؤمنین آپ کے فلاں قریبی رشتہ دار نے آپ سے سوال کیا، تو آپ نے اسے جھڑپائی اپنے ذمہ اس نے مجھ سے خدا کے مال (قومی سرکاری خزانے) سے مانگا تھا تو اگر میں خیانت پسند حکمران خدا کے حضور پیش ہوا تو میرے پاس کیا عذر ہوگا؟ ہاں وہ میرے ذاتی مال سے سوال کرتا تو میں اسے کچھ ضرور دیتا۔ پھر آپ

نے اپنے ذاتی مال سے دس ہزار کی رقم اس کے پاس بھیج دی۔
اس واقعہ و روایت میں تین باتیں قابل تقلید ہیں، ایک یہ کہ سربراہ مملکت ایک ایسی شخصیت ہی ہونی چاہیے جس کا دل و دماغ قرآن و سنت اور فقہ اسلام کے نور سے منور اور خوفِ خدا سے بھرپور ہوتا کہ امور مملکت میں اس کا ہر اقدام و تصرف خدا اور رسول جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع اور دیانت و امانت پر مبنی ہو، دوسری یہ کہ وہ بخل و کنجوسی کی وصف مذموم سے بھی منزہ و پاک ہو، تیسری یہ کہ قومی اور ملی مفاد کے تحفظ کے لیے اپنے اور پرانے سب کے لیے سختی اور درشتی کی ضرورت ہے۔
حفاظت بھول کی لکھن نہیں ہے
اگر کانٹے میں ہوں تو تے حریری

قومی خزانہ جسے اسلامی فقہ میں بیت المال کہنا چاہیے قوم کے لیے ہے۔ سربراہ مملکت کو نہ صرف اس حقیقت کا علم ہونا ضروری ہے، بلکہ اسے اس بات کا فکر بھی دامنگیر ہونا چاہیے کہ ملک کے عوام اس کے ہوتے ہوئے معاشی مصائب میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔ اس مسئلے میں سیرت فاروقی کی ایک اور روایت قابل تقلید ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کا ایک مسافر عورت کی امداد کو پہنچانا | امام ابن

اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رات کے وقت حسب معمول گشت پر تھے اور حضرت اسلم رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے کچھ دُور آگ جلتی دیکھی۔ حضرت اسلم سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ رات اور سردی کی وجہ سے وہاں کوئی مسافر ٹھہرنے پر مجبور ہوا ہے۔ آئیے چل کر اس کی خبر لیں؛ چنانچہ ہم تیز تیز چلتے ہوئے وہاں جا کر دیکھا، تو وہ ایک عورت تھی جس نے ایک خیمے میں پناہ لے رکھی تھی، اس کے ہمراہ کچھ بچے تھے۔ اس نے بانڈی آگ پر چڑھا رکھی تھی اور بچے بھوک سے بلک رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ يَا اصْحَابَ الصُّوْءِ۔ یا اصحاب النار کنا پسند نہ فرمایا کہ قرآن میں اصحاب نار و زخیوں کو کہا گیا ہے، عورت نے سلام: جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا میں قریب آسکتا ہوں۔ اس نے کہا ہاں بھلائی کا ارادہ ہے تو آسکتے ہو، ورنہ نہیں۔ آپ نے قریب ہو کر پوچھا تمہارا کیا حال ہے؛ اس نے کہا رات کو سردی سے مجبور ہو کر ہمیں یہاں ٹھہرنا پڑا ہے۔ آپ نے پوچھا بیٹے کیوں بلک رہے ہیں؛ کہنے لگی بھوک سے۔ آپ نے پوچھا ائی شئی فی ہذہ القدر کہ اس بانڈی میں کیا ہے؛

قَالَتْ مَاؤُا سَكْتَهُمْ بِهِ حَتَّىٰ يَنَامُوا اللّٰهُ بَيْنَنَا رَبِّنَا عُمَرُ لَوْلَا کہ اس میں پانی ہے، اس بہانے میں نے بچوں کو بہلا کر انہیں خاموش کر رکھا ہے تاکہ وہ سو جائیں اور ہمارے اور عمر کے درمیان اللہ ہی فیصلہ کرے گا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تجھ پر رحم کرے

عمر کو تبار کیا علم؟ بولی کہ وہ بہار اوالی ہو کر ہم سے بے خبر ہے۔ آپ وہاں سے جلدی سے اٹھے اور اسلم کو ساتھ کر کے بیت المال تشریف لائے اور وہاں سے آٹے کی بوری گھی کا ٹین اور دوسری ضروریات کی چیزیں لیں اور (اسلم کہتے) مجھے فرمایا کہ یہ سامان میری پیٹھ پر رکھ دو۔ میں نے اصرار کیا کہ نہیں میں اٹھاؤں گا۔ آپ نے فرمایا اَنْتَ تَحْمِلُ عَنِّي وَذَرِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ کہ روز قیامت میری کوتاہی کا بوجھ تم ہی اٹھاؤ گے۔ آخر میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہ سامان آپ کی پیٹھ پر رکھ دیا اور ہم تیز تیز چلتے ہوئے وہاں پہنچے۔ آپ نے اس بوری وغیرہ کو اس عورت کے پاس جا کر اتار دیا اور کچھ آٹا نکالا اور اسے گوندھ کر رکھ دیا اور عورت سے فرمایا کہ تم مجھے آٹے کے پیڑے بنا بنا کر دیتی جاؤ اور میں وہی پکاتا جاؤں۔ چنانچہ روٹی پک گئی۔ پھر آپ نے ہانڈی آگ پر رکھ دی۔

اور ہانڈی کے نیچے خود ہی آگ کو چھوٹنے لگے۔ آپ کی داڑھی بہت بھاری اور گھنی تھی، میں دھوئیں کو آپ کی داڑھی کے بیچ سے نکلتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

وَجَعَلَ يَنْفُخُ تَحْتِ الْقَدْرِ وَ
كَانَ ذَا الْحَيَةِ عَظِيمَةً فَجَعَلَتْ
أَنْظُرَ إِلَى الدُّخَانِ مِنْ خَلِّ
لِحْيَتِهِ (تاریخ الطبری ج ۵ ص ۲)

یہاں تک کہ سالن تیار ہو گیا، تو آپ نے ہانڈی نیچے اتار لی اور عورت سے فرمایا: پیالے دو، اس نے پیالے دیے۔ آپ پیالوں میں سالن ڈال ڈال کر عورت کو اور اس کے بچوں کو روٹی پکراتے گئے یہاں تک کہ انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھالیا اور آپ نے ان کے لیے بستر لگا دیے پھر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ عورت آپ کو بے ساختہ دعائیں دینے اور کہنے لگی:

حَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا أَنْتَ أَوْلَى
بِهَذَا الْأَمْرِ مِنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ
(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۲)

خدا تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے،
امیر المؤمنین کی نسبت آپ ہی خلافت
کے زیادہ لائق ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ دعا دیجئے۔ تم جب امیر المؤمنین کے پاس آؤ گی تو انشاء اللہ تم مجھے وہاں پاؤ گی۔ حضرت اسلم فرماتے ہیں کہ میں آپ سے کتا تھا کہ آپ کی بڑی شان ہے، آپ مجھ سے کوئی بات نہ فرماتے (اور خاموشی سے بیٹھے رہے) پھر اس عورت کے نیچے آپس میں کشتی کرنے، کھیلنے اور بہنے لگے اور پھر آرام سے سو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور مجھ سے فرمایا کہ اے اسلم نیچے بھوک سے بیدار تھے اور روتے تھے مجھے انہیں اس طرح آرام و سکون اور خوشی میں دیکھے بغیر جانا پسند نہ تھا۔ پھر ہم وہاں سے رخصت ہوئے اور واپس آ گئے۔

حدیث بندۂ مومن دل آویز

جگر پُرخوں، نفس روشن، نگہ تیز

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس طرح کے کئی ایک مثالی واقعات و روایات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی مملکت کے سربراہ کی ذمہ داری کس قدر ہے اور اسے عوام کی معاشی تکلیف کا احساس کس قدر ہونا چاہیے اور یہ کہ قومی خزانے میں عوام کا کس قدر حق ہے۔ افسوس کہ آج کے حکمران آنکھیں کھولیں اور زبانی ہمدردی کے اظہار کی بجائے عوام کی صحیح خدمت کریں اور اس احساس و ادراک کو اپنے اندر بھر سے پیدا کریں جو ہمارے اسلاف میں کار فرما تھا۔

آئی ہے صبح دم صد اعشش بریں سے

کھویا گیا کس طرف تیرا تو سر ادراک!

امام ابن جریر طبری

زمتہ النعلیہ متوفی

۳۳۰ ہجری شمسی

فرات کے کنارے پر اگر کوئی اونٹ بھوک

سے مر جائے تو عمر اس کا بھی جوابدہ ہوگا

تاریخ الطبری میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا

اس خدائے برتر کی قسم جس نے حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا
اگر ایک اونٹ دریائے فرات کے کنارے
پر بھوک سے ہر جائے تو مجھے اس بات کا
اندیشہ ہے کہ روز قیامت مجھے اس کا جو ابد

وَاللّٰهُ الَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا
بِالْحَقِّ لَوْ اَنْ جَمَلًا هَلَكَ ضِيَاعًا
بَشَطِ الْفُرَاتِ خَشِيْتُ اَنْ
يَسْأَلَ اللّٰهَ عَنْهُ اِلَّا الْغَطَابِ
(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۲۳)

ہونا ہوگا۔

یہ ہے سربراہان اسلام کا احساس ذمہ داری کہ انسان تو بڑی چیز ہے وہ جانوروں
سبک کی معاشی کفالت کا اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز
رضی اللہ عنہ جب تخت

اسلامی ریاست کا نصب العین کیا ہوتا ہے

خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے حکومت کا نقطہ نظر بدل کر اسے صحیح سمت کی طرف
پھیر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد بنو امیہ کے حکمرانوں نے حکومت کو ایک
طرح سے محاصل و خراج وصول کرنے کا انتظامی ادارہ بنا کر رکھ دیا تھا جسے مسلمانوں کے
اخلاق و عقائد، سیرت و تربیت اور ان کی اقتصادی و معاشی ترقی و تنزلی سے کوئی غرض
نہ تھی، لیکن جب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے عمان اقتدار اپنے ہاتھ میں لی۔ اس وقت
آپ نے حکومت کے نصب العین میں اپنے اس تاریخی فقرے سے حکومت کے مزاج و نقطہ
نظر میں ہی انقلاب برپا کر دیا کہ :

”حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ہادی بنا کر بھیجے گئے

تھے تحصیل دار (مال کی وصولی کرنے والے) بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

(تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۱۹۹ بحوالہ کتاب الخراج ص ۱۹۹)

جس کے بعد وہ دنیوی حکومت کی بجائے خلافت نبویہ بن گئی، ان کی ساری تدبیرات

اسی جملہ کی عمل تفسیر تھی، اس لیے آپ کی خلافت بھی خلافت راشدہ (خلافت بر طریقہ نبوت) قرار پائی۔ ان کے زمانہ خلافت میں اسلامی حکومت و سلطنت کے غیر مسلم باشندے (قلین فرقے) بڑی تعداد میں مسلمان ہو رہے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جزیرہ کی آمدنی و مالی حالت جو حکومت کی آمدنی کا اہم عنصر تھا، روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی۔ اس سے اسلامی سلطنت کی معیشت و ترقی پر بھی زبردست اثر پڑ رہا تھا۔ اہلکاران سلطنت نے آپ کو اس طرف متوجہ کیا اور تشویش ظاہر کی، آپ نے فرمایا اس میں بہتری ہے کہ یہ (غیر مسلموں کا مسلمان ہونا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت (تشریف آوری) کا عین مقصد ہے۔ ایک دوسرے عہدے دار کو لکھا کہ مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی کہ سب غیر مسلم مسلمان ہو جائیں اور جزیرہ کی آمدنی بند ہونے کے وجہ سے ہم اور تم دونوں کھیتی کر کے اور ہل چلا کر اپنا پیٹ بھریں۔ (تاریخ دعوت و رسالت ج ۱ ص ۴۹) ۷

میرا طریق امبری نہیں فقیری ہے

خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

حضرت عبدالرحمن بن عوف فرماتے ہیں کہ حضرت عدی بن مسعود نے کہا انا لله وانا اليه راجعون، واللہ! امیر المؤمنین کوئی بات نہیں پریشان نہ ہوئیے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عبدالرحمن! تم کس خوش خیالی میں ہو۔

ہر درو دل کو رونا مسیرا رلا دے

بیہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

واقعہ میں سخت مشکل میں ہوں، میرا ہاتھ پیرا کر مجھے گھر لے گئے جہاں میں نے اوپر تلے بہت سی تھیلیاں رکھی تھیں۔ پھر آپ نے فرمایا یہ ہے وہ مقام جہاں اللہ کی نظر میں آتا ہے۔

نمایا جا رہا ہے۔ اللہ کی قسم اگر تم سخاوت کرتے ہوئے اسے تقسیم کر دوں، تو میرے سامنے
میرے دو پیشرو بزرگوں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما) کی
مثال ہے جنہوں نے میرے لیے اس طرح کا قابل تقلید نمونہ چھوڑا ہے۔ میں نے عرض
کی: آئیے امیر المؤمنین ہم مل کر اس مسئلہ پر غور کریں۔ چنانچہ ہم بیٹھ گئے اور ہم نے ضرورت مندوں
اور مستحقوں کی فہرستیں تیار کیں جس میں مدینہ والوں کے نام لکھے۔ اللہ کی راہ میں جہاد
کرنے والوں کے نام لکھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے نام لکھے،
پھر دوسرے لوگوں کی فہرستیں بنائیں۔ اس طرح ہم نے حساب لگایا۔ تو لوگوں کے لیے
دو دینار آئے۔ پھر ہم نے وہ سب کچھ ان فہرستوں کے مطابق تقسیم کر دیا۔ کتاب الاموال
ج ۱ ص ۴۱۳/۴۱۴ ۵

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہونہ سکے گا حریف سنگ

حضرت عبداللہ بن عباس

سونے کے ڈھیر بلانا خیر تقسیم کر دیے

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلوایا، جب میں حاضر ہوا تو میں نے ان کے سامنے
بھوسہ کی طرح سونے کے ڈھیر بکھرے دیکھے۔ آپ نے فرمایا "آؤ اسے اپنی قوم (مسلمان
مہجائیوں) میں تقسیم کر دو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے یہ دولت اپنے نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہما سے روک کر مجھے کیوں دی معلوم نہیں کہ اس
میں میرے لیے کوئی مہجائی ہے یا بُرائی۔" پھر میں (مے فرست کے مطابق لوگوں کو
بلایا اور اس سونے کے) تقسیم کرنے میں منہمک ہو گیا تو مجھے بہ آواز بلند رونے کی آواز سنائی
دی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں "قسم بخدا جس
نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا یہ ناممکن ہے کہ اس نے یہ دو

اپنے نبی اور ابو بکر سے تو کسی بُرائی کے قصد سے روک لی ہو اور عمر کو یہ دولت کسی مہلانی کے لیے دے دی ہو۔“ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۴۱۴)

بیت المال کی فاضل دولت حضرت معاویہ نے تقسیم کر دی | عقیب بن قیس سے

مردی ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے ہمارے سامنے تقریر فرمائی (اور وہ مال تقسیم کر رہے تھے) تمہارے بیت المال میں ان وظائف کے بعد (جو وظیفہ خوروں کو دے کر) بچ رہتا ہے جو تم کو دیا جا رہا ہے۔ میں اس بچے ہوئے مال کو تمہارے سامنے تقسیم کر رہا ہوں لیکن یاد رکھو۔ اگر آئندہ سال بچ گیا تو وہ تم میں تقسیم ہوگا، نہ بچا تو اس بارے میں ہم سے ناراض نہ ہونا کیونکہ یہ مال ہمارا تو ہے نہیں، یہ تو وہ ملکی دولت و امانت ہے جو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (ہمارے پاس) بھیجتا ہے۔ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۴۱۴)

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

بیت المال کی فاضل دولت کے مصارف | حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت عبد میں

عبدالرحمن کو جو عراق کے گورنر تھے لکھا کہ لوگوں کو ان کے وظائف دے دو، اس کے جواب میں عبدالحمید نے لکھا کہ میں لوگوں کو ان کے وظائف دے چکا ہوں۔ اس کے بعد بھی بیت المال میں مال بچا ہوا ہے۔ اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں لکھا "اب ایسے لوگوں کو دیکھو جو مقروض ہوں لیکن انہوں نے یہ قرضہ کسی مسئول کو پیڑا لے لیا ہے اور ان کے قرضہ جات بیت المال میں ہیں ہوں تمہارے ادا کر دو، اس پر انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ میں نے ایسے مقروض ادا کے قرضے بھی ادا کر دیے ہیں، بائیں ہمہ بیت المال میں رقم نہیں ہوتی ہے۔ اس پر حضرت

عمر بن عبدالعزیز نے لکھا کہ اب ایسے کنواروں کو تلاش کرو جو نادار ہوں اور شادی کرنا چاہتے ہوں۔ تو تم ان کی شادی کرادو اور ان کے حق مہربیت المال سے ادا کر دو۔“
عبدالحمید نے لکھا کہ میں یہ بھی کر چکا ہوں، پھر بھی بیت المال میں رقم بچ رہی ہے۔“
آپ نے لکھا کہ اب ایسے ذمیوں (غیر مسلموں کو) تلاش کرو جن پر جزیہ (ٹیکس) مقرر ہے اور وہ اپنی زمین کا انتظام کرنے سے قاصر ہیں۔ ایسے ذمیوں کو اتنی رقم دو جس سے وہ اپنی زمینوں کا انتظام کر سکیں، کیونکہ وہ مستقل ہمارے ملک کے باشندے ہیں اس لیے ہمیں ان کی امداد و اعانت کا خیال رکھنا چاہیے۔ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۵۱)

جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہناں سے!

تیری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں مستحقین کے جو وظائف مقرر فرمائے تھے، ان میں کمی نہ ہوگی، بلکہ حالات کے تحت جو کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں ان میں اضافہ کیا جائے گا، مگر کمی کا تو سوچا ہی نہیں جاسکتا۔ اس سلسلے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ملاحظہ ہو:

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے

کم دینے والے کو بددعا

روایت ہے کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ

عنہ ممبر پشتریف فرما ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

”ہم نے تمہارے لیے (خوراک سے متعلقہ) دہانہ و وظائف مقرر کر دیے

ہیں، پھر انہوں نے مدی اور قسط دو پیمانے ہاتھ میں لے کر انہیں نمایاں

کرتے ہوئے بلایا اور فرمایا جو مستحقین لوگوں کو اس مقررہ مقدار سے کم دے۔

خدا سے ایسا اور ایسا کرے“ یعنی کم دینے والے کو بددعا دی۔

(کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۵۱)

اسلامی مملکت کے سربراہ کو جو عوام سے ہمدردی ہونی چاہیے۔ اس روایت سے اس کا اندازہ لگانا کوئی چنداں مشکل نہیں، ان کی ہمدردی محض لفظی یا نمائشی نہیں، عملی ہوا کرتی تھی اور ان کی شفقت عامہ کا یہ عالم کہ جیسے باپ اپنی اولاد کے بے جاتنگ کرنے والوں کو بد عادی بننے پر طبعی لحاظ سے مجبور ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ کی زبان سے بھی یہ تقاضائے طبیعت بد عادی ہو رہی ہے۔

یہ آگہی میری مجھے رکھتی ہے بے قرار
خوابیدہ اس شر میں ہیں آتشکدے ہزار

اسلام کے نظام معیشت میں اراضی و زراعت پر نظر

ارضی کی دو قسمیں ہیں | جب کوئی ملک فتح ہو تو ابتدائی طور پر اس کی ارضی دو قسموں میں منقسم پائی جاتی ہے۔

۱۔ ایسی زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو، اسے اسلامی فقہ میں ارض مباحہ کہتے ہیں۔

۲۔ ایسی زمین جس کا کوئی خاص شخص مالک و متصرف نہ ہو۔

اب ہم اول الذکر ارضی پر کچھ فقہی بحث کرتے ہیں تاکہ اسلام کے نظام معیشت میں

ارضی سے متعلقہ مسائل خوب واضح ہو جائیں۔

۱۔ وہ زمینیں ہیں جو آبادی کے قریب ہیں واقع ہوں

اور آبادی کی ضروریات کے لیے ہوں جن سے

ارضی مباحہ کی قسمیں

متعلقہ آبادی کے لوگ مشتہ کہ مفادات اٹھاتے ہیں جیسے سڑکیں، کھلی کوپے، قبرستان، عید گاہ

چراگاہ و تیر اندازی و گھوڑ دوڑ یا فوجی مشق کے میدان (۲) وہ زمینیں جو آبادی کی ضروریات مشترکہ میں مصروف نہیں، مگر قابلِ زراعت و امتناع ہیں، انہیں اراضی بیت المال کہتے ہیں۔ ۱۲ پہاڑی اور سنگلاخ اور غیر آباد جنگلات کی زمینیں جو نہ تو کسی آبادی کی ضروریات میں مصروف ہوں اور نہ ہی سرپرست امتناع و کاشت کے قابل ہوں البتہ محنت و مشقت کے بعد اس قابل ہو سکتی ہوں۔ ایسی زمینوں کو فقہ کی اصطلاح میں ارض موات (غیر آباد) زمینیں کہتے ہیں۔ اول الذکر یعنی مباحہ زمینوں کے بارے میں شریعت اسلامیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ انہیں امیر المومنین ایک سربراہ مملکت سے لے کر ایک عام آدمی تک کوئی بھی ان میں مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا، وہ جوں کی توں منادِ مشترکہ عامہ کے لیے وقف کی طرف مصروف رہیں گی۔

نمک وغیرہ کی کالوں اور سیل کے چشموں کا حکم

یا پٹرول کے چشموں کا حکم شرعی بھی یہی ہے کہ وہ کسی کے تصرف مالکانہ کے متحمل نہیں بلکہ وہ رفاہ عامہ کے لیے حکومت کی زیر نگرانی کام آئیں گے اور ان کی آمدنی ملکی مصارف و اخراجات میں صرف ہوگی، اور امام ابو عبید کتاب الاموال میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابیض بن حمال مازنی کی خواہش پر انہیں مارب کی زمینیں عطا فرمائیں۔ بعد میں معلوم کہ وہ نمک کی کانیں اور مفادِ عامہ کی چیزیں ہیں تو آپ نے وہ واپس لے لیں کہ فرد کے مفاد سے قوم کا مفاد مقدم ہے۔ یہ اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی معیشت کا اس وقت کا نظام ہے جب پوری دنیا پر نفسی نفسی کا عالم طاری تھا اور قومی و اجتماعی مفاد کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا اور نہ ہی آج نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اس کا صحیح تصور مل سکتا ہے ہاں اہل مغرب کی عقل عیار کے ایسے بلند بانگ دعوے فرو سنے میں آتے ہیں جن کے پس پردہ حقوقِ انسانی کا خون بہتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

جہاں مغرب کے بتکدوں میں، کلیساؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خونریزیوں چھپاتی ہے عقل عتیار
ثانی الذکر یعنی اراضی مباحہ کا قسم ثانی جنہیں بیت المال کہا جاتا ہے اس کی مندرجہ ذیل
صورتیں ہیں :

- (۱) وہ زمینیں جو کسی علاقے کے فتح کے وقت کسی کی مملوک زمینیں
(ب) وہ زمینیں جو اگرچہ شروع میں کی مملوک تھیں، مگر مالک لاوارث ہو گیا۔
(ج) مملوکہ مفتوحہ اراضی دیگر مال غنیمت کی طرح پانچ حصوں میں منقسم ہوں گی اس کا
پانچواں حصہ بیت المال کا ہوتا ہے۔
(د) کفار کی مملوکہ زمین جو جنگ کے ذریعے حاصل کی گئی جسے سربراہ مملکت غائبین
میں تقسیم کرنے کی بجائے ساری کی ساری بیت المال کے لیے چھوڑ دی۔
(ه) یا امام اس میں سے خاص خاص زمینوں کو بیت المال کے لیے مخصوص کر دے
(و) زمین کا مالک زمین چھوڑ کر بھاگ گیا اور غائب اور لاپتہ ہو گیا جس کا پیچھے کوئی
وارث نہیں۔

(ز) معرکہ جنگ میں قتل ہونے والے لاوارث کی زمین ایسی اراضی بیت المال کی
قرار پاتے کی۔ (فتاویٰ شامی و کتاب الاموال و بدائع السنائع)

وہی لوگ ہیں جن کے
شوق کا بیت المال

کنیل ہے۔ مثلاً یتیم، نادار، بیوائیں، مسافر، معیض، معذور، فوج، پولیس، عوامی عدلیہ
و انتظامیہ ورفادہ عامہ اور مثلاً دریاؤں، نہروں کے پل، مساجد، مدارس و شفاخانوں
اور خالتوں کی تعمیرات وغیرہ۔

بیت المال کی اراضی میں سربراہ کے اختیارات

بیت المال کی اراضی دیگر اموال بیت المال کی طرح سربراہِ مملکت یعنی امام المسلمین یا امیر المؤمنین کی نگرانی اور نگرانی میں رہے گی، انہیں امام المسلمین شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اپنی صوابدیدی کے مطابق کام میں لانے کے احکام نافذ کرے گا۔

بیت المال کی زمینوں سے مندرجہ ذیل منافع اٹھانے کی صورتیں

۱۔ قابلِ زراعت اراضی میں کھیتی باڑی کرائی جائے، خواہ حکومت اپنے وسائل سے کھیتی باڑی کرائے یا کاشت کاروں کو بٹائی وغیرہ پردے اور اس کی آمدنی بیت المال میں جمع کرائے اور اس کا باقاعدہ حساب ہو جسے مملکت کا کوئی بھی ذمہ دار منسرد چیک کر سکے۔

۲۔ سکنی جائدادوں کو کرایہ پردے کر اس کی آمدنی بھی باضابطہ طور پر بیت المال میں جمع کرائی جائے۔

۳۔ اگر ضرورت پڑ جائے، تو ان اراضی یا جائدادوں کو فروخت کرے اور ان کی قیمت بیت المال میں جمع کرائی جائے۔

۴۔ امام کی طرف سے ان اراضی یا جائدادوں میں کچھ حسبِ ضرورت و صوابدیدی ایسے شخص کو بخشش کی جاسکتی ہیں جس نے ملک و ملت اور اسلام کے لیے کوئی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہوں یا ایسے شخص کو جو فقر و فاقہ یا معذوری رکھتا ہو ان مسائل کی مزید تفصیل کتاب الاموال کتاب الخراج وغیرہ میں موجود ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک زمین بیت المال کے بمنز سے ہے امام المسلمین کو حق ہے کہ وہ اس میں سے حسبِ صوابدیدی ایسے شخص کو جس کی اسلام کو ضرورت

ہو زمین کا ٹکڑا بخش دے، جبکہ وہ یہ سمجھے کہ ایسا کرنا اسلام و مسلمانوں کے حق میں مفید ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

وَلَا أَرَىٰ أَن يَتْرَكَ أَرْضًا مِّلْكًا
لَا حِدٍ فِيهَا وَلَا عِمَارَةً حَتَّىٰ
يَقْطَعَهَا الْإِمَامُ فَإِنَّ ذَلِكَ
أَعْمَدٌ لِلْبِلَادِ وَأَكْثَرُ لِلنَّجْرِاجِ
کہ میں جانتا نہیں سمجھتا کہ غیر ملوکہ غیر آباد
زمینوں کو لوگوں ہی چھوڑے رکھے، بلکہ کسی
آباد کار کو جاگیر کے طور پر دے دے کہ اس
سے خدا کی زمین آباد ہوگی اور آمدنی
بکثرت ہوگی۔

ہمارے ملک کا وسیع و عریض معتد بہ حصہ ویران پڑا ہے اس کی آبادی کی طرف
توجہ کرنے کی شدید ضرورت ہے، اسے آباد کرنے سے انشاء اللہ ہماری معاشی تکالیف
کا کافی حد تک ازالہ ہو جائے گا۔

وسعتِ عالم میں رہ پیمابو مثل آفتاب
دامن گردوں سے ناپید ہوں یہ داغِ سحاب

ارض موات (غیر آباد) کا مسئلہ | ارضی مباحہ غیر ملوکہ کے تیسرے
قسم کو ارض موات (یعنی غیر آباد

زمین) کہتے ہیں اس کے بارے میں شریعت اسلامیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ سربراہ مملکت
یعنی (حکومت) سے اجازت لے کر جو چاہے آباد کرے، وہ اس کا مالک سمجھا جائیگا۔

جو زمین آباد کرے وہی اس کا مالک ہے |
کا یہی مطلب ہے کہ جو شخص سرکاری

(یعنی بیت المال کی) غیر آباد زمینوں کو سربراہ مملکت (حکومت) سے اجازت لے کر
آباد کرے، وہ اس کا مالک ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْيْتَةً فَهِيَ لَهُ | یعنی جس نے غیر ملوکہ غیر آباد زمین کو

الجامع الصغير سيوطي ج ۱ ص ۱۱۱) آباد کیا، وہ اس کی ہوگی۔

اور آباد کاری کے لئے اسے تین سال کی اجازت دی جائے گی۔ اگر اس مدت میں آباد نہ کر سکا، تو اس سے واپس لے کر اسے دی جائے گی جو اسے آباد کرے گا اور اگر کچھ آباد کر سکا اور کچھ نہیں تو آباد کو اس کے پاس رہنے دیا جائے گا اور غیر آباد کو واپس لے کر وہ دوسرے بے زمین خواہشمند کو دی جائے گی، چنانچہ کتاب الخراج میں مروی ہے:

مَنْ كَانَتْ لَدَا أَرْضٍ ثَمَرَتْ كَمَا

ثَلَاثَ سِنِينَ فَمِنْ بَعْدِهَا فَعَمْرُ قَوْمٍ

تو دوسرے لوگوں نے (امام کے اذن سے)

روایۃ لیس لم یجبر حق بعد

اسے آباد کیا، تو وہی اس کے حقدار ہیں اور

تین سال کے بعد زمین کو غیر آباد حالت میں

ثَلَاثَ سِنِينَ (ص ۱۱۱)

روک کر رکھنے والے کا کوئی حق نہیں (یعنی اسے تین سال سے زائد مہلت نہیں دی جائیگی،

زمین کو آباد کرنا ضروری ہے خود کھے پا کر ائے | زمین کو آباد کرنا ضروری ہے خود کھے یا کسی

دوسرے سے آباد کر ائے، چنانچہ کتاب الخراج میں ہے یَزْرَعُهَا أَوْ يَزَارِعُهَا وَ

يُؤَا جِرُهَا (ص ۱۱۱) کہ خود کاشت کرے یا مزارعت پر کاشت کو دے (والیضارواہ الناسانی وغیرہ)

زمین جب تک آباد کی جا رہی ہے، اسے واپس نہیں لیا جاسکتا جبکہ امام المسلمین نے زمین ہی

کی تملیک کر دی ہو۔ صرف منافع کی نہیں، یعنی صرف تمقیعاً نہ دی، بلکہ تملیکاً دی ہو۔ پھر مالک

زمین اس میں بہ طرح کے تصرف کا مجاز ہوگا۔ ہبہ، بیع وغیرہ اور اس میں وراثت بھی جاری

ہوگی اور اگر زمین کی بجائے صرف زمین سے منافع اٹھانے کی اجازت دی گئی تھی تو یہ

اجازت بوقت ضرورت و مصلحت منسوخ کر کے اس سے زمین واپس لی جاسکتی ہے

جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، نے حکومت پر متمکن ہو کر کیا تھا۔

ذاتی ملکیت کا مسئلہ | اسلامی نظام معیشت ایک ایسا نظام ہے جو ہر

معتدل راستہ ہے۔ اسلام شخصی اور ذاتی ملکیت کو حقوق انسانی میں سے ایک اہم حق تصور کرتا ہے اور کسی شخص یا پارٹی اور حکومت کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مالک کی مرضی کے بغیر اس کی مملوکہ چیز میں دخل دے یا تصرف کر کے کسی کی مملوکہ چیز میں مالک کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا
أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا
أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ
مِنْكُمْ (الآية)

اے مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے
کا مال ناحق نہ کھاؤ، مگر جو سودا تمہاری
باہمی رضامندی سے ہو۔

اسلام میں جائز طریقے سے تجارت اور
سرمایہ کاری کی اجازت ہے

اسلام کے نظام معیشت میں ہر شخص اسلام کے اصول تجارت کے مطابق تجارت میں ترقی کر کے سرمایہ حاصل کر سکتا ہے، مگر اس اندیشے سے کہ کہیں لاکھوں سرمایہ کسی شخص واحد کے ہاتھوں میں مرکوز ہو کر عوام الناس کے مفاد عامہ کو متاثر نہ کرے اس پر زکوٰۃ و صدقات ایسے عوامی حقوق عائد کر دیے جن کی ادائیگی کے بعد ایک فرد یا چند افراد کے ہاتھوں میں لاکھوں سرمایہ و دولت جمع نہیں ہو سکتی اور نہ ہی مطلق العنان سرمایہ داری کی نوبت آتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں باہمی رضامندی کے سوا ایک دوسرے کے مال کی ممانعت کر دی گئی ہے اور ممانعت میں چوری، خیانت، غصب (زبردستی چھین لینا) جو اور سود وغیرہ سب شامل ہیں۔ (تفسیر خزانة العرفان ص ۱۲۱)

بلکہ ان حقوق کی ادائیگی سے دولت میں تحریک و گردش کا عمل جاری رہتا ہے جس سے امیر ہوں یا غریب سب مستفید ہوتے رہتے ہیں، اس لیے تاجرین کو بیرون ملک سے مال درآمد کرنے اور اندرون ملک سے بیرون ملک مال درآمد کرنے کی بھی عام اجازت ہے، اس لیے اسلام میں لائسنس پر کسی پارٹی یا فرد کی اجارہ داری قابل برداشت نہیں، مگر ملک سے باہر مال درآمد کرنے کی اجازت اس وقت نہ دی جائے گی جبکہ ملک کے صارفین ضرورت مندوں پر مہنگائی کے مسلط ہونے کا اندیشہ ہو اور نہ ہی باہر سے مال درآمد کرنے کی کسی ایسی صورت کو برداشت کیا جاسکتا ہے جس سے ملک کا سرمایہ بیرون ملک چلا جائے اور ہم غیر ملکیوں کی امداد و اعانت کے محتاج ہو جائیں۔ آج یہ بات تجربہ میں آچکی ہے کہ بڑی طاقتیں غریب ملکوں کو لین دین کے ذریعے اپنی غلامی میں جکڑ لیتی اور ان پر اپنے نظریات مسلط کیے بغیر نہیں رہتیں اور یہ صورت حال ایک مسلمان ملک کے لیے قابل برداشت نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس سے بالواسطہ اسلام کی عظمت و سربلندی پر بڑا اثر پڑ سکتا ہے۔

وہی ناں ہے تیرے لیے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں سربلند

غریبوں کا صحیح اور سچا ہمدرد اسلام ہی ہے،
غریبوں کا ہمدرد اسلام | غریبوں کی ہمدردی کے تقاضے پورے کرنے

کے لیے ضروری ہے کہ سرمایہ داروں اور دولت مندوں سے زکوٰۃ و صدقات اور عشر وغیرہ ایسے مالیے وصول کر کے معاشرہ کے مفلوک الحال اور غریب و مستحق افراد میں صرف کیے جائیں تاکہ معاشرہ میں خوشحالی کا دور دورہ ہو اور انشاء اللہ اس سے ہمارے ملک کا معاشرہ اضطراب و بے چینی کے بھنور سے بخوبی نکل آئے گا۔ نیز چچان بین اور صحیح تحقیق کی جائے اور پتہ چلایا جائے کہ تقسیم ہند سے قبل انگریزوں نے اپنے پاؤں جمانے

اور اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے جن جن لوگوں کو جاگیریں بخشیں اور ان کی وفاداریاں حاصل کیں اور انہیں اپنے مخصوص خطابات سے نوازا۔ پھر پاکستان بننے کے بعد انہوں نے رتیسوں اور وڈیروں کی حیثیت سے غریبوں کا استعمال کیا۔ ان کی وہ جاگیریں واپس لی جائیں اور مستحقین میں تقسیم کی جائیں، کیونکہ ایسے جاگیردار اب بھی نہ صرف غریبوں کو اپنا غلام بناتے ہوئے ہیں، بلکہ اسلام کے نظام کے نفاذ میں بھی حائل بنے ہوئے ہیں، لیکن اس بات کا خیال رہے کہ اس کی زد میں ایسے لوگ نہ آئے پائیں جو اپنے جائز ذرائع سے کمایا آباؤ اجداد سے وراثت سے زمینوں کے مالک چلے آئے ہیں، کیونکہ ایسے لوگوں کی زمینوں پر ان کی مرضی کے بغیر قبضہ کرنا سخت ممنوع ہے۔

کسی کی جائز کمائی پر ناجائز قبضہ کا مسئلہ | قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ یعنی ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ بہتھیاؤ۔ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ أَخَذَ شَيْئًا مِنْ أَرْضٍ بغيرِ حَقِّ طَوِّقِهِ، مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ۔
کتاب الخراج ص ۶۷

جس نے کسی کی بالشت بھد زمین پر بھی
ناجائز قبضہ کیا، وہاں سے ساتویں زمین تک
کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائیگا۔
صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا
بغيرِ حَقِّهِ خُسْفٌ بِهِ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ أَرْضِينَ۔
الجامع الصغير ج ۲ ص ۷۱

کہ جس نے کسی کی زمین ناجائز قبضہ
میں لے لے قیامت کے روز ساتویں
زمین تک دھنسا دیا جائے گا۔

اس کی شرح سراج منیر میں ہے :

یعنی واقعی طور پر زمین کو طوق کی طرح کمر کے
اس کے گلے میں ڈالا جائے گا اور اس کی گزرن
کو اس قدر لبا کیا جائے گا کہ اس میں زمین کا
طوق پڑ سکے یا زمین کے غصب کا گناہ طوق
کی صورت میں اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

أَيُّ يَجْعَلُ كَالطَّوْقِ فِي
عُنُقِهِ حَقِيقَةً وَيُعْظَمُ عُنُقُهُ
لِيَسْخُ ذَالِكَ أَوْ يُطَوَّقُ إِثْمُ
ذَالِكَ وَيَلْزُمُهُ لَزُومَ الطَّوْقِ.

(سراج منیر ج ۳ ص ۳۲۲)

اسلام کی نظر میں قومی ملکیت کی

قومی ملکیت کی اصطلاح بے معنی ہے | اصطلاح بے معنی ہے، کیونکہ کسی شے

کا مجموعہ یا کل اس کے افراد و اجزا کے ہی تابع ہوتا ہے۔ جب تمام افراد کو حق ملکیت سے
محروم کر دیا جائے، تو ان کا مجموعہ کیا چیز ہے جو تمام املاک کا مالک کہلاتا ہے جب افراد
محروم ہو گئے، تو ان کا مجموعہ بھی محروم ہو گیا۔ اس اصطلاح میں فریب کے سوا کچھ نہیں ہے
اس کے برعکس سرکاری ملکیت ایک اصطلاح معقول ہے۔ قومی ملکیت سوشلسٹوں کی عجیب و
غریب بے معنی اصطلاح ہے۔ سابقہ حکومت نے لوگوں کے نجی تجارتی ادارے ان سے
چھین لیے۔ پھر کسی کو تو معاوضہ دینے کا اعلان کیا اور کہا گیا کہ چونکہ ان کے ادارے کاری تحویل
میں لیے گئے ہیں، اس لیے تمہیں معاوضہ ملے گا اور کسی کو معاوضہ دینے سے انکار کر دیا
اور کہا گیا کہ چونکہ ان کے ادارے قومی تحویل میں لیے گئے ہیں، اس لیے انہیں معاوضہ نہیں
ملے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان اداروں کی نہ تو سرکار مالک قرار پاتی اور نہ ہی سابقہ
مالکان تو کون مالک ہوا؟ ع

اک جنوں سے کہ باشعور نہیں

اسلام نہ تو سرمایہ داری کی طرح بے لگام ملکیت کی اجازت دیتا
ہے کہ جائز و ناجائز ہر ذریعے سے دولت کمائی جائے اور جہاں

تحدید ملکیت

دل چاہے اسے خرچ کیا جاتے، بلکہ اسلام سرمایہ کے جمع کرنے پر دو طرح کی پابندی عائد کرتا ہے ایک یہ کہ ذرائع اور وسائل آمدنی جائز ہوں جن سے کسی کا استیصال لازم نہ آئے اور خدا و مصطفیٰ جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے مطابق ہوں اور دوسرے یہ کہ اس سرمایہ کا مصرف صحیح ہو یعنی اس سرمایہ کو خدمتِ اسلام و اعانتِ مستحقین اور اپنی ضروریات میں صرف کیا جاتے جس کی بخت گزر چکی اور نہ ہی اشتراکی اور سوشلسٹ نظام کی طرح شخصی و انفرادی ملکیت کو ممنوع قرار دیتا ہے اور اہل دولت کو زکوٰۃ و صدقات اور توریث ایسے احکام و قوانین کے نظامِ عمل کا پابند کرتا ہے جس سے معاشرہ ہمہ گیر سطح پر استیصال کا شکار ہو سکی جائے مکمل طور پر خوشحالی اور فارغ بالی کی نعمت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ نظامِ زکوٰۃ اور نظامِ وراثت معاشرہ کی خوشحالی کی ضمانت اور تحدیدِ ملکیت کا قدرتی ذریعہ ہیں، بالخصوص نظامِ وراثت جب کسی سرمایہ دار کے مرنے کے بعد عمل میں آتا ہے تو اس نظامِ عمل سے اس کی جائداد منقسم ہو کر متعدد ہاتھوں میں چلی جاتی ہے جس سے اس کے خاندان کے بہت سے مفلس و محتاج خوشحال ہو جاتے ہیں۔ زکوٰۃ و توریث نظامِ عمل تحدیدِ ملکیت کا منطقی و قدرتی اور نہایت ہی کامیاب نظام ہے۔ اس کے مقابلے میں انسان کے بنائے ہوئے تحدیدی قوانین غیر منطقی اور غیر مؤثر ثابت ہوئے ہیں، لہذا اس کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

نظامِ وراثت | ہمارے ملک کے تقریباً ننانوے فیصد مسلمان نظامِ وراثت سے گریزاں اور مستحق وارثوں کے استیصال کا عمل اختیار کیے ہوئے اور سب سے زیادہ استیصال بیچاری لڑکیوں کا ہو رہا ہے۔ لڑکی کے ماں باپ استیصال پر معنی ظالمانہ رواج کی آڑ لے کر جہاں لڑکیوں کی حق تلفی کے متکب ہوتے ہیں، اور ان کا دل دکھاتے ہیں، وہاں مسلمان کہلانے کے باوجود عملی طور پر خداوند قدوس کے احکام وراثت سے کفر و انکار کر کے اپنی قبہ میں آگ بھرتے ہیں۔

آہ یہ قوم نجیب و چرب دست و ترومان
جہ کہاں روز کافات لے نہ لے واؤں؟

کافی کتاب الاموال، ص

در عمد دیگر بسوزد و دیگران را بسوزد!

گفتند دشمن حدیثی، اگر توانی وارگوش

اور اگر وہ لوں مسلمان نہ ہونے میں تو صلح نامہ میں فریقین کے درمیان ان زمینوں کے بارے میں جو معاہدہ طے پائے گا اس پر عمل درآمد ضروری ہوگا اور دیگر صورتوں کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

مولوی محمد تقی امینی ناظم دینیات

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ذاتی ملکیت

محمد تقی امینی کی ایک غلط فہمی کا ازالہ

کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

جن لوگوں نے اسلام کے نام پر موجودہ دور کی انفرادی ملکیت پر

الہام کیا ہے، وہ دراصل اس وقت کے اسلام کی نمائندگی کر رہے ہیں۔

بسکہ مسلمانوں میں ذاتی منفعت و حصول اقتدار خود مقصد بن گیا تھا

اس بنا پر ان کی بات زیادہ توجہ کے لائق نہیں ہے۔ (احکام شرعیہ ص ۱۳۴)

محمد تقی صاحب ذاتی ملکیت ختم کرانے کے درپے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں

نے ذاتی ملکیت کے خلاف پہلے سے ایک نظریہ قائم کر لیا ہے۔ پھر اس نظریے میں دلائل

لائے چلے گئے، چونکہ سرے سے ہی یہ نظریہ غلط اور سوشلسٹ دانشور اکت نواز

حضرات کا اثر ہے جو امینی صاحب پر چھپایا ہوا ہے جس کی تائید میں انہیں صحیح دلائل پیش

نہ آسکے۔ اس لیے انہوں نے بعض اکابر کی عبارات کو توڑ کر پیش کرنے میں کوئی کسر

نہیں تھری گئی ہے۔

سردیں اور اک میں آتا نہیں

کس طرح آئے قیامت کا یقین

اراضی مفتوحہ کی دوسری قسم | مفتوحہ زمینوں کی دوسری قسم وہ ہے جو فتح کے وقت کسی کی ملکیت و تصرف

میں ہو۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ :

وہ صلح و امن کے ساتھ فتح ہو اورین کے باشندے مسلمان ہو جائیں تو وہ زمینیں بدستوران کے تصرف میں رہیں گی۔ امام المسلمین یا کوئی دوسرا کسی طرح کا ان میں دخل نہیں دے سکتا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں،

کہ مجھے حکم ہوا کہ میں لوگوں سے لڑوں، یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلا شک محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز پنجگانہ قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، جب وہ یہ کریں، تو ان کے جان مال میری طرف سے محفوظ ہوگئے، مگر اسلام کے حق (قصاص و حدود) میں

ان کا مواخذہ ہوگا، اور ان کے جان

أَمَرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا وَإِنْ لَأِلَّ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْأَسْلَافِ وَحَسَابَتُهُمْ عَلَى اللَّهِ

(متفق علیہ)

کا حساب اللہ کے ذریعے۔

مدینہ منورہ کے انصار چونکہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے، اس لیے انہوں نے صلح و امن کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا اور زمینیں جس کے پاس تھیں، اس کے پاس رہی۔ البتہ انصار نے خوش دلی سے وہ زمینیں منسوبہ والے کر دیں۔ جہاں پانی نہیں پڑتا تھا، تو آپ نے بعض صحابہ کو ان زمینوں کی باگیہ بخشش و مادی تاکہ وہ آباد کر کے ان سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور ان کے ذریعے سے دیگر نالائق بھی۔

اس کتاب میں بہت سے غلط مفروضے قائم کیے گئے ہیں اور بعض مسائل میں مستند زبردست غلط فہمیوں کا شکار ہوئے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ سر دست ہم ذاتی ملکیت کے بارے میں ان کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں کہ:

”حکومت جس کی زمین و جائداد پر چاہے قبضہ کر کے اسے قومی

سرکاری تحویل میں لے سکتی ہے۔“

اس سلسلے میں موصوف کا وہی نظریہ ہے کہ جو زمانہ سال کے سوشلسٹوں اور اشتراکیوں کا ہے۔ اس سلسلے میں موصوف نے بعض موجودہ زمانے کے مستفین کی عبارت پیش کی ہیں۔ جن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس نظریے کے لوگ ہیں ممکن ہے کہ وہ بھی سوشلسٹ ذہنیت کے لوگ ہوں، اس لیے ان کا حوالہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا اور علامہ ابن حزم طاہری کے حوالہ جات بھی ہیں۔ ابن حزم چونکہ بہت سے نظریات میں منفرد اور جمہور سے الگ ہیں، یہاں تک کہ اجماع کے بھی خلاف لڑ جاتے ہیں، اس لیے ان کی باتیں بھی کوئی وزن نہیں ہے یا کہا جاسکتا ہے کہ موصوف نے ان کی عبارات کا مفہوم بھی اسی طرح غلط سمجھا ہوگا جس طرح انہوں نے دوسرے محققین کی ان عبارات کا مفہوم غلط سمجھا جنہیں ہم عنقریب پیش کرنے والے ہیں۔ چنانچہ موصوف علامہ عینی کے حوالہ سے عبارت درج کرتے ہیں،

إِنَّ حُكْمَ الْأَرْضِ صِنِّي إِلَى
الْأَمَامِ - زمین کا معاملہ امام (حکومت) کے سپرد ہے (حکومت جو چاہے کرے)

موصوف نے عینی کی یہ عبارت قطع برید کر کے اس قدر لکھ دی ہے جس سے ان کے انفرادی ملکیت کو ختم کرنے کے خود ساختہ نظریے کو تقویت مل سکے، کیونکہ موصوف کا یہ نظریہ عام اراضی کے بارے میں ہے، اگرچہ وہ کسی کا ملکیت میں ہو، جبکہ علامہ عینی کی اس عبارت کا تعلق صرف ان اراضی سے ہے جو کسی کی ملکیت میں نہیں ہیں جیسے وادیوں

اور پہاڑوں وغیرہ کی غیر آباد اور غیر مملوکہ زمینیں۔ موسوف علامہ عینی کا مقصد سمجھنے سے قاصر ہے ہیں۔ علامہ عینی کا مقصد یہ ہے کہ انہیں چراگاہ کے لیے مخصوص کرنے کا حق امام کو ہے۔ یعنی ان زمینوں کا معاملہ بادشاہ یا حکومت کے سپرد ہے، وہ جس قدر چاہے اسی قدر بیت المال کے جانوروں کے لیے چراگاہ میں توسیع کے لیے عوام الناس کو وہاں جانوروں کے پرانے سے روک سکتی ہے، اگرچہ لوگ پہلے وہاں سے فائدہ اٹھاتے چلے آ رہے ہوں۔

علامہ عینی کی پوری عبارت ملاحظہ ہو:

یعنی امام اس زمین کو چراگاہ ایسی سرکاری ضروریات کے لیے لے سکتا ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو جیسے وادیوں کے بیچ کی زمین اور پہاڑوں کی اور غیر آباد غیر مملوکہ زمین اگرچہ ان مقامات سے نام مسلمین مشترکہ فائدے اٹھاتے ہوں تو ان کے مشترکہ منافع امام کی چراگاہ بنانے میں زیادہ ہیں۔

یہی بات عوں باب کے شروع میں مذکور ہے اور پہاڑ چراگاہ بنانے کے لیے ضروری ہے۔ عوں ہا حق سے ہا نصرت لکھتے ہیں۔ مذکورہ زمینوں کا معاملہ امام کے سپرد ہے اور یہ کہ پہاڑوں کے لیے

کو آباد کرنے کے لیے دینا دونوں حکم اس زمین سے متعلق ہیں جن کا کوئی مالک نہیں اور امام قسطلانی ارشاد الباری شرن بخاری میں بھی یہی فرماتے ہیں ملاحظہ ہو:

وَإِنَّمَا يُحْيِي الْأَمَامَ مَا
لَيْسَ بِمِلْكٍ لِأَخِيذٍ مِّثْلُ بَطُونِ
الْأَوْدِيَةِ وَالْجِبَالِ وَالْمَوَاتِ
وَإِنْ كَانَ يَنْتَفِعُ الْمُسْلِمُونَ
بِمِلْكِ الْمَوَاضِعِ فَمَنْ فَعْنَهُمْ
فِي حِمَايَةِ الْأَمَامِ أَكْثَرُ
قُلْتُ حَصْرًا لِحَيْ لَدَارِ قَوْ
رَسُولِهِ يَدُلُّ عَلَى أَنْ حَكَمَ
الْأَذَاخِي إِلَى الْأَمَامِ الْخ
بِعَمْدَةِ الْقَارِي ج ۲ ص ۲۰
أَنْ كَلَّمَ مِثْلَهُ لَدَارِ قَوْ
فِيهَا لَا مَسْأَلَةَ
بِعَمْدَةِ الْقَارِي ج ۱۲ ص ۲۰

وَإِنَّمَا يَخُصِي الْإِمَامُ مَالِيكَ
بِمَمْلُوكِ الْحِجْرَةِ (ج ۲ ص ۱۲۴)
کہ حکومت اس زمین میں تصرف کر سکتی
ہے جو کسی کی ملکیت نہیں۔

امام نووی علیہ الرحمۃ کا سلطان مصر کو لوگوں کی
زمینوں کو سرکاری تحویل میں لینے سے منع کرنا

ایک مرتبہ سلطان
مصر نے لوگوں سے کہا
کہ تم لوگ اپنی اپنی زمینوں

کی ملکیت کے کاغذ پیش کرو ورنہ ہم تمہاری اراضی کو بیت المال کے حق میں ضبط کر لیں گے
اس وقت کے بے نظیر عالم دین امام نووی علیہ الرحمۃ کو معلوم ہوا تو آپ نے اس بادشاہ
کے اس خیال کے خلاف آداز اٹھائی اور دلائل سے ثابت کیا کہ اگرچہ کسی کے پاس ملکیت
نامے نہ ہوں، مگر وہ پشت در پشت قابض چلے آ رہے ہوں، وہ مالک ہی ہیں، ان سے زمینیں
چھیننا ظلم اور ناجائز ہے، تو بادشاہ اس خیال سے باز آ گیا۔ (شامی ج ۴ ص ۱۸۱)

یہ اس صورت میں ہے کہ جب مذکورہ قابضین کسی دوسرے کی مملوکہ زمین پر غاصبانہ
طور پر قابض نہ ہوں جیسا کہ پہلے مدلل گزرا ہے۔ اگر کسی نے کسی دوسرے کی زمین پر غاصبانہ
قبضہ کر رکھا ہو تو اس سے وہ زمین لے کر اصلی مالک کو واپس دی جائے گی۔

تنتی ایمنی کی ایک اور خیانت

افسوس کہ سوشلزم و اشتراکیت کے اہل
تدم پاکستان ایسی سرزمین میں کہ جسے صرف

اسلام کے نظام حیات کی تنبیذ و ترویج کے لیے حاصل کیا گیا، سوشلزم و اشتراکیت کا زہر
پھیلانے کے لیے قلم جیسی مقدس دیانت کا خون کرنے اور اس عظیم امانت میں خیانت کرنے
سے بھی باز نہیں آتے، چنانچہ کتاب مذکورہ میں حکومت کے حق میں برہم کے بے پناہ
اختیارات ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

غرض حکومت اپنے اختیارات میں کسی ایک طریق تنظیم و تقسیم کی پابند نہیں
ہے بلکہ مفاد عامہ کے پیش نظر اس کے اختیارات کافی وسیع ہیں اور انفرادی

اور اجتماعی برطریق کی اجازت ہے جیسا کہ قاضی ابو یوسف کہتے ہیں:

وَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ مُتَّوَسِعًا
عَلَيْهِ فَكَيْفَ مَا شَاءَ مِنْ
ذَلِكَ فَحَلَّ - (کتاب الخراج ص ۱۰۰) گنجائش ہے۔

تقی امینی صاحب نے مندرجہ بالا حوالے سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حکومت جو چاہے کرے، اس کے لیے اسلام کے احکام و ہدایات اور قیود و ضوابط کچھ نہیں ہیں، یہ پابندیاں صرف عوام کے لیے ہیں۔ بشریعت عوام کے لیے اتنی ہی ہے حکومت اس سے مستثنیٰ ہے۔ ایک عام آدمی اگر کسی کی کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف چھین لے، تو اس کے لیے ناجائز و حرام اور اگر حکومت قومیا نے کے حیلے یا مفاد عامہ کے ڈھونگ سے جس کی جائداد پر ہاتھ صاف کر ڈالے، اس کے لیے جائز ہے۔ انا لله وانا اليه راجعون کرتے ہیں انسانوں کو غلامی پر رضامند

تاویل مسائل کو بناتے ہیں جہاں

مالانکہ بات یوں نہیں۔ یہاں امام ابو یوسف حکومت کو ایسے حل دے دیتے ہیں جن سے انتہا نہیں سونپ رہے۔ یہ امینی صاحب ہی کی کوتاہ نظری یا خیانت کا لہجہ ہے کہ ان کی بات کو اپنے خود ساختہ اثرات پر نظر پڑنے پر ٹٹ کر گئے۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

لیجئے اب امام صاحب کی شروع کی عبارت ملاحظہ فرمائیے اور امینی صاحب

دیانت و امانت کی داد دیجیے:

ذُكِّلَ اَرْضِ اِقْطَعَهَا الْاِمَامُ
مِمَّا فَتَحَتْ غَنُوَةً فَفِيهَا الْاِخْرَاجُ
اِلَّا اَنْ يُصَيِّرَهَا الْاِمَامُ غَنُوَةً
یعنی اہل حرب سے جنگ کے بعد فتح کی ہوئی زمین سب امام کسی کو چاہے لے لے سکتا ہے تو زیادہ داروغت مال

ذَٰلِكَ الْحَبِيبُ الْأَمِينُ رَاحِي
 ان قال: وَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ
 ذَٰلِكَ مُوسِعًا عَلَيْهِ فَكَيْفَمَا
 شَاءَ مِنْ ذَٰلِكَ فَعَلَّ .
 (کتاب الخراج ص ۱۰۰)

میں عشر نہیں خراج جمع کرانا ہوگا۔ ہاں
 اگر امام اس زمین کو عشری قرار دیدے تو
 پھر عشر ہوگا، تو ایسی سورت میں میرا خیال ہے
 کہ زمین کو خراجی یا عشری قرار دینے کا معاملہ
 امام کی صوابدید پر ہے جو چاہے کرے۔

یہ تفسی امام ابو یوسف کی پوری عبارت جس کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ
 امام المسلمین کو جنگ کے ذریعے مفتوحہ اراضی کو کسی کے لیے جاگیر قرار دینے کے بعد سے
 عشری یا خراجی ٹھہرانے کا اختیار ہے، مگر امینی صاحب اسے کہاں سے کہاں کھینچ تان
 لے گئے۔ دراصل سوشلسٹوں کا طریقہ ہی یہی ہے کہ وہ اپنے من گھڑت نظریات کی
 تائید میں ایسے ایسے کرشمے دکھاتے ہیں نیز

بریں قیاس کن زگلستان من بہر مرا

کے مطابق موصوف کی دوسری تحقیقات کو بھی اسی پر قیاس کر نیچے۔ اور جہاں حضرت عمر
 بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقوں سے کہہ انہوں نے بعض جاگیریں واپس
 لے کر بیت المال کو دے دیں تو یہ وہ جاگیریں تھیں جنہیں آباد کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔ مگر
 لینے والے انہیں آباد نہ کر سکے، تو آباد نہ کرنے کی وجہ سے وہ واپس لینا پڑیں، انہیں
 زمین کی بخشش نہ کی گئی تھی، بلکہ زمین بیت المال کی تھی اور منافع آباد کرنے والوں کے
 لیے جاگیر کی بخشش کی یہ دونوں صورتیں کتاب الخراج ودر مختار و شامی وغیرہ میں موجود ہیں
 در آخر الذکر زمین کا چونکہ جاگیر دار مالک نہیں ہوتا، اس لیے امام اگر مناسب سمجھے تو اس
 سے واپس لے سکتا ہے، ملاحظہ ہو (شامی ج ۴ ص ۱۹۴)

مزارعت کے جواز مقدم ہوا ردوں کے
 حق میں مختلف حدیثیں وارد

زمین کو مزارعت و بٹائی پر دینے کا مسئلہ

ہوتی ہیں۔ اس بنا پر صحابہ کرام و ائمہ عظام میں مزارعت کے بارے اختلاف واقع ہوا۔ خود احناف کے امام حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسے جائز نہیں سمجھتے، اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں کہ زمین کا مالک کام کرنے والے کو ایک معین تک تنخواہ متسرہ پر لے کر اس سے کام لے اس میں شرط یہ ہے کہ بیج اور آلات مالک کے ہوں مدت پوری ہونے پر باہمی رضامندی سے اسے تنخواہ کے عوض اسے اتنی مالیت کی پیداوار دے دے۔

(ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی ج ۶ ص ۲۷۵)

لیکن صاحبین امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ مزارعت کو جائز سمجھتے ہیں اور صاحبین کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام نسائی کے بغیر اصحاب صحاح ستہ نے روایت کیا ہے، چنانچہ بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے :

ان اللہی صلی اللہ علیہ وسلم
عامل اھد خیر بشر ما یتخرج
منہما من ذرع او ثمر الخ (بخاری ج ۱ ص ۲۳۳)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اہل خیبر کے ساتھ زمین خیبر کی کچھ پیداوار
یا پھل کے ایک پر معاہدہ کیا۔

مزارعت میں صاحبین
رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ ہے

فتویٰ ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

والفتویٰ علی قولہما للحاجة
الناس الیہا و لظہور تعامل
الامامة - (ہدایہ ج ۲ ص ۲۲۳)

یعنی لوگوں کی ضرورت اور امت کے
کے تعامل کے ظہور کی بنا پر فتویٰ صاحبین
کے قول پر ہے۔

مفسد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک

ہے ایک ہے گو ثمرت معانی میں بیجا

ان اختلاف میں امت کے فائدے ملحوظ ہیں، اس مفسد میں سب امت متفق ہیں، البتہ
متاخرین نے اس قول کو ترجیح دی جس میں امت کا فائدہ زیادہ ہے اور وہ مزارعت کا حلال

ہے یعنی کسی کو زمین اس طور پر دینا کہ کاشت سے جو پیداوار ہوگی، دونوں میں مثلاً نصف نصف یا ایک تہائی یا دو تہائیوں میں تقسیم ہوگی اسے اسلام کی اصطلاح میں مزارعت اور یہاں کے عرف میں اسے بٹائی پر زمین دینا کہتے ہیں۔

ایجاب قبول کے بعد مزارعت کے رکن چار اور
مزارعت کی شرطیں | اس کے جواز کی شرطیں آٹھ ہیں۔

۱۔ زمین ع ۲ بیج ع ۳ کام ع ۴ بیل یا ٹریکٹر، اور آٹھ شرطیں یہ ہیں،
 ۱۔ زمین مزارعت کی صلاحیت رکھتی ہو ع ۲ عاقدین کا اہل ہونا کہ معاملہ کرنے والے دونوں آزاد اور بالغ ہوں، ہاں اگر غلام یا لڑکا ہو تو وہ اپنے آقا اور سرپرست سے اجازت یافتہ ہوں ع ۳ مدت مزارعت متعین کر لی جائے ع ۴ بیج کس کی طرف سے ہوگا ع ۵ جنس کا ذکر آجائے کہ کیا بوتے گا ع ۶ حصہ مقرر ہو کہ ایک کو کس قدر ملے گا ع ۷ مالک زمین کو کاشتکار کے سپرد کر دے صاحب زمین نے آٹھویں شرط کو شرکت فی الخارج (پیداوار میں مالک زمین اور مزارع دونوں کا شریک ہونا) قرار دیا ہے لیکن یہ بعینہ چھٹی شرط کا اعادہ ہے۔ چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں،

ان هذ الشرط مستدرک
 بلاستغناء عنه با شتر اذ ذکر
 قسط السعائل (ج ۶ ص ۲۷) نہیں رہتی۔
 یعنی یہ آٹھویں شرط بے نائد ہے

تو آٹھویں شرط زمین کا معلوم و متعین ہونا ہے کہ یہاں سے وہاں اور ادھر سے ادھر تک جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے (ج ۱ ص ۲۳ طبع مصر) اور حکیم الامت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بہار شریعت میں بھی اسی شرط کا ذکر فرمایا ہے (ملاحظہ ہو بہار شریعت ج ۱ ص ۹۴) نیز علامہ شامی نے اس شرط کا ذکر کر دیا ہے ان معروفت الارض شرط (ج ۱ ص ۲۷) کہ زمین کا معلوم ہونا شرط ہے۔

اگر بیج مالک زمین کی طرف سے طے پایا تو پانچویں
شرط ساقط ہو جائے گی کہ جس جنس کا بیج مالک زمین

افادات و مسائل

دے گا مزارع اس کو بونے گا۔

یا مالک مزارع سے کہہ دے کہ جو مرضی آئے بونے تو بھی جنس کا تعین ضروری
نہیں اور شرط یہ جائز نہیں کہ بیج والا پیداوار میں سے بیج اٹھائے گا اور بقیہ پیداوار کی
تقسیم کی جائے گی، ہاں یہ جائز ہے کہ پیداوار میں سے پہلے عشر یا نصف عشر نکالا
جائے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ غلہ تقسیم ہوگا اور بھوسہ غلہ کے حصہ کے برابر کیا جائے گا
یا جس کا بیج اس کا بھوسہ یہ بھی جائز کہ زمین مالک کی اور بیج اور کام اور ہیل وغیرہ
مزارع کے یا زمین اور بیج مالک کے کام اور ہیل (یا ٹریکٹر) مزارع کے۔

اشتراکی اور سوشلسٹ

اسلام کے نظام معیشت میں زراعت کی اہمیت

نظام میں تو ہوس

نفسانی کے مخصوص عزام کو پروان چڑھانے کے لیے مالک و مزارع زمیندار و کسان
وغیرہم کے درمیان طبقاتی منافرت پھیلا کر انسانی قدروں کو پامال اور بنی آدم کے خون
کو انتہائی ارزاں کیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام ایک ایسا عادلانہ نظام معیشت ہے جس کی
بنا مخلوق خدا کے درمیان ہر طرح کی باہمی منافرت و طبقاتیت کو ختم کر کے ان میں خوت
والنت پیدا کرنے پر ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کمینتی کو امانت کی نسبت
اپنی طرف کر کے جہاں زراعت کے پیشہ کو نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت میں
بڑی اہمیت بخشی ہے وہاں منمنی طور پر کاشتکار کی عزت افزائی بھی فرمائی ہے۔

أَفَرَأَيْتُم مَّا تَخْرُثُونَ أَأَنْتُمْ تَزْعُمُونَ

اُم نَحْنُ الذَّارِعُونَ . . . اواق

یا ہم بناتے ہیں۔ . . دیکھ کیا تم کہتے ہو زمین بناتے ہو

کاشت کاری پیشہ حضرت آدم علیہ السلام | امام ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے

ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مستدرک امام حاکم میں مروی ہے کہ
حضرت آدم علیہ السلام کا پیشہ کاشت کاری، حضرت نوح کا بڑھتی حضرت ادریس کا
درزی اور حضرت موسیٰ کا بکریاں چرانہ تھاج ۴ ص ۲۵۹

اس حدیث سے ایک تو دستکاری رہا تھ کی کمائی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ دوسرا
یہ کہ کاشت کاری ایک ایسا مقدس پیشہ ہے جسے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام نے اختیار
فرمایا اور اسی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ فرماتے ہیں جسے امام ابو داؤد
نے اپنی مراسیل میں امام زین العابدین سے روایت کیا ہے۔

وَحَرِّثُوا ذُرْنَ الْعَدْوِ مُبَارِكًا
وَكَثُرُوا فِيهِ مِنَ الْجَمَاعِمِ -
یعنی زمین میں کھیتی باڑی کے لیے، بل
چلاؤ کہ بل چلانا بابرکت ہے اور بیج
خوب ڈالو۔ (جامع الصغیر ج ۱ ص ۶۳)

اس میں فرمایا گیا ہے کہ کھیتی باڑی کرو اور بل چلاؤ کیونکہ کھیتی باڑی کا کام بابرکت ہے
اور اس میں بیج بکثرت ڈالو۔ بلکایں بیج مت ڈالو یا مراد یہ ہے کہ نظر بد اور پرندوں سے حفاظت
کے لیے کھیتی باڑی پر بکثرت ہنڈیاں لٹکاؤ، ہنڈیاں لٹکانے کا یہ امر تکلیفی نہیں، بلکہ امر
ارشادی ہے۔ (ملاحظہ ہو سراج منیر شرح الجامع الصغیر ج ۱ ص ۶۳)

صحیح بخاری کے باب فصل الزرع میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

جو شخص درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرند و انسان اور
جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس کے حق میں صدقہ بنتا ہے یعنی
اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے (بخاری ج ۱ ص ۳۱۲ مجتہبان)

اس کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے درخت لگائے، اگرچہ حصولِ ثواب کی نیت اس کے دل و دماغ میں مستحضر نہ تھی، یہاں تک کہ اگر اس نے درخت لگا کر اسے فروخت کر دیا یا اس نے کاشت کی اور اسے فروخت کر دیا، پھر بھی اس کا یہ عمل اس کے لیے صدقہ ہوگا کہ اس کا یہ عمل مخلوق خدا کی روزی میں اصناف کا باعث بنا۔ (عمدة القاری ج ۱۲ ص ۱۵۵) نیز فرماتے ہیں۔

فِيهِ الْخَضُّ عَلَى عِمَارَةِ الْأَرْضِ
لِنَفْسِهِ وَلِمَنْ يَأْتِي بَعْدَهُ -
کہ اس حدیث میں زمین کو اپنے اور بعد
میں آنے والوں کے لیے (درختوں اور کھیتوں
سے) آباد کرنے کی ترغیب ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۲ ص ۱۵۶)

سر پہ سبزہ کے کھڑے ہو کے کہا تم میں نے

غنچہ گل کو دیا ذوقِ تبسم، میں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہل چلایا
کھیتی باڑی کرنا اور ہل چلانا ایک
ایسا بابرکت کام ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہ نفس نفیس شرف بخشا۔ چنانچہ امام شمس الدین سرخسی المعروف
بہ شمس الائمۃ علیہ الرحمۃ کتاب المبسوط میں فرماتے ہیں،

أَوَّلُ مَنْ فَعَلَهُ آدَمُ هَلَوَاتُ
اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ عَلَى مَا
رَوَى أَنَّهُ، لَمَّا أَهْبَطَ إِلَى الْأَرْضِ
أَتَاهُ جِبْرِيْلُ بِحِنْطَةٍ وَأَمَرَهُ
بِالزَّرَاعَةِ وَازْدَرَعَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَقَالَ غَا مَلَاةَ الْمَزَارِعِ
کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام
نے کھیتی باڑی کاہ کیا۔ بنا ہوا کہ وہی ہے
کہ آپ جب زمین پر اتارے گئے تو حضرت
جبریل آپ کی خدمت میں کدو لائے اور اس
زمین میں بونے کا ام کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے مقام جرف میں بہ نفس نفیس کاشت
فرمائی اور فرمایا کہ کاشتکار خدا سے

تجارت کرتا ہے۔

اجور ربہ عزوجل المبطوح ص ۲۳

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فتح الباری میں امام
کمانی کے تین اصول

الماوردی سے نقل ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ کمانی

کے تین اصول ہیں:

زراعت، تجارت اور صنعت (ملاحظہ ہو ج ۴ ص ۲۵) امام الماوردی علیہ الرحمۃ
نے تینوں میں زراعت کو اولیت دے کر اسے سرفہرست رکھا ہے۔

مشکر اسلام مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ معاشیات کے بنیادی مسائل
میں زراعت کو بہت ہی اہمیت دیتے ہوئے اپنی مشہور کتاب حجت اللہ البالیہ میں فرماتے ہیں
یعنی جب کسی شہر میں مثلاً دس ہزار لوگ

بستے ہوں تو سیاست مدنیہ ان کے اسباب
معاش سے بحث کرتی ہے، تو اگر ان میں سے
اگر صنعت کاری اور شہری سیاست میں مصروف
ادراں میں سے محض زراعت و

جانوروں کی حفاظت میں مستغول
ہوں، تو دنیا میں تباہ و برباد
ہو جائیں گے۔

اَللّٰمَ اِنَّهُ اِذَا اجْتَمَعَ عَشْرَةٌ
اَلْفِ اِنْسَانٍ مِثْلًا فِى بَلَدَةٍ
فَالسِّيَاسَةُ الْمَدْنِيَّةُ تُبْحَثُ
عَنْ مَكَاسِبِهِمْ فَاِنْ كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُتَلَبِّسِينَ بِالصَّاعَاتِ وَسِبَاغِ
الْبَلَدَةِ وَالْقَبِيْلُ مِنْهُمْ مَا يَبْنِي
بِالرَّعْيِ وَالزَّرَاعَةِ فَدَرَحَاتُهُمْ
فِي الْمَدْنِيَّةِ (ج ۲ ص ۱۵۱)

یعنی زراعت مدنی
معمشت میں ریڑھ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر یہ کمزور ہے اور متبادل
وسائل کی فراوانی بھی نہیں کہ ان سے تعلق نہ رکھ سکے تو وہاں کے لوگ ترقی کی بجائے
ردہ انحطاط و زوال ہوں گے اور ان کی حالت نہیں سدھ سکے گی اگر ملک کے اثر باشندے
زراعت پیشہ ہوں اور تمام زرعی سموتوں سے مالا مال ہو کر محنت شاد سے کام لیں تو زمین سے
وہ برکتیں ظاہر ہوں کہ ہمارے زراعت پیشہ بھائی ان کا تصور بھی نہ کر سکیں گے

وہی تھا اگر نہ ہوتی آساں
 بردانہ ہے صد ہزار دانہ
 غافل منشیں نہ وقتِ بازی ست
 وقتِ بہزت و کاری سازی ست

اس حدیث کی توجیہ کہ بل ذلت کا باعث ہے | گزشتہ تقریر سے ثابت ہوا کہ اسلام

کے نظامِ معیشت میں زراعت کو نہایت ہی اہمیت حاصل ہے، لیکن صحیح بخاری کی کتاب
 المزارعہ میں حضرت ابوامامہ باہلی سے مروی ہے :

بسمت اللہ النبی - سلی اللہ علیہ وسلم
 یقول فذلایہ دخل ہذا بیت
 قومہ الا اذ ذلہ اللہ المذل
 میں نے نبی اکرم سلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے
 سنا کہ آپ نے بل اور کھیتی کے دو سے آلات
 کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جس گھر میں یہ داخل
 ہوا اس گھر میں خدا ذلت کو داخل کرے گا۔

علماء محققین نے اس حدیث کی کئی ایک توجیہات فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ بل اور
 دیگر آلاتِ زراعت کھیتی باڑی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں، لیکن ان کے بغل
 جو قوم انہیں اپنے گھروں میں رکھ چھوڑے یعنی کھیتی باڑی کا کام ترک کر دے تو ان کے
 وسائلِ رزق میں کمی آئے گی جس کے نتیجے میں وہ بھوک و افلاس کی وجہ سے ذلیل و خوار
 ہو کر رہ جائیں گے اور دوسری توجیہ و تہیہ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

ان المسلمین اذا شتوا
 بالمزارعة واتبعوا اذ ناب
 البقر و قعدوا عن الخیر
 کر عینہم غناہم کعبہ
 جب مسلمان سب کے سب زراعت
 میں مشغول ہوں اور حیوان کے ذمے کے پیچھے
 پیچھے ہیں اور ترک دیں تو دشمن ان
 پر غنا کرے گا اور ان کے گھر خالی رہیں گے۔

حدیث مذکور کا پس منظر | اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرث و زراعت کے

فضائل بہت سے بیان فرمائے۔ اندیشہ تھا کہ کہیں ان فضائل کے پیش نظر مسلمان سب زراعت و کھیتی کے کام میں مشغول ہو کر جہاد ایسی انتہائی اہم دینی ذمہ داری کو فراموش کر دیں اور دشمن کے ساتھ لڑنے کے فن سے بے بہرہ ہو جائیں اور دشمن اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ کر کے انہیں ذلیل و خوار کر دے، اس لیے یہ ارشاد گرامی صادر فرمایا۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے یعنی نَابٌ مَا يُحْدَرُ مِنْ عَوَاقِبِ الدِّشْتَعَالِ بَأَنَّ الدَّرْعَ أَوْ مَجَاوِزَةَ الْحَدِ الْمَذِي أَمْرِيه۔ یعنی آلہ زراعت دہل وغیرہ سے سراسر مشغول ہونے اور زراعت میں مشغول ہونے کی مطلوبہ حد سے تجاوز کرنے کے انجام سے ڈرنے کے بیان میں یہ بھی اسی توجیہ کی تائید کرتا ہے جو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے فرمائی ہے امام بدر الملک والدین عینی علیہ الرحمۃ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں اودی سے یہ توجیہ نقل کی ہے۔ (بخوف طوالت ترجمہ عرض ہے)

یہ ارشاد نبوی ان حضرات کے لیے ہے جو دشمنوں کی سرحدوں کے قریب ہیں، اس لیے وہ اگر کھیتی باڑی میں لگ کر جنگی فنون و تجربات کو نظر انداز کر دیں، تو دشمن ان پر حملہ کر دے گا، لیکن سرحدوں سے دور افتادہ لوگوں کے لیے زراعت کا کام ہی بہتر و مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تم حسب استطاعت دشمن کے مقابلہ کی تیاری کرو اور یہ زراعت کے ساتھ ہی قائم ہے اور جو لوگ سرحد پر یا دشمن کے قریب ہیں وہ کھیتی باڑی نہیں کر سکتے کہ انہیں جنگی فنون سیکھنا اور تجربات کرنا ہے تو دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ضروریات زندگی میں ان کی مدد کرتے رہیں۔ عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۵۱

نیز اس تو جہہہ کی اس حدیث سے بھی صراحت سے تائید ہو جاتی ہے جسے ایام احمد بن حنبل اور امام طبرانی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ :

إِذَا حَسَنَ النَّاسُ بِالِدِينِ وَالذَّرَامِ
وَتَبَايَعُوا بِالْعَيْدَةِ وَتَبَعُوا أَذْنَابَ
الْبِقْرِ وَتَرَكَوا الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ أَدْخَلَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِمُ
ذِلًّا لَا يَرْفَعُ عَنْهُمْ حَتَّى يُرَاجِعُوا
دِينَهُمْ رَالِجًا الصَّغِيرُ ج ۱ ص ۲۹

یعنی جب لوگ راہِ خدا میں دینار و درہم
خرچ کرنے میں بخل کرنے لگیں اور ایک چیز
بہنگے داموں بیچ کر اس شخص سے سستے داموں
واپس خرید لیں اور جہاد فی سبیل اللہ کو ترک
کر کے کھیتی باڑی کے شوق میں بیلوں کو دم
پکڑ لیں، خدا انہیں ذلت میں مبتلا کرے گا اور

ان سے اس وقت تک ذلت نہ اٹھائے گا جب تک وہ اپنے دین کی طرف نہ لوٹیں گے۔

غرضیکہ حدیث مذکور کا ایک پس منظر ہے جسے ملحوظ رکھنے سے ہل ریابل جیسے دیگر
آلات سے متعلق ارشادِ نبوت کا عقدہ باقی نہیں رہتا اور اس علم و آگاہی کے رازداں تو
علماء کرام ہی ہیں۔ جب تک شریعت کے رازداؤں کے حضور دستِ سوال نہ پھیلائیں گے
اس وقت تک علم کی ایسی بائیک گتھیاں نہیں سمجھیں گی سے

ہم اپنی درد مندی کا فسانہ !

سنا کرتے ہیں اپنے رازداں سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال
پیشتر یہ غیب کی خبر دی تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی خبر
دینا کہ کسانوں پر ظلم ہوں گے !

کہ کسانوں پر ظلم ہوں گے اور حدیث مذکورہ آپ کی اسی پیش گوئی پر محمول ہے، چنانچہ
امام ابن جریر مستطانی علیہ الرحمۃ فتح الباری شرح بخاری میں ابن تین سے ناقل ہیں
ہذا من اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

غیب کی خبروں میں سے ایک خبر تہ۔
آج مشاہدہ ہو رہا ہے کہ سب سے زیادہ
ظلم کسانوں پر ہو رہے ہیں۔

اور امام بدرالدین والدین عینی عمدة القاری اور امام قسطلانی ارشاد الساری
شرح بخاری میں امام ابن بسال سے ناقل ہیں :

یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر پیشگوئی،
ہے اور یہ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو معلوم تھا کہ آخری زمانے میں ایسے جاگیردار
پیدا ہوں گے جو عشر و زکوٰۃ کی وصولی میں کسانوں
پر ظلم کریں گے اور حق شرعی سے زیادہ وصول
کریں گے کہ اس میں کسانوں کی ناحق توہین ہے
میں (علامہ عینی) کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ
مصر کے جاگیردار کسانوں کی تزیل و توہین کرتے
ہیں، ان پر مسلط ہیں، ان کی مار پیٹ کر کے
انہیں تید کرتے اور ان سے حق شرعی سے
زیادہ وصول کرتے ہیں اور زر خرید غلاموں
کا سا ان سے سلوک کرتے ہیں، بیچارے
کسان ان سے رہائی نہیں پاتے، پھر
جب کوئی کسان مر جاتا ہے تو جاگیردار
وہی سلوک ان کے بچوں سے کرتے ہیں،

بالمغیبات من عندنا هذا الآن
ان الشرکة من عندنا شر علی
اهل الحریت - فتح الدرر و ص ۱۰۰

و فی الحدیث علامۃ لہنود
قال ابن بطال و ذالک لانه
صلی اللہ علیہ وسلم عیما ان
من یتاخی اخر الزمان یتجورون
فی اخذ الصدقات والعشور
یاخذون اکثر مما یتوجب
لہم لانه ذل لمن اخذ منہم
بغیر الحق انتہی قلت قوۃ
الذل و کثرته فی الاربعین
فی الراضی مصر فان اصحاب
الاقطاعات یسلطون علیہم
ویاخذون منہم فوق ما
علیہم بصرب و حبس و تقدیر
بالغ و یجعلونہم کالعبيد
المشترین فذاتی تصون منہم
و ذامت و ذم منہم لقیومون

فَلَدَاهُ عَوْضَهُ بِالْعَضْبِ وَالظُّمِّ
 غَالِبَ مَا تَرَكَهُ وَيُحْرِمُونَ وَرَثَتَهُ
 اور ان کے باپ کی کنز جیاد پر غاصبانہ
 قبضہ کر کے انہیں وراثت کے حق سے
 محروم کر دیتے ہیں۔۔

(عمدة القاری شرح بخاری ج ۱۲ ص ۱۵۷)

(ارشاد الساری شرح بخاری ج ۲ ص ۱۴۲)

یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ ملکی معیشت کاشت کار کی مرہون منت ہو،
 لیکن ایک مخصوص طبقہ استیصال کا نشانہ بھی انہیں بناتے۔۔
 دلتے ناکامی فلک نے تاک کر توڑا اسے
 میں نے جس ڈالی کو تاڑا آشیانے کیلئے

کسانوں پر سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کے بہیمانہ مظالم | کسانوں پر سوشلسٹوں
 اور اشتراکیوں نے جو

مظالم ڈھائے۔ ان کی داستان نہایت دردناک اور لرزہ خیز ہے، چنانچہ لینن نے ۲۵
 فروری ۱۹۱۷ء کو ایک پمفلٹ تقسیم کر دیا کہ بڑی بڑی زمینداریاں ختم کر کے زمین
 بے زمین کسانوں میں بانٹ دی جائے گی، پھر دو ماہ بعد اپریل ۱۹۱۷ء میں لینن نے
 تمام زمینوں کو قومیا نے کا اعلان کر دیا اور یہ اعلان گول ٹول تھا۔

چھوٹے درجے کے کسانوں کو بڑے زمینداروں سے لڑا دیا۔ آخر بڑے اور متوسط
 درجے کے زمینداروں میں سچان پیدا ہوا، تحریکیں چلیں۔ مارچ ۱۹۱۷ء اور جون ۱۹۱۷ء
 تک کے درمیانی عرصہ میں کسانوں کی سترہ تحریکوں کو بڑی سفاکی اور خونریزی کے ساتھ
 دبا دیا گیا اور ان پر جو مظالم ڈھائے گئے، اس کی داستان کو قلم لکھنے سے قاصر ہے۔
 جب بڑی بڑی اور متوسط درجے کی زمینداروں کو ختم کر دیا گیا، تو اب چھوٹی چھوٹی
 زمینداروں کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا۔ آخر ۱۹۳۰ء تک ان کسانوں کے خون سے
 بولی کھیلنے کے بعد پوری مملکت روس میں ایک کسان بھی ایسا نہ چھوڑا گیا جس کے

ایک اپنی بھی زمین جو ایک فرانسیسی مسکن اپنی تصنیف (THC RBCA) میں لکھتا ہے کہ اس تصادم میں پچاس لاکھ انسان قتل ہوئے۔ اہل اشتراکیت کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ وہ انسانوں سے جذبہ اخوت و ہمدردی ختم کر کے انہیں کئی ایک طبقات میں تقسیم کر کے آپس میں لڑا دیتے ہیں۔ نتیجے میں کچھ لوگ ملاک ہو گئے اور جو باقی بچے ان کا حکومت خود ہی صنایا کر دیتی ہے۔ بیچارے کسانوں کو عشق اشتراکیت ہی انعام ملا کرتا ہے، لیکن بیچارے کسان ہیں کہ اپنی سادگی کی بنا پر سوشلسٹوں کے دام فریب میں آجاتے ہیں۔

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں!
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں!

ان کے ساتھ بھی وہی
سلوک روا رکھا جاتا ہے
جو ایک بے زبان جانور

اشتراکی اور سوشلسٹ ملکوں میں مزدوروں
اور کسانوں کے ساتھ سلوک

کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے، جبکہ اسلام کا معاشی نظام مزدوروں اور کسانوں کو ایک مقدس و حلال رزق کا سبب تصور کر کے معاشرے میں اس کا احترام پیدا کرتا ہے۔ لیکن اشتراکیوں نے اجتماعی اور قومی مصالح کے نام پر مزدوروں پر ایسی قیود و پابندیاں اور سختیاں عائد کر دیں کہ بیچارے مزدور انسانیت کے مقام سے گر کر کوہو کے پیل بنا دیے گئے۔ ان کی قوت سے بڑھ کر کام لینا، احتجاج کرنے کے حق سے محروم کرنا اور ان کی عورتوں اور بچوں تک سے مشقت لینا اور اس کے بدلے روٹی کے چند ٹکڑے اور موٹا کپڑا اور رہائشی کیمپ میں تنگ سی جگہ دینا کہ جہاں غسل خانے تک مشترکہ ہیں جن میں لمبی لمبی قطاروں میں کھڑا ہونا پڑے۔ پھر بھی خواہش نہانے کی آزادی تک میسر نہیں۔ اشتراکیت کی بدولت بیچارے مزدوروں کے حصہ

میں یہی عنایتیں ہیں اور بس۔ اور افسوس یہ ہے کہ ان عنایات کے خلاف جو کسان
و مزدور آواز بلند کرے اور اسے باغی قرار دے کر چند منٹوں میں گولی سے اڑا دیا
جاتا ہے۔

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی

بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

اگر ان حقائق کا ملاحظہ کرنا ہو تو چین اور روس کا غیر سرکاری طور پر دورہ کر کے دیکھیں۔
جو سرکاری مہمان وہاں جاتے ہیں، وہ وہاں کی حکومت کے مطابق ہی وہاں کا جائزہ
لیتے ہیں جن میں مصنوعی طور پر سب کو خوشحال ظاہر کر کے دکھایا جاتا ہے جیسے مشرقی پکستان
کے سانچے میں ہمارے فوجی قیدی جب ہندوستان کی قید میں تھے، تو وہاں کی حکومت ان
کے بیانات ریڈیو سے نشر کراتی کہ ہمیں یہاں بڑے آرام سے رکھا جاتا ہے۔ ہمیں کسی
طرح کی کوئی تکلیف نہیں ہے، ہم ایسے رستے میں جیسے گھم میں ہوں حالانکہ واپسی کے
بعد انہوں نے اپنے ساتھ حکومت انڈیا کے کئے سلوک کی جو داستانیں سنائیں، اس
سے سننے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

محنت کشوں کے متعلق اسلام کی روح پرورداریات | اس کے برعکس
محنت کشوں

اور مزدور کے ساتھ اسلام جو مشفقانہ سلوک روا رکھنے کے احکام صادر فرماتا ہے،
ان سے ایک عام مزدور صنعت کار اور مالک و ادارہ کے برابر کے ساتھ برابر
عزت و وقار کا حقدار ٹھہرتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

عزت معرور فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ذر سے رندہ کے مقام پر ملا تو میں نے

دیکھا کہ انہوں نے ایک ازار اور چادر زیب تن فرما رکھی تھی اور ان کے غلام نے بھی اس
طن کا لباس پہن رکھا تھا (آقا اور غلام کے لباس میں کوئی فرق نہ تھا) تو میں نے نہت

ابو ذر سے اس کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے غلام کو سخت کلمہ کہہ دیا رکالی عورت کے بیٹے کہہ کر پکارا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابو ذر! تم نے اسے ماں (کے کالے رنگ) کی عار دلائی ہے تم میں ابھی جاہلیت کا اثر باقی ہے۔ پھر فرمایا:

اخوانکم خوکم جعلہم اللہ
تحت ایدیکم فمن کان احوہ
تحت یدہ فلیطعمہ ما یأکل
ولیسہ ما یلبس ولا تکتوہم
ما یغلبہم فانکفتموہم
فی عینوہم۔

یعنی تمہارے ماتحت کام کرنے والے
تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں
تمہارا ماتحت بنا دیا ہے تو جس کا بھائی اس
کے ماتحت کام کرتا ہے، اسے وہی کھلانے
جو خود کھائے اور وہی پہنائے جو خود
پینے۔ انہیں ان کی طاقت سے زیادہ کام

رصحیح البخاری ج ۱ ص ۱ طبع دہلی
نہ بتاؤ اور اگر بتاؤ تو ان کی امداد و اعانت کرو
یہ ہدایت مبارکہ معاشرہ میں مزدور کو ایک باوقار مقام عطا کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے
ہنما اصول بھی پیش کرتی ہے جنہیں عمل میں لانے سے وہ تمام مناسد اور غریباں یکسر
ختم ہو جاتی ہیں جو آج معاشرتی بے چینی کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ یہ وہ اصول ہیں جنہیں محدثین
وائمہ اسلام نے اس حدیث سے اخذ کیے ہیں؛ چنانچہ امام بدرالدین عینی عمدۃ القاری میں
فرماتے ہیں: (بخوف طوالت عربی کے بجائے اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے)
اسلام کے نظام معیشت و معاشرت سے متعلق اہم ہدایات و اصول:

اول۔ یہ کہ اپنے ماتحت کو ایسا کلمہ کہنا ممنوع جس سے اس کی عزت انسانی میں
فرق آتا ہو اور ایسی بات بھی کرنا منع ہے جس سے ایک کی برتری کے ساتھ دوسرے کی
تحقیر لازم آتی ہے، بلکہ اس کے برعکس ماتحت کے ساتھ احسان و شفقت سے بھرپور تہاؤ
کیا جائے۔ پھر عبد کا ایک وسیع مفہوم ہے (ماتحت) خواہ وہ مزدور ہو یا خادم و نوکر اور

کمزور و ضعیف ہو اور اس کی طرح جاوڑوں کو بھی برابر بنانا اور ان کی طاقت سے زائد
یو جھلا دنا منع ہے۔

دوم: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اس انداز سے اپنا ترقی ملو برتری نہ خٹکائے
کہ اس سے دوسرے کی تذلیل و تحقیر لازم آتی ہو۔ اگرچہ وہ غلام، نوکر اور مزدوری کیوں نہ ہو کہ برتری
کی بنا کارخانہ داری یا صنعت کاری و زمینداری نہیں بلکہ تسمی و پیریزیکاری ہے اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ کہ میرے نزدیک وہی اچھا ہے جس کا عمل اچھا ہو
سوم: یہ امر بھی لائق تحسین و ثواب اور از جملہ آداب ست کمالک و پورہ
کھانا پینا بھی کسوں ہو، جب کھانے اور پینے میں یکسانیت اسلام کے نزدیک محبوب
مردوب ہے، تو رہائش و سکونت میں کیوں نہ ہوگی، لہذا اسلامی آداب اخلاق عالیہ کا
تقاضا ہے کہ رہنے کی سہولت بھی یکساں ہو۔ آج کے غیر عادلانہ سرمایہ دارانہ اور
سوشلسٹ و اشتراکیت کے سپہانہ نظام میں جو معاشی و رہائشی تفاوت ہے، اسے اسلام
پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا کہ کوئی تو اعلیٰ و عمدہ اور ایک ایک مربع کے ایرکنڈیشنڈ
بنگلوں اور فلیٹوں کا ہوں سے لطف اندوز ہوں اور ان کے علاوہ انہیں گھر کے باہر فائز
بھی بے پناہ ہولتیں میسر ہوں اور کسی کو تنگ و تاریک کمرے بھی مشکل سے حاصل ہوں
اور نہ ہی انہیں برقی پنکھوں سے پسینہ سکھانے کی سہولت میسر ہو (حدیث میں ہے کہ
جو شخص رہائش کے لیے ضرورت سے زائد زمین گھیرے گا، قیامت کے روز وہ اس
سر پر رکھی جائے گی)

چہارم: انہیں طاقت سے زائد کام نہ بتایا جائے اور نہ ہی ان سے
اس قدر تسلسل سے کام لیا جائے کہ وہ تھک کر پور پور ہو جائیں۔

لَا تَنْهَى لِلتَّحْوِيمِ بِالْاِحْلَافِ کہ حدیث میں وارد ممانعت بالاتفاق تحویم کے لیے

پنجم ، اگر انہیں طاقت سے زاید یا تمکد دینے والے تسلسل کے ساتھ کام
 ناز تو ان کی جسمانی یا مزید مالی یا دونوں قسم کی امداد کرو۔ (گویا دفتری اوقات میں اگر
 مسترد سے زیادہ کام بتاؤ تو اپنے یا دوسرے معاونین کے ذریعے سے اور اور نام
 کی صورت میں مالی لحاظ سے ان کی مزید امداد کرو جو معمول سے زاید ہو تو بہتر ہے ورنہ کسی
 صورت میں کم نہ ہو۔

ششم : سرمایہ دار اپنے نوکر مزدور اور خادم کو اپنا بھائی سمجھے اور ایک
 بھائی کے دوسرے بھائی کے ساتھ کا سا سلوک کرے وغیرہ وغیرہ۔

(ملاحظہ ہو عمدة القاری شرح بحاری ج ۱ ص ۲۰۸-۲۰۹)

اسلام کے معاشی نظام کی یہ ہدایت سنہری حروف سے لکھ لینے کے قابل ہے
 کہ لَا تُكَلِّفُواهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَآعْيَنُوهُمْ، یعنی کارکنوں
 کو ان کی طاقت سے زائد کام نہ بتاؤ اگر بتاؤ تو ان کی امداد کرنا ضروری ہے۔ گویا پیداوار
 بڑھانے کے شوق میں کارکن اور محنت کش کے کام و محنت میں اضافہ کرنے کی اجازت
 نہیں ہے۔ ہاں اگر ایسا کرنا ہے تو اس کی رضا اور رغبت سے کرو اور اسے مزید مالی اعانت
 سے خوش کرو۔

امام ابن ماجہ اپنی سنن میں

حضرت ابن عمر امام ابو یعلیٰ

محنت کش کی مزدوری جلدی ادا کرو

اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ امام طبرانی اپنی اوسط میں حضرت جابر اور امام حکیم ترمذی
 نوادر میں حضرت انس سے راوی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
 أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ
 يَجْتَنِعَ عَرْقَةً۔ (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۵۴) پینے کے خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔
 مطلب یہ ہے کہ محنت کش کو اس کے کام سے فارغ ہونے کے بعد بلا تاخیر معاوضہ

ادا کرو۔ خواہ اسے پسینہ آیا ہی نہ ہو یا آنے کے بعد ابھی تک خشک نہ ہو (سراج منیر و
حاشیہ شیخ الاسلام الحنفی ج ۲۲۳) اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ روزِ قیامت میں اس
شخص کا دشمن ہوں گا جس نے مزدور سے کام لیا ہو اور اس کی اجرت نہ دی۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۳ کتاب الاجازة عن ابی ہریرة)

ان تمام نصوص میں بلاناخیز حقوق العباد کی ادائیگی کا درس ہے، بلکہ ان محنت کشوں
کی ہر ممکن طریقے سے دل جوئی اور حوصلہ افزائی کا سبق ہے جن پر پیداوار کے اضافے کا
دار و مدار ہے۔ ظاہر ہے کہ محنت کش خوش ہوں گے، تو دل جمعی اور دل چسپی سے کام بھی
کریں گے۔

قرآن کریم کے ارشاد یَسْتَلُونكَ
مَاذَا يَنْفَعُهُمْ قُلِ الْعَفْوَ

مزدوروں کا منافع میں حصہ

کیا خرچ کریں فرما دیجئے اپنے مالوں کے فاضل حصہ کو۔

اگر آیت مذکورہ کے منسوخ ہونے کا شبہ ہو جیسا کہ بعض مفسرین
لکھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبیؐ کی یہ آیت

ازالہ شبہ

منسوخ نہیں ہے۔ آیت زکوٰۃ اس کے لیے ناسخ نہیں، بلکہ آیت زکوٰۃ کا صدقہ واجبیت
تعلق ہے اور اس آیت کا صدقہ نافذ سے۔ امام ابن جریر تفسیر طبری میں فرماتے ہیں:
بَلْ مُصَيَّبَةٌ اَلْحُكْمِ غَيْرُ مَنْسُوخَةٍ (ج ۲ ص ۱۵۱) یعنی اس آیت کا حکم باقی
ہے، منسوخ نہیں ہے۔

اس آیت کو مزدوروں کے لیے صنعت کے منافع میں حصہ کی دلیل بھی قرار دیا جاتا

ہے۔ یہ صورت قرآن کریم میں وارد جامع الفاظ اپنی معنوی وسعتوں کے اعتبار سے
اس نئی تعبیر کے بھی متحمل ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ آج کے حالات چونکہ پہلے سے ہی خدا
علیم وخبیر کے علم میں تھے اور اس لئے علوم بھلا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں

محنت کشوں کے مسائل پیدا ہوں گے اور اسلام ایک ہمہ گیر اور ابدی دین ہے تو مسلمان محنت کش اسلام سے راہبری کے طلب گار ہوں گے، لہذا اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ و عشر کے حکم کو اپنے ارشاد و التواذکوٰۃ اور والتواحتد؛ یوم حصادہ میں علیحدہ علیحدہ بیان فرما کر العفو کی شق بھی رکھ دی اور العفو کا ذکر قرآن میں صحابہ کرام کے ایک سوال کے جواب میں وارد ہوا۔ النفاق فی سبیل اللہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ واجب و ضروری کہ اس کے ترک پر گناہ و عذاب کا مستوجب ہو۔ یہ زکوٰۃ و عشر پر صادق آتا ہے۔ دوسرا مستحب کہ اس کے ترک پر گناہ و عذاب کا موجب تو نہیں لیکن وہ باہمی تعاون و ہمدردی و اخوت اور اخلاقی قدروں کی علامت و عظمت و شرافت انسانی کی نشانی ضرور ہے اور العفو اسی سے عبارت ہے جہاں تک النفاق واجب یعنی زکوٰۃ و عشر کا تعلق ہے اس کے لیے اموال بھی متعین ہیں اور نصاب بھی؛ لہذا یہ بات واضح ہے کہ صحابہ کرام کا ما اذا بینفسود سے النفاق کے بارے میں سوال النفاق واجب کے علاوہ کسی اور النفاق سے متعلق ہوگا اور وہ النفاق مستحب ہے، یعنی باہمی تعاون و ہمدردی کی بنیاد پر رضا کارانہ ایثار جو انسانی قدروں کی ترقی کا ذریعہ ہے اور وسعت ظہن کا ثبوت بھی جو شرافت انسانی کا ایک لازمہ ہے اور مزدوروں کے لیے بونس وغیرہ کی بنیاد اسی حقیقت پر مبنی ہے جو العفو میں مضمر ہے۔ علاوہ ان کے سرمایہ دار اور محنت کش کے درمیان جو کھرا رہ و تعلق ہے کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے مستغنی نہیں۔ اس کی اہمیت بھی اس بات کی منتضیٰ ہے کہ سرمایہ دار مقررہ تنخواہ اور مزدوری کے علاوہ بھی مزدور و اجیر کے ساتھ وقتاً فوقتاً احسان و رواداری کا برتاؤ کرتا رہے جو پیداوار و منافع میں سے کچھ بھی یا سالانہ بونس کی صورت میں ادا کیا جائے جسے اسلامی معیشت میں ایک کریمانہ اور فیاضانہ معاونت باہمی سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مزدور میں ایک مزدور کی حیثیت سے بڑھ کر

سرمایہ دار کے حق میں ایک ہمدرد کارکن ہونے کا جذبہ پیدا ہوگا اور یہی جذبہ اسے دیانت و محنت پر مزید ابھارے گا اور محنت ہی پیداوار میں ترقی اور اضافے کا باعث ہے۔

بے محنت پیسہ کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شرر تپشہ سے بے خانہ قراد

زمیندار اور کسان کا مسئلہ | اسی طرح اسلام کے نظام معیشت نے کسانوں کو وہ مقام بخشا ہے جس کی

مثال اسلام کے سوا دنیا کے کسی ازم میں نہیں ملے گی۔ زراعت و کھیتی باڑی سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشاداتِ عالیہ دلیل کے طور پر کافی ہیں جو گزشتہ سطور میں مذکور ہوئے۔

کاشتکار اور زمیندار کا صحیح مقام | ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ کسان و مزارع و زمیندار کو ہرگز

کر کے زمین آباد کرتا ہے اور زراعت کی مدد سے ملک کی معیشت کے استحکام میں مدد دیتا ہے۔ اس کا جائز مقام نہیں ملا۔ اسلامی معاشرے میں وہ صدائے ابدی و تائید کی مستحق ہے۔ کیونکہ پوری قوم بلکہ بڑے بڑے بادشاہ تک بھی اس کی کمانی کھتے ہیں۔

اس کے لغمت خانے کی سرچین ہے، مانی مونی

دینے والا کون ہے؟ مرد عزیز بے نوا

کاشتکار اور زمیندار کے درمیان جو حاکم و محکوم کا غیر عادلانہ سلسلہ قائم ہے۔ اسلام کے نظام معیشت میں وہ سراسر غلط اور ظلم و زیادتی ہے۔ کیونکہ اس میں زمیندار ایک آقا و حاکم اور کاشتکار ایک غلام و محکوم نظر آتا ہے۔

لیکن اسلام کاشتکاروں
پر کس قدر احسان ہے

زمیندار اور کاشت کار برابر کے کاروباری ہیں

کہ اس نے زمیندار اور کاشتکار کے درمیان ایک ایسا مقدس اور پروقا تصور قائم کیا، جس کی رو سے زمیندار و کاشتکار برابر کے کاروباری تصور ہوتے ہیں، کسی کو ایک دوسرے پر برتری حاصل نہیں ہے، کیونکہ صاحب زمین اگر مستاجر منہ ہے، تو دوسرا مستاجر ہے۔ یعنی مستاجر منہ اور مستاجر ہیں حاکم و محکوم کا کوئی تصور نہیں، بلکہ دونوں کی برابر کی رضامندی سے معاملہ طے پاتا ہے اور اگر بٹائی کی صورت ہے، تو ایک طرف سے زمین ہے، تو دوسری طرف سے بیج و وسائل کاشت اور محنت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ زمیندار حاکم و آقا اور کاشتکار محکوم و غلام ہو، چنانچہ ملک العلماء بدائع میں فرماتے ہیں:

لَا تَزْرَعُ الْمَزْرَعَةَ فَفِيهَا الْإِجَارَةُ
وَالشَّرِكَةُ تَتَعَقَّدُ إِجَارَةً شَمًّا
تَتِمُّ شَرِكَةُ

یعنی اس لیے کہ مزارعت میں اجارہ اور
شرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔ یہ
ابتداءً معاملہ میں اجارہ اور نتیجہ میں شرکت
بن جاتی ہے۔

(ج ۶ ص ۱۷۷)

اور اسی طرح مجمع الانہر شرح ملتقى الأبحر میں ہے (ملاحظہ ہو، ج ۲ ص ۲۹۹
طبع مصر) اور امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

وَكَذَلِكَ الْأَرْضُ عِنْدِي
هِيَ بِمَنْزِلَةِ مَالِ الْمُضَارِبَةِ

یعنی جیسے مضاربت درست ہے کہ
ایک طرف سے مال اور دوسری طرف
سے محنت اور نفع میں دونوں شریک۔

(ص ۸۷)

اسی طرح میرے نزدیک زمین بھی مال مضاربت کے بمنزلے ہے۔

یعنی ایک صاحب زمین اور دوسرا مستاجر اور دونوں نفع میں شریک ہیں، خواہ مزارعت
کا معاملہ ہو یا اجارہ کا ہدایہ شریف میں ہے:

فَيَجُوزُ إِعْتِبَارًا بِالْمُضَارَبَةِ - (ج ۱ ص ۴۲۲)
 کہ مزارعت مضاربت کے اعتبار سے جائز ہے۔

اسی طرح نسائی شریف میں ہے:

كَانَ مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ سَيُورِينَ
 يَقُولُ الْأَرْضَ عِنْدِي مِثْلُ
 مَالِ الْمُضَارَبَةِ فَمَا صَلَحَ فِي
 مَالِ الْمُضَارَبَةِ صَلَحَ فِي الْأَرْضِ
 وَمَا لَمْ يَصْلَحْ فِي مَالِ الْمُضَارَبَةِ
 لَمْ يَصْلَحْ فِي الْأَرْضِ -

امام محمد ابن سیرین فرماتے تھے کہ میرے
 نزدیک زمین مال مضاربت کی طرح ہے
 تو جس کی مال مضاربت میں گنجائش ہے
 اس کی زمین میں گنجائش ہے اور جو مال مضاربت
 میں جائز نہیں وہ زمین میں جائز
 نہیں۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۷)

یعنی زمین کا معاملہ لگان اور بٹائی میں مضاربت کے مال کی طرح ہے اور مضاربت
 باہمی تعاون و شراکت پر مبنی ہے جس میں فریقین کو مساوی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔
 ان میں حاکم و محکوم اور آقا و غلام کا کوئی تصور نہیں ہوتا، لہذا زمیندار کے لیے سرگز جائز
 نہیں کہ وہ کاشتکار سے زمین معلوم کی کاشتکاری کے علاوہ دوسری خدمات بااجرت
 یہ عین ظلم ہے جسے اسلام کا نظام عدل سرگز برداشت نہیں کرتا ہے
 میں کہ میری نوا میں ہے آتشِ فتنہ کا چراغ
 میری تمام سرگزشت کھوئے ہوئی کی بستری

مزارعت یعنی زمین
 کو بٹائی پر دینے

مضارعت میں وارد متعارض حدیثوں میں تطبیق

کے بارے میں جو متعارض احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ نعت
 کی حدیثیں ان صورت پر ممول ہیں کہ متعاقدین زمین کے حصے کر لیں کہ اس طرف کی پیداوار

نملاں کے لیے اور دوسری طرف ک فلماں کے لیے چنانچہ اس کی تائید میں صحیح بخاری کی حدیث شریف پیش خدمت ہے۔ حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں:

كَثُرَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ
 حَقْدًا كَأَن أُحْدِنَا يَكْرِتُ
 رَضَهُ فَيَقُولُ هَذِهِ الْقِطْعَةُ
 لِي وَهَذِهِ لَكَ فَرُبَّمَا أَخْرَجْتُ
 زَهْرًا وَلَمْ تُخْرِجْ زَهْرًا فَشَتَّاهُمْ
 النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -
 (رج ۱ ص ۳۱۳)

یعنی ہمارے ہاں اکثر اہل مدینہ کاشت کرتے تھے اور ہم میں سے کچھ لوگ اپنی زمینیں کرائے پر دیتے اور کہتے کہ یہ ٹکڑا میرا ہے اور یہ تیرا پس کبھی اس ٹکڑے میں پیداوار ہوتی اور کبھی اس میں، لہذا بنی اکرم سلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ سے مزارعت کرنے کو منع فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ زمین بٹائی پر دینا بلاشبہ جائز ہے اور اس میں زمیندار و کاشتکار برابر کے معاہدہ دار ہیں اس میں حاکمیت و حکومت کے تصور کو اسلام برداشت نہیں کرتا۔ نیز اگر زمیندار کاشتکار کو رہائشی جگہ اور مکان دیتا ہے تو محض اس کی وجہ سے اسے کاشت کار کو اپنا غلام بنانا جائز نہیں۔ اگر چاہے تو وہ اس جگہ کا مناسب کرایہ لے سکتا ہے۔ ورنہ یہ کاشت کار کے ساتھ باہمی رواداری اور ہمدردی پر مبنی مراعات تصور ہوگی اس سے اس کو اپنا خدمت گار یا غلام نہیں بنا سکتا ہے

کہہ رہا ہے داستاں بے وردی اتیام کی

کوہ کے دامن میں وہ غم خانہ دہقان پیر

ملکی زراعت کی ترقی کے لیے وسائل آبپاشی میں ترقی و توسیع

آبپاشی

بھی ضروری ہے۔ اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام میں اسے بھی اہمیت حاصل ہے، اس لیے اسلام نے اس کے حسب ذیل ضوابط و قواعد مقرر کیے ہیں:

۱۔ تالاب، کنوئیں، جوہڑ اور چشمے اگر کسی خاص شخص کی ملکیت میں نہیں ہیں، تو ان میں سے پبلک کے تمام افسراد و مقدار و نفع اٹھانے کے مجاز ہیں۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں مذکور حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ کے پانی پینے کے واقعہ سے عیاں ہے۔
سورہ شعراء کو ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث میں ہے انہیں
صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد

مسلمان تین چیزوں میں برابر شریک ہیں

فرماتے ہیں :

الْحَمَاءُ وَالْمَاءُ وَالنَّارُ أَحَدًا
كُلُّهُمْ شَرِكٌ فِيهِ
کہ تمام مسلمان تین چیزوں یعنی پانی
لہے سس اور آگ میں برابر کے
شریک ہیں۔

امام شمس الائمۃ البسوطی میں فرماتے ہیں (بذاتِ عیون سرت ترجمہ و باجائزہ)
کہ دوسری روایت میں ہے آپ فرماتے ہیں :

الناس شرکاء فی ثلاث تمام لوگ ان تینوں چیزوں میں برابر کے
حصہ دار ہیں اور یہ پہلی روایت ابو داؤد کی روایت سے عام ہے کہ اس
میں تمام انسانوں کی شرکت کا اعلان ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر اور پانی کے
بارے میں یہ شرکت وادیوں، دریاؤں (یعنی خود رو پانی) سے متعلق ہے۔
جیسے دریائے سیحون، جیحون، دجلہ، فرات، نیل اور پنجاب میں پانچوں
دریا اور نہریں، اس لیے کہ ان سے فائدہ اٹھانا ایسا ہے جیسے دریا
کی دھوپ اور جوات سے فائدہ حاصل کرنا کہ اس میں تمام کائنات انسانی برابر
کے شریک ہیں کسی کو حق نہیں کہ دوسرے کو روک سکے، اس کی مثال شاریت
عام کی ہی ہے کہ اس پر مسلمان و کافر سب کو پینے کا حق ہے اور لفظ شرکت

(دار و حدیث) سے اصل اجاحت اور انتفاع میں تمام انسانوں کا مساوی

ہونا مراد ہے۔ یہ مراد نہیں کہ وہ ان کی ملکیت ہے کہ وادیوں اور دریاؤں

میں موجود پانی کسی کی ملکیت نہیں۔ (المبسوط ج ۱ ص ۱۶۷)

یہ آبپاشی کا حق تھا، البتہ شخصی کنوؤں، حوضوں اور تلابوں و چشموں میں پانی پینے

اور جانوروں کو پلانے کا ہر ایک کو حق ہے۔ مالک اس پانی کو پینے کے لیے فروخت نہیں

کر سکتا، البتہ برتنوں میں بھرا ہوا پانی فروخت کر سکتے ہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ الْمَاءِ إِذَا كَانَ

فِي الْأَوْعِيَةِ (کتاب الخراج ص ۵۵) کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اور اگر ایک شخص کے پاس پانی ہے اور دوسرے کو اس قدر پیاس ہے کہ خطرہ جان

تک نوبت پہنچ رہی ہے اور قوت خرید بھی نہیں اور پانی کا مالک معاوضہ کے بغیر پینے کی اجازت

نہیں دیتا، تو اس کی اجازت کے بغیر ہی جیسے ہو سکے پانی لے کر پیاس بجھائے۔ کتاب الخراج

میں ہے:

إِذَا كَانَ يَكُونُ حَالٌ صَدُورَةٌ يَخَافُ

عَلَى نَفْسِهِ (ص ۵۶) کہ خطرہ جان کی حالت میں بلا اجازت

پانی لے۔

اسی سے واضح ہو گیا کہ معاشیات نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں انسانی زندگی کے

تحفظ کا مسدہ درپیش ہو، تو اس کے مقابلہ میں ذاتی ملکیت کو ترجیح نہیں دی جاتی۔ یہ پانی تک

ہی محدود نہیں، اس حکم میں دیگر ضروریات زندگی بھی شامل ہیں جن پر انسانی زندگی کے بقا کا

دار و مدار ہے۔ زبردستی لے کر جان بچانے کا علاج تو آخری علاج ہے اور یہ ان

سے بڑھا جاتا ہے جو سرمایہ دولت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلے میں انسانی زندگی

کی قدروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ لیکن اسلام و ایمان کے تقاضوں سے مہرہ و مسلمان

یہاں تک نوبت پہنچنے ہی نہیں دیتے، بلکہ وہ اس کے برعکس اپنے ایشاء و خدمت خلق

کے عمل جذبہ سے معاشرہ میں یک رنگی پیدا کیے بغیر نہیں رہتے سے
 باعناں ہو سبق آموز جو یک رنگی کا
 ہمزباں ہو کے ہیں کیوں نہ طیور گلزار
 دے وہی جام ہمیں کہ مناسب ہے یہی
 تو بھی سرشار ہو تیرے مفا بھی شرار

فالتو پانی بیچنے والا روز قیامت خدا کے فضل سے محروم ہوگا | اور بہتر یہ ہے کہ جس کے پاس

فالتو پانی ہو تو وہ آبپاشی کے لیے دوسروں کو مفت میں دے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام نے ان کو خط لکھا کہ میں نے آپ کی زمینوں کی سیرابی کے بعد باقی پانی کو تیس ہزار درہم میں فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب آپ کی اجازت مطلوب ہے آپ نے جواب دیا کہ میں نے تمہارا مطلب سمجھ لیا لیکن میرے پیش نظر وہ حدیث ہے جس میں ضرورت سے زیادہ پانی اور گھاس کو روکنے اور دوسرے کو فائدہ نہ پہنچانے والے شخص کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ناراضگی کا ذکر ہے

کہ ایسا شخص روز قیامت خدا کے فضل سے محروم ہوگا، تو جب تیرے پاس میرا پانی پہنچے تو اس پانی کو پل کرتے ہوئے پیئے اپنے غلوں کھیتوں اور زمینوں کو یہ اب کرو اور جو فالتو پانی ہو اسے بیچنے کے بجائے اپنے اس پڑوسی کو دو جو تمہارا سب سے زیادہ قریب ہو پھر اسے دو

مَنْعَنَا اللَّهُ فَضْلَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 فَإِذَا جَاءَكَ كِتَابِي هَذَا فَاسْقِ
 نَخْلَكَ وَزُرْعَكَ وَأَصْلَكَ وَمَا
 فَضَلَ فَاسْقِ جِيرَانِكَ الْأَقْرَبَ
 فَأَلْأَقْرَبَ -

(کتاب الخراج ص ۹۶)

اس کے بعد قریب ہو۔

البتہ اگر پانی والے کا کچھ خرچ ہو جو فالتو پانی لینے والے سے مناسب اور کم از کم جو خرچ ہو اسے لے سکتا ہے، لیکن پیداوار کا نصف لینا دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کے

متادون ہے، جو جذبہ ایشار و اخلاق عالیہ و مدردی کے منافی ہے۔

آبپاشی کی نہریں اور سرکاری ذرائع آبپاشی صرف مصالح عامہ
آبیانہ اور معاشی وسائل کی ترقی کے لیے ہیں، حکومت کو اجازت نہیں

کہ وہ انہیں آمدنی میں اضافہ کا ذریعہ بنائے۔ اگر حکومت کا بیت المال (خزانہ) اس قدر
 متحمل ہے کہ ان نہروں اور ٹیوب ویلوں کی حفاظت اور بقا کے لیے عملہ و ضروریات کا بوجھ
 اٹھا سکتا ہے، تو عوام سے آبیانہ یعنی پانی کی قیمت وصول کرنے کی اسلام کا نظام معیشت
 اجازت نہیں دیتا اور اگر بوجھ نہ اٹھا سکتا ہو تو اس قدر قلیل آبیانہ لیا جاسکتا ہے جس
 سے ان نہروں کی اور ٹیوب ویلوں کی حفاظت و بقا کے انتظامات ہو سکیں اور جہاں عوام کو
 نہروں کی ضرورت ہو وہاں سربراہ مسلمین کے لیے ضروری ہے کہ نہریں کھدوائے اور اس کا
 خرچہ عوام کے نہیں، بیت المال کے ذمہ ہوگا۔ ہاں اگر بیت المال میں اس قدر سرمایہ نہیں کہ
 نہر کی کھدوائی کو کافی ہو سکے، تو بقدر ضرورت دولت مندوں سے لے سکتا ہے، چنانچہ
 کتاب المبسوط میں ہے:

وان لم یکن فی بیت المال
 فله ان یجبر المسلمین علی
 ذالک ویخرجہم لان المنفعة
 فیہ للعامۃ ففی ترکہ ضرر عام
 اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو تو حکومت
 اسلامیہ کا سربراہ دولت مند مسلمانوں
 کو مجبور کر کے ان سے مالی امداد لے سکتا
 ہے، کیونکہ اس میں سب کا فائدہ ہے اور
 اس کے ترک میں سب کا نقصان۔

اسلام کے نظام معیشت پر صرف گیری کرنے والے ذرا غور فرمائیں کہ اس میں عوام پر
 ٹیکس عائد کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں جب تک کہ ملکی خزانہ اخراجات کا متحمل
 ہے، اس میں ٹیکس عائد کرنے کو مشغلہ بنانے کی اجازت نہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر اس
 نئے ہم کی بہتری اور برتری کسی کو نظر آئے، تو اس کے سوا کیا عرض کیا جاسکتا ہے

میں نے تو کیا پردہ اسرار کو بھی چاک
دیرینہ ہے تیرا مرض کورنگا ہی

خداوند قدوس اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے :
سُود کا خاتمہ (ترجمہ) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (اپنی قبروں سے)

ایسے اٹھیں گے جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے
چھو کر باؤلا کر دیا۔ یہ اس لیے ہے کہ انہوں (سود خوروں) نے کہا کہ

بیع سود کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے
تو جسے خدا کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ رائدہ کے لیے سود سے تائب ہو کر

باز آ گیا تو گزر چکا، اسے معاف ہے اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے
اور جو پھر ایسا کریں وہ دوزخی ہیں، وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ سود

(میں بے برکتی ڈال کر اس) کو مٹاتا اور صدقات (حلال کفالتی) کو بڑھاتا
ہے اور ناشکرے گنہگار کو خدا پسند نہیں کرتا۔ (التقآن) دوسرا ارشاد ہے:

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا کسی کے پاس، سود
رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم مسلمان ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو تمہیں اپنا

اعلان جنگ سناتے ہیں! خدا اور رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور
اگر تو بہ کرو تو تمہیں تمہارا اصل مال (مقروض سے) ملے گا نہ تمہارے دوسرے عہد

کرو اور نہ ہی کوئی دوسرا تم پر ظلم کرے۔ (التقآن)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ترتیباً، سود لینے دینے، سود کا گناہ لکھنے اور اس پر کواہ ہونے والے پر
لعنت اور فرمایا کہ یہ سب کے سب گناہ ہیں برابر ہیں اور ہر مسو

ابن ماجہ اور بیہقی شریف میں مروی ہے:

ترجمہ، سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں، ان میں سب سے کم درجہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔

اسی طرح ابن ماجہ اور مسند امام احمد بن حنبل میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ترجمہ، معراج کی رات کو کچھ ایسے لوگوں پر سے میرا گزر ہوا جن کے پیٹ مکان کی طرح بڑے بڑے تھے، ان پیٹوں میں زبریلے سانپ اور بچھڑ تھے جو باہر سے نظر آتے تھے، جبرائیل نے بتایا کہ یہ سود خوار ہیں۔

حضرت عبادہ بن نسامت فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سودا برابر برابر فرماتے ہیں:

سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے گیسوں، گیسوں کے ہوتو کئے کھجور، کھجور کے اور نمک نمک کے بدلے میں برابر (بلا کم و بیش) اور دست بدست (ادھار کے بغیر) بیچ سکتے ہو اور جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو، بیچو جبکہ دست بدست ہو۔ (بیچو مسلم شریف)

مجتہدین امت نے اس حدیث صحیح کو جس کی صحت و شہرت درجہ تو اتر تک ہے، تجارتی کاروبار میں ربا (سود) سے متعلق اساس و بنیاد قرار دیا ہے اور اپنے اجتہاد سے ان وجوہ کی تحقیق و تفتیش کی ہے جن کا وجود اس قسم کے معاملات میں حدیث میں بیان کردہ شرائط کی خلاف ورزی سے ربا (سود) کا باعث بنتا ہے۔ اس کی تفصیل عنقریب آتی ہے

رہا یہ سوال کہ قرآن کریم نے تو سود کی اس شکل کو منع کیا ہے جو

انصاف مضاعف سود و سود ہوا، تھوڑے سے سود کی حُرمت

ازالہ شہبہ

کی کوئی دلیل شرعی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ انصاف مضاعف قید واقعی ہے نہ کہ قید اترازی جب

سود کو منع کیا گیا، اس وقت چونکہ اصناف مضاعف سود درہود کی صورت رائج اور وقوع پذیر تھی، اس لیے یہ قید شامل ہو گئی، ورنہ سود بہر صورت ممنوع ہے خواہ سود درہود ہو یا تھوڑا سا ہو، چنانچہ سنت کی روشنی میں واضح ہے، موطا شریف میں ہے:

لَا يَجُوزُ مِنْهُ قَلِيلٌ وَلَا كَثِيرٌ
 موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۰۱

یعنی سود کسی طرح بھی جائز نہیں نہ

تھوڑا اور نہ زیادہ۔

نفع کی شرط سے قرض حرام | نفع کی شرط سے قرض حرام
 قرار پاتا ہے حضرت فضالہ بن عبید اور حضرت

علی رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں آپ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ قَرْضٍ جَرٌّ مَنْفَعَةٌ فَهُوَ وَجِدٌ
 یعنی جس قرض میں قرض دہندہ کے لیے
 من و جود الربوا رہی عن فضالہ
 نفع کی شرط ہو وہ سود ہی کی ایک قسم ہے۔

ج ۲ ص ۲۵ بیوع و جامع صغیر عن علی ج ۲ ص ۹۲

عاجت مندوں کو بلا قرض سود دینا اسلام کے نزدیک
 قرض بلا سود کا ثواب

بہترین عبادت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرض
 دینے والے کو اس وقت تک قرض دی گئی رقم کے برابر روزانہ راہ خدا میں خیرات کرنے کا
 ثواب ملتا رہتا ہے، جب تک کہ متروک قرض واپس نہ کر دے۔

اگر ایک شخص اس قدر مجبور ہے کہ گنہگار کے
 مجبوری کی صورت میں سود دینا
 غیر ملکی قرضے اور سود

بلا سود ملتا ہے تو اس صورت میں وہ قرض لے کر اپنی ضرورت شدیدہ پوری کر سکتا ہے۔
 اسے سود دینے کا گناہ نہ ہوگا، ہاں سود لینے والا مبتلا ہے معصیت ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی
 ملک کی معیشت اس قدر کمزور ہے یا کسی بلا و آفت سے تباہ و برباد ہو گئی ہے کہ وہاں

معیشت کی نظر سے سرگز لائق تحسین نہیں، بلکہ قطعاً غلط اور لائق نفرین ہیں۔ ظاہر ہے کہ دین اسلام جو دینِ فطرت ہے، اس غیر فطری کاروبار کی کیسے اجازت دے سکتا ہے۔ اسلام نے اس لیے سود کو حرام قرار دیا ہے کہ اس کی حرمت ایک فطری تقاضا ہے، اسی میں حیات حقیقی کا راز منسجم ہے۔

دیں مسک زندگی کی تقویم

دیں ستر محمد و براہیم

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ

مسئلہ سود میں ایک بنیادی قاعدہ | کی حدیث مذکور ہے۔ مجتہدین کرام

نے مسئلہ سود میں ایک بنیادی قاعدہ وضابطہ اخذ کیا ہے جسے پیش نظر رکھنے کے بعد غذا ضرورت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ وہ یہ کہ دونوں طرف سے خرید و فروخت کی شئی اگر ہم جنس ہوں اور ماپ تول سے بچتی ہوں، مثلاً سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے، گیہوں گیہوں کے، جو جو کے، نمک نمک کے اور کشمش کشمش کے عوض لی جاتی تو کھوٹے کھوٹے منقوش وغیر منقوش، کم قیمت و بیش قیمت اور عمدہ وردی کے لحاظ کے بغیر دونوں طرف سے ماپ تول میں برابری اور نقد خریداری ضروری ہے نہ کمی بیشی جائز ہے اور نہ ہی ادھار درست ہے۔ اگر ایک چیز زائد اور دوسری چیز کم ہو تو یہ سود ہوگا اور اسے ربا الفنسل کہتے ہیں اور اگر ایک چیز اسی وقت دی جائے اور دوسری کے بعد میں لینے کا وعدہ کیا جائے، تو یہ بھی ناجائز ہے اور اسے ربا النسیئہ (ادھار کا سود) کہتے ہیں۔

ہم جنس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں چیزوں کا نام بھی

ایک ہو اور کام و مقصد بھی ایک تو وہ ایک ہی جنس

ہم جنس کا مطلب

کہلاتی ہیں اور اختلاف جنس، اصل مقصد اور وصف کے اختلاف (مختلف ہونے) سے مستحق ہوتا ہے۔ (الدر المختار مع الشامی ج ۵ ص ۱۸۳)

جیسے گہیوں اور جو، کپڑے کی قسمیں، لوہا، پتیل، تانبا، سلیسہ، اون، ریشم، سوت، گائے، بکری، بھینٹ اور دنبہ کا گوشت اور روغنیاں سب مختلف جنسیں ہیں، لیکن کھجور، ایک جنس ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی ج ۵ ص ۴۱۱)

اگر دو چیزیں غیر جنس ہوں، مگر تولی، مانی جاتی ہوں تو اس صورت میں ایک طرف سے زیادہ اور دوسری طرف سے کم ہو تو جائز ہے، مگر ادھار حرام۔ اسی طرح ایک جنس کپڑے کے ایک تھان کو دوسری جنس کے دو تھان کے عوض بیچا یا گندم کا ایک من دو من جو کے عوض بیچا، تو دست بدست جائز ہے، ادھار پر جائز نہیں اور اگر دو چیزیں مجنس نہیں اور نہ ہی مانی تولی جاتی ہیں (اگرچہ دو میں سے ایک مانی یا تولی جاتی ہے) تو ایسی صورت میں زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں۔ مثلاً ایک طرف سے گندم یا کپڑا اور دوسری طرف سے قیمت کہ یہاں جنس بھی بدل گئی اور قدر بھی زیادہ ہے تو دونوں میں نہیں ایک ہی ہے، تو یہاں زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں کہ ایک طرف سے دو من اور دوسری طرف سے ساٹھ روپے یا ایک طرف سے ایک تھان اور دوسری طرف سے چاس روپے لقمہ اور ادھار دونوں جائز ہیں۔ (کا ہو مفصل و مدلل فی کتب الفقہ)

بگیریاں ہمہ سرمایہ بہار از من

کہ کل بدست تو از شاخ تازہ ترماند

سود سے بچنے کی تدابیر | آج کل سود کی اس قدر کثرت ہے کہ قرض سنہ اوٹوں بلا سود، کوئی شاذ و نادر ہی دیتا ہے۔ لوگ دولت

کی ہوس اور دنیا پرستی میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ نفع کے بغیر قرض دینا ہی نہیں چاہتے اور ضرورت مند بھی اگرچہ اس قدر شرعی بیہوشی میں مبتلا نہیں ہوتے کہ ان کے لیے اس حالت میں ایک حرام جائز ہو جائے، بلکہ لڑکے لڑکی کی شادی ختمہ اور دیگر تقہات میں اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرنا چاہتے ہیں اور برادری و خاندان کے رسوم میں

اس قدر حکم ہوئے ہیں کہ جس قدر نصیحت کی جائے، ایک نہیں سنتے، رسم و رواج میں کمی کرنے کو اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں۔ ایسے مسلمان بھائیوں سے پہلے تو یہ گزارش ہے کہ ان رسوم و تکلفات سے بچیں، چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلائیں، دنیا و آخرت کے تباہ کن نتائج و عذاب سے ڈریں، مصنوعی سی عزت یا برادری میں نام و نمود کا خیال کر کے آخرت کی زندگی کو تلخ نہ بنائیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر باز نہیں آتے، تو انہیں عذاب الہی سے بچانے کی ہمدردی کے پیش نظر ہم کچھ طریقے عرض کرتے ہیں کہ مجبوری کی صورت میں سود لینے دینے کی بجائے اگر ان پر عمل کریں، تو فریقین خدا تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچ سکیں گے اور مطلب بھی پورا ہو جائے گا۔ صرف لین دین کی صورت و نوعیت میں ترمیم و تبدیلی کرنا پڑے گی کہ جواز و عدم جواز لین دین کی نوعیت پر موقوف ہوتا ہے۔

نوعیت کے بدل جانے سے عقد کا حکم بدل جاتا ہے | اس سلسلے میں صحیح مسلم کی دو حدیثیں

دلیل کے طور پر کافی ہیں، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ و ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کو خیبر کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، وہ خیبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اچھی سی کھجوریں لائے، آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہوتی ہیں؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں یا رسول اللہ! ہم بلکہ کھجور کے دو صاع کے بدلے ان کھجوروں کا ایک صاع اور تین صاع کے بدلے دو صاع لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ معمولی کھجوروں کو پیسوں سے بیچ کر اس قسم کی اچھی کھجوریں خرید کرو اور تول کی چیزوں میں بھی ایسا ہی فرمایا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶ طبع کراچی)

اسی طرح حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجوریں لائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہاں سے

لائے ہو؟ عرض کی کہ ہمارے ہاں خراب کھجوریں تھیں، وہ دو صاع دے کر ان کا ایک صاع لیا تاکہ آپ تناول فرمائیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا افسوس یہ تو بالکل سود ہے، ایسا نہ کرنا ہاں اگر ان کے خریدنے کا ارادہ ہو تو اپنی کھجوریں بیچ کر ان کے پیسوں سے یہ خرید کر دو۔ حضرت ابوسعید خدری کی ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

قَدْ دُوِّدُ شَرِّ بَيْعٍ اَشْرَيْنَا وَاشْتَرَيْنَا
 یعنی یہ کھجوریں انہیں واپس کر دو، پھر ہماری
 لَنَا مِنْ هَذَا - رِصِيحِ مُسْلِمٍ ج ۲ ص ۲۷۱
 کھجوریں بیچو اور ہمارے لیے اس قسم کی
 کھجوریں خرید لاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کھجوریں سب ایک جنس ہیں کہ ان میں کمی بیشی پر تبادلہ جائز نہیں۔ ان حدیثوں سے اور بھی کئی ایک معاشی مسائل نکل آئے۔ ایک تو یہ کہ سود کی بیع کا فسخ کرنا واجب ہے کہ رُدُّوْهُ اَمْرٌ ہے اور امر واجب کو مفید۔ دوسرا یہ کہ خریدی ہوئی چیز واپس کرنے پر اس کے مقابلے میں دی ہوئی چیز (دثن) واپس کی جائے گی۔ تیسرا یہ کہ سود سے بچنے کو ایک ہی شخص سے دو بار لین دین کیا جاسکتا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد گرامی میں اس کے خلاف کوئی شرط نہیں فرمائی کما افادہ الامام اللہ دی رحمۃ اللہ علیہ چوتھا یہ کہ عقد کی نوعیت کے بدل جانے سے عقد کا حکم بدل جاتا ہے ان حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ بات وہی ہے کہ عمدہ اور بڑھیا کھجوریں خریدنا چاہتے ہیں، لیکن اپنی معمولی کھجوریں زیادہ دے کر لیتے ہیں، تو سود ہوتا ہے اور اپنی کھجوریں بیچ کر پیسوں سے اچھی کھجوریں خریدیں تو ہائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام قاضی نعمان علیہ الرحمۃ اپنے فتاویٰ شریفہ میں سود سے بچنے کے وہ صورتیں جو ہم نقل کرنے لگے ہیں، بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وَمِثْلُ هَذَا مَرْوِيُّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَاوَى

امام قاضی خان ہاشم فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۱

اور سود سے بچنے کی وہ صورتیں اور تدابیر مندرجہ ذیل ہیں :

سود سے بچنے کی تدبیر | اگر کوئی شخص کسی کو کچھ میعاد کے لیے مثلاً دو روپے نفع پر دس روپے قرض دینا چاہتا ہے، تو مقرض

قرض دینے والا مستقرض قرض لینے والے، سے دس روپے کی کوئی چیز خرید کر اسے دس روپے دے دے، پھر اس چیز کو اپنے قبضہ میں لے لے اور اس چیز کو مستقرض کے ہاتھ طے شدہ میعاد تک اد پارہ بارہ روپے میں بیچ دے۔ اس سے مقرض کے مستقرض کے ذمہ دس روپے کی جگہ بارہ روپے ہو جائیں گے۔ اس میں دو روپے نفع کے ہو گئے اور اس طرح سے سود سے بھی بچ گئے۔

دوسری تدبیر | مقرض اپنی کوئی چیز مثلاً ایک سو دس روپے میں مستقرض کے ہاتھ بیچ کر اس کے قبضہ میں دے دے، پھر مستقرض

اس شے کو کسی اور کے ہاتھ ایک سو روپے میں بیچ کر اس کے قبضہ میں دے دے پھر مقرض اس دوسرے شخص سے اسی چیز کو سو روپے میں خرید لے اور وہ دوسرا شخص مقرض سے سو روپے لے کر مستقرض کو دے دے۔ اس طرح سے مقرض کی چیز اس کے پاس واپس آگئی، مگر مستقرض کے ذمہ مقرض کے ایک سو دس روپے لازم اور واجب الادا رہے (قاضی خان مع عالمگیری ج ۲ ص ۲۶۹)

تیسری تدبیر | مقرض اپنی کوئی چیز مستقرض کے ہاتھ مثلاً تیرہ روپے چھ ماہ کی مدت کے ادھار بیچ دے، پھر اس کے قبضہ

میں دے دے، پھر مستقرض اسی چیز کو کسی دوسرے آدمی کے ہاں بیچ دے، پھر اس دوسرے سے قبل قبضہ بالبعد قبضہ بیع کا اقالہ رکے اس چیز کو مقرض کے ہاتھ دس روپے میں بیچ کر اس سے دس روپے لے لے، اس سے مقرض کی چیز بھی واپس آگئی اور اسے تین روپے نفع کے مل گئے اور مستقرض کا کام بھی ہو گیا، سود بھی نہ ہوا، لیکن افسوس کہ مسلمان دین فطر کی ایسی تدابیر سے غافل رہ کر سود ایسی لعنت میں مبتلا ہیں۔

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بناتو
دیکھے نہ تیری آنکھ نے فطرت کے اشارت

ایک اور تدبیر ہے جس کو اختیار کر کے حصول مقصد کے باوجود
پونجی تدبیر | سود سے بچا جاسکتا ہے، وہ یہ کہ مقرض اپنی کوئی چیز مستقرض

کے ہاتھ ایک مدت کے لیے ادھار پر بیچ دے اور اس کے قبضہ میں دے دے پھر
اسی چیز کو مستقرض خرید کر وہ قیمت سے کم قیمت پر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ دے
اور وہ دوسرا اسی چیز کو خرید کر وہ قیمت پر مقرض کے ہاتھ بیچ دے اور مقرض نے قیمت
لے کر مستقرض کو دے دے، اس طرح سے مستقرض کو قرض مل جاتا ہے اور مقرض کی
چیز مقرض کو واپس مل جاتی ہے اور سود کی معصیت میں پڑے بغیر مقرض کو نفع بھی حاصل
ہو جاتا ہے۔ امام قاضی خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس تدبیر کا امام محمد علیہ الرحمۃ نے
ذکر کیا جسے بیع العینہ کہتے ہیں اور موصوف مشائخ بلخ سے ناقل ہیں۔ انہوں نے فرمایا
بیع العینہ ہمارے زمانے کے بازار میں مروجہ بیوع سے بہتر ہے اور امام ابو یوسف
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

العینۃ جائزۃ ما جردۃ و
قال اجرہ لمان الضار من
الحوام رفتاری قاضی خاں مع
عالمگیری ج ۲ ص ۲۱۷ مصری
کہ بیع العینہ جائز ہے۔ اس کا ثواب
ملے گا اور ثواب اس لیے ملے گا کہ سودیے
حرام سے بچنے کے لیے اسے اختیار
کیا گیا۔

مقرض اپنی چیز کو مستقرض کے ہاتھ بیچے۔ مثلاً مستقرض
کو اگر سو روپے نہ دے سکتا ہے تو اسے سو روپے کی چیز اتنی

قیمت پر جتنا اسے سو روپے پر نفع دے گا، مثلاً سو روپے پر دو سو روپے نفع چاہتا ہو
تو اسے قدرہ مدت تک ادھار پر سو روپے کی چیز ایک سو دو سو روپے میں بیچنے سے بہتر

مستقرن اسے بازار میں ایک سو روپے پر فروخت کر کے اپنے سو روپے کھرے کھنے
 پھر اختتام مدت پر مقرنن کو ایک سو دس روپے ادا کر دے دہا شریعت جہا
 یہ تدبیر فقہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رو سے ہے جیسے امام نووی
 رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

چھٹی تدبیر

وَاحْتِجَ بِهَذَا الْحَدِيثِ اصْحَابُنَا
 دِمَاقُوهُمْ فِي اَنْ مَسْئَلَةَ
 الْعَيْنِ مَا لَيْسَتْ بِحَرَامٍ وَهِيَ الْحِيلَةُ
 الَّتِي يَعْمَلُهَا بَعْضُ النَّاسِ
 تَوَحُّدًا اِلَى مَقْصُودِ الرَّبِّ اَنْ
 يُعْطِيَ مِائَةَ دَرَاهِمٍ بِمِائَتَيْنِ
 فَيُبَيْعُهَا ثَوْبًا بِمِائَتَيْنِ
 ثُمَّ يَشْتَرِيهِ مِنْهُ بِمِائَةٍ
 رِشْرَحِ الْاِمَامِ النُّوَوِيِّ
 عَلَي الصَّبِيحِ الْمَسْلُوحِ ۲ ص ۲۶
 سے ایک سو روپے میں خرید کر لے۔

کہ ہمارے حضرات شوافع اور ان کے
 ہموا علمائے اس حدیث سے اس میں
 استدلال کیا ہے کہ بیع العینہ حرام نہیں
 اور بیع العینہ اس تدبیر کو کہتے ہیں جسے لوگ
 سو سے بچنے کے لیے سو کے مقصود نفع
 تک رسائی کے لیے اختیار کرتے ہیں اس
 کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی ضرورت مند
 کو دو سو روپے کے بدلے ایک سو روپے
 دینا چاہتا ہے تو اس کے ہاتھ دو سو روپے
 میں ایک کپڑا بیچ کر پھر اسی کپڑے کو اس شخص

اسلام نے حرمتِ سود سے متعلق جو اصول قائم کیے ہیں۔ عام سووی لین دین
 کے علاوہ دورِ جدید کے وہ ترقی یافتہ ادارے اور کمپنیاں بھی اس حرمت

بینک

کے تحت آجاتی ہیں جن کا مدار سووی لین دین پر ہے، چنانچہ ان میں سے ایک ادارہ بینکنگ
 سسٹم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بڑی بڑی تجارتوں کی سہولت و نیز دولت کے ذخیرہ کی حفاظت
 اور ان سے مزید زرخشی و حصول نفع کے لیے اس ترقی یافتہ دور میں بینکوں کا وجود نہایت ضروری
 ہے، لیکن غرضنا تصویر میں جو خطرہ کارفرما ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اور وہ یہ کہ ملکی

معیشت کو تباہ و برباد کرنے اور دولت مندوں کو مزید دولت مند اور غریبوں کو مزید غریب بنانے میں ان بینکوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے، اور کر رہے ہیں۔ بینک خوبصورت طریقے سے دولت کو دولت مندوں میں محدود کرتے اور عوام کی غربت کو ہلکا اور تباہ کن حد تک پہنچاتے ہیں۔ تہذیب نو کے اس جہاں کو جو بینک کے نام سے بچھا ہوا ہے۔ دورِ قدیم کی مہاجنی ہنڈیوں کے یو پار کی ایک نئی تصویر قرار دینا بہتر ہوگا۔ بلبر پاروں کی تجوریاں بھرنے اور غریبوں کی تنہا کے خون کرنے کا کردار یہی بینک ادا کر رہے ہیں۔

قصاصِ خونِ تنہا کا مانینگے کس سے؟
گنہ گار ہے کون اور خونِ بہا کیا ہے؟

بینک کے طریقے کی دوسری صورت سے بنے
کو آپریٹو سوسائٹیاں

یہ اگرچہ غریب کاشتکاروں، مزدوروں اور متوسط طبقے کے لوگوں کو قرض دینے کی بنیاد پر چلائی جاتی ہیں، لیکن یہاں بھی چونکہ سود کی لعنت موجود رہتی ہے، اس لیے یہ کاری غریب جس قدر سوسائٹیاں ہیں، غریب قرض خواہوں کے لیے وبالِ جان ہیں اور فی مذہ کی بجائے ان کے لیے باعث نقصان ثابت ہوتی ہیں۔

اس کے برعکس اسلام کا اپنا ایسا
نظامِ مصطفیٰ کا اقتصادی نقشہ

نام کو نہیں ہیں جو بینکوں اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں موجود ہیں۔ اگر ملک کے معاشی نظام کو اس نقشہ کے مطابق چلایا جائے، تو ہیر بینکوں کے موجودہ سسٹم کی کوئی نکتہ و ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور اگر بینک سسٹم کی ضرورت ہی کی ضرورت ہے، تو یہ سسٹم کے قیام کی ایسی شکلیں ممکن ہیں جو سود کے بغیر اس مقصد کو پورا کر سکیں جس کے لیے ان کو بنایا گیا ہے۔ ادارہ کی ضرورت پیش آتی، یعنی اخلاقی اور انسانی ضرورت کے لیے، ان کے لیے ایسا ادارہ کے طور پر پذیر کا تحفظ جیسا کہ نقدیہ اس کی توثیق آجائے گی۔

اسلام باہمی امداد کے اجتماعی اداروں کو جو سود کے لین دین سے پاک ہوں جائز
 و مستحسن قرار دیتا۔ بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، بلکہ اسلام نے ان صحیح ذرائع کی طرف
 راہبری فرمائی ہے جس سے معاشرہ کے متوسط اور غریب لوگ نہ صرف سرمایہ داروں
 اور دولت مندوں کے استیصال سے بچ سکیں۔ بلکہ ان ذرائع کو اختیار کرنے کے بعد
 وہ خوشحالی اور فاسخ بالی کی منزل بھی پاسکیں گے، بلکہ ان کی زندگی حقیقی مسترتوں کی
 کی شرح و عملی تفسیر بن جائے گی۔

خوب نما خوب عمل کی ہوگرہ وا کیوں کر

گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات

بنکیوں کے موجودہ نظام نہ سسٹم
 کو ختم کر کے امداد باہمی کے ادارے

امداد باہمی کے اجتماعی ادارے

قائم کیے جائیں اور دولت مندوں کو اس سودی نظام کے خاتمے کے بعد یا تو خود ہی اپنی
 دولت کو کسی صنعت، تجارت یا زراعت میں لگا کر نفع آور بنانا ہوگا یا وہ ان امداد باہمی
 کے اداروں سے وابستہ ہو کر نفع پاسکیں گے جن کے کاروبار کا مدار نفع و نقصان
 کی شراکت پر ہوگا۔ یہ ادارے بنکیوں کی طرح شہر شہر، بلکہ قریب قریب قائم ہوں اور حکومت
 کی تحویل میں نہیں۔ بلکہ اس کی امداد اہانت پر ہوں۔ البتہ حکومت ان امداد باہمی کے
 اداروں میں مالی حصہ شامل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، اسی طرح حکومت انفرادی تجارت
 کو فروغ دینے کے لیے با اعتماد تاجروں کو قرض بھی دے گی، یعنی حکومت کی رقم سے
 اسرا دیا ادارے پرائیویٹ اور نجی طور پر کاروبار کریں گے اور وہ رستم
 مترض کے طور پر بھی ہو سکتی ہے اور نفع نقصان میں شراکت
 پر بھی۔

بلا سود بینکاری کا مطلب یہ ہے کہ سودی نظام کو یکسر ختم کر کے انہیں امداد باہمی کے تجارتی اور کاروباری دائرے کی جائز اغراض اور مقاصد کا حامل کر دیا جائے اور یہ قطعاً ممکن ہے، بہرہ نئے کام کا مرتب کرنا ابتدائی مراحل میں کچھ مشکل تو ہوتا ہے، لیکن صحیح جذبے سے نیک نیتی اور تسلسل کے ساتھ اسے جاری رکھا جائے، توساری رکاوٹیں خود بخود دور ہوتی چلی جاتی ہیں اور آخر کامیابی ہوتی ہے جس جذبے سے استیصالی قوتوں نے اس باطل نظام کو یہاں نافذ کیا تھا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں۔ اسی طرح اگر اس سطح کے جذبہ اسلامی سے حق و صداقت اسلامیہ کے علمبردار اس خدائی نظام کو نافذ کر دیں، تو وہ بطریق اولیٰ کامیاب ہوں گے۔ بینکوں کے کچھ امور اب بھی ایسے ہیں جو بعد میں بھی جاری رکھتے جاسکتے ہیں جن میں سود کا عنصر موجود نہیں، مثلاً کمیشن پر خدمات انجام دینا، امانتوں کا رکھنا اور لاکرزمیتا کرنا، زیورات و دستاویزات، کاغذات، سندات اور دوسری چیزوں کی حفاظت کرنا، سفری چیک بینک ڈرافٹ جاری کرنا، اسی طرح گاہکوں کی طرف سے خرید و فروخت، صنعتی کاروبار اور دیگر امور میں ماہرانہ مفروضے دینا جو سود کے عنصر سے پاک ہیں، پھر بھی جاری ہیں گے۔ بہر حال بلا سود بینکاری کے کاروبار کی صورتیں بہت ہیں اور وہ صورتیں بہ ملک بہ ملک اور ہر کہیں کامیابی سے اپنائی جاسکتی ہیں۔

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے

مومن کا مقام ہر کہیں ہے

غیر ملکوں سے لین دین | غیر ممالک سے قرضے لینے کی بجائے تمام ملکوں کو بروئے کار لاکر اپنے ملک کو خود آئیل بنانے

کی کوشش کی جائے۔ اشیاء تعینش کی درآمد مطلقاً بند کر دی جائے اور بیرون ملک سے کسی شدید ضرورت کے بغیر کوئی چیز درآمد نہ کی جائے اور بیجوری کی صورت میں مال کا مال

سے تبادلہ کر لیا جائے، تو سود کی نوبت ہی نہ آئے گی، البتہ جب مال کو قیمت میں خریدیں گے، تب سود کا سوال ہوگا۔ تو اس صورت میں سود سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ادائیگی کی میعاد تک جو سود بنتا ہو، اسے اشیاء صرف یعنی درآمد شدہ مال کی قیمت میں اضافہ قرار دے کر شروع ہی سے اس قرار یافتہ بھاؤ پر ہی ان کا لین دین کیا جائے، اس پر سود نہ دینا پڑے گا، مثلاً ایک چیز دس ڈالر میں آتی ہے اور دس ڈالر قسط کی صورت میں پانچ ماہ میں ادا کرنا ہیں اور ان دس ڈالروں پر تین ڈالر سود کے مل کر تیرہ ڈالروں گے، تو شروع ہی سے پانچ ماہ کی مدت پر وہ تیرہ ڈالر میں خریدی جائے، تو اس سے سود کی ادائیگی سے بچ جائیں گے اور غیر ممالک اس معاملے میں تعاون کرنے سے گریز کریں، تو جواز بامر مجبوری کا قول ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، اس پر عمل کیا جائے۔

بینکوں کو امداد باہمی کے اجتماعی کاروباری
بینکوں میں بنیادی تبدیلی اسلامی اداروں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے

بنیادی تبدیلی کرنی پڑے گی اور وہ یہ بینک حکومت کے کنٹرول سے آزاد پبلک اتھارٹی کے تحت ہوں گے، البتہ حکومت سرمتعلقہ امداد مہیا کرنے کے لیے سرپرستی کرے گی تاکہ کوئی فاسد اور غلط عنصر اس نظام میں رخنہ اندازی یا خرابی کرنے کی نہ سوچ سکے۔ دوسرے یہ کہ بینک اپنا کاروبار سود کی بجائے شرکت یا مضاربت کے طریقے پر انجام دیں گے۔ اس طرح سے نام کے بینک ہوں گے، مگر حقیقت میں امداد باہمی کے وہی اجتماعی کاروباری ادارے ہوں گے جو اسلام کے نظام معیشت میں ہو کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں شرکت و مضاربت کے طریقے قابل ذکر ہیں جو ہماری کاروباری بیٹا بیوں کو تیار دے سکتے ہیں۔

میرے باغ سخن کے لیے تو باد بہار
 میرے بیتاب تخیل کو دیا تو نے قرار

شرکت و مضاربت | شرکت اس بات کا نام ہے کہ دو یا دو سے زیادہ فریق کاروبار کریں اور ایک طے شدہ نسبت کے مطابق ان

میں نفع تقسیم ہوتا اور نقصان بھی سب کو اپنے اپنے سرمایہ کی مناسبت سے برداشت کرنا پڑتا ہے، شرکت میں ہر حصہ دار اپنے حصہ پر مالکانہ حقوق رکھتا ہے اور اسے اپنی مرضی کے مطابق فروخت یا ہب بھی کر سکتا ہے۔ کارکنوں میں کبھی کاروبار کے لیے ایک مدت طے پا جاتی ہے۔ اس مدت میں نفع و نقصان کی باہمی شرائط کے مطابق تقسیم ہوتی رہتی ہے اور کبھی بلا تعین مدت تسلسل سے بھی چلتا رہتا ہے۔ اور مضاربت یہ ہے کہ ایک فرد یا پارٹی کا سرمایہ ہو اور اس سرمایہ سے کاروبار کوئی دوسرا فرد یا دوسری پارٹی کرتی ہے، اس میں سرمایہ لگانے والا فریق کاروبار میں عملی حصہ نہیں لیتا، بلکہ ایک طے شدہ نفع کا حقدار ہوتا ہے، لیکن اگر نقصان ہو جائے، تو اہل سرمایہ کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور کاروبار کرنے والی کی محنت رائیگاں جاتی ہے اور کاروبار میں نفع و نقصان ہوتا ہی رہتا ہے۔

کہیں سامان مسترت کہیں سازِ غم ہے

کہیں گوہر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

لیکن جب نفع ہوتا ہے، تو اس سے عام طور پر نقصان کی تلافی ہوتی رہتی ہے، اس لیے کہیں ک کوئی بات نہیں۔

بینکوں کی حیثیت | بینکوں سے سودی نظام کو ختم کرنے کے بعد ان کی حیثیت ان تجارتی اداروں کی ہوئی جو تاہین کے معصوم سرمایہ جات

سے قائم ہوتے ہیں اور ان تجارتی اداروں میں اگر حکومت اپنا حصہ شامل کرے، تو کر سکتی ہے اسے اس کے حصہ کے مطابق نفع و نقصان برداشت کرنا ہو گا۔ یہ بینک یا دوسرے لفظوں میں امداد باہمی کے اجتماع اور اسے مناسبت و مشارکت پر کام کریں گے۔ علاوہ ان کے اجتماعات عامہ کو، جنہاں سرمایہ جمع ہوتا ہے، ان کے علاوہ ان کے اجتماعات

یا زرعی یا صنعتی کاروبار میں ان قرضوں سے استفادہ کریں گے۔ نیز یہ ادارے عوام کو مشارکت و مضاربت پر بھی رقم دے سکتے ہیں۔ نیز عوام کا دوبارہ کیلئے مندرجہ بالا صورتوں میں بھی بیت المال سے قرضے اور مضاربت پر رقم لے سکتے ہیں۔ حکومت کو عوام سے تعاون کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ملکی نظام کی کامیابی کا دار و مدار حکومت و عوام کے باہمی جذب و تعاون پر ہی ہے۔

ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

حضرت ابو موسیٰ اشعری (بصرہ کے گورنر) کا
دونا جہروں کو بیت المال سے قرض دینا

امام مالک موطا میں
فرماتے ہیں کہ حضرت
عمر فاروق رضی اللہ عنہ

کے دو صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرو و عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ایک لشکر میں عراق گئے۔ واپس پر یہ جب بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری سے ہوتے ہوئے گزرے، تو انہوں نے خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ اگر آپ کو مالی فائدہ پہنچانے کی کوئی صورت ہوتی تو میں اسے ضرور اختیار کرتا پھر فرمایا کہ نذر ایک صورت نکل آئی ہے، وہ یہ کہ میں اللہ کے مال سے کچھ مال امیر المؤمنین کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں، میں اسے آپ حضرات کو قرض پر دیتا ہوں، اس سے تم عراق کی اشیائے تجارت میں سے کچھ چیزیں خرید لو اور مدینہ منورہ میں جا کر انہیں فروخت کر دینا اصل سرمایہ امیر المؤمنین کے حوالے کر دینا (کہ وہ بیت المال میں جمع فرمادیں گے) اور نفع تمہیں مل جائے گا فقالوا ونا ذالک انہوں نے کہا کہ ہمیں آپ کی یہ تجویز پسند ہے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب مدینہ منورہ پہنچے اور ان چیزوں کو بیچا، تو انہیں نفع ہوا، تو انہوں نے (ماجر بیان کرتے ہوئے) اس مال (اصل بمطابق) امیر المؤمنین کے حوالے کر دیا۔ امیر المؤمنین نے سوال کیا کہ یہ اشعری نے سب لشکر سے اسی طرح نوازش فرمائی ہے جس طرح یہ دونوں سے؟ انہوں نے عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صرف اس لیے کہ تم امیر المؤمنین کے صاحبزادے ہو۔ میں یہ خصوصی نوازش کیسے نہیں

کرتا، جو کچھ تمہیں نفع ہوا وہ بھی لاؤ اور بیت المال میں اصل سرمائے کے ساتھ اسے بھی جمع کرو۔
 حضرت عبداللہ تو خاموش رہے، لیکن حضرت عبید اللہ نے امیر المومنین سے نظر ثانی کی گزارش کی
 اور عرض کی کہ اگر ہمیں نقصان ہوتا یا اصل سرمایہ ہم سے ضائع ہو جاتا تو چونکہ یہ قرض تھا اس لیے
 ہم اصل سرمایہ جمع کرانے کے پابند تھے، آپ نے اپنے مانے اور اصل سرمایہ کے ساتھ سب نفع بھی جمع کرانے کا حکم دیا۔
 حضرت عبداللہ اب بھی خاموش رہے اور حضرت عبید اللہ نے دوبارہ نظر ثانی کی درخواست
 کی تو حضرت عمر کے ایک ہم نشین نے حضرت عمر اور حضرت عبید اللہ کے درمیان بطور ثالث مشافہ
 دیا یا امیر المومنین تو جعلتہ، قراضاً۔ امیر المومنین امیر اشورہ رہے گا۔
 اس معاملے کو رازہ تو قرض محض قرار دیں کہ سارا نفع صاحبزادوں کا ہو اور اتنی امانت کہ آپ
 کے منافع کی طرح سارا نفع صاحب امانت یعنی بیت المال کو جائے، بلکہ آپ اس سے زیادہ
 قرار دیں۔ اس پر آپ نے فرمایا (ہاں یہ مجھے منظور ہے، لہذا میں نے اسے مضامین اور
 صاحبزادے بھی اس پر راضی ہو گئے، تو آپ نے کل نفع کا نصف صاحبزادوں کو دیا، اور
 بیت المال میں جمع کرا دیا اور بقیہ نصف کو صاحبزادوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔
 موطا امام مالک ج ۲ ص ۲۷۲ طبع مصر ۱۹۰۷ء

ترجمان نبی، مسیزبان نبی

عنان شان عدالت پہ لاکھوں سلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ہند زوجہ حضرت ابوسلمہ بن عبدالمطلب
 کو قرض دینا اور حضرت ابوسفیان کا ضمان دینا

حکومت بیت المال سے بھی قرضے بھی فراہم کر سکتی ہے اس لیے میں اعتماد یا ضمانت کا
 خیال رکھنا ضروری ہوگا، چنانچہ امام طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حضرت بنی ہاشم
 حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے چاہا کہ وہ ہم

قرض مانگے تاکہ ان سے تجارت کی جائے۔ آپ نے قرض کی واپسی کے لیے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ضمانت لے لی اور انہیں قرض دے دیا۔ انہوں نے تجارت کی اور نفع کی بجائے نقصان اٹھایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نقصان کا شکوہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ قرض کی رقم مسلمانوں کا مال ہے۔ اگر میرا ذاتی معاملہ ہوتا تو میں آپ سے مطالبہ نہ کرتا۔ آپ نے حضرت ابوسفیان کو بلوا کر انہیں اس وقت تک اپنے ہاں روکے رکھا۔ جب تک کہ حضرت بند نے پورا قرض واپس نہ کر دیا (ملاحظہ ہو تاریخ طبری حوادث ۲۳ھ ج ۵ ص ۲۹/۳۰ اور کتب فقہ میں بھی اس طرح ہے۔ نیز حدیث میں ہے الزعیم غارم کہ کفیل ضامن سے ہے اے عمر! عدل یا اظہرت کی آبرو ہے حق کا ہو بول بالا تیری تدبیر خوب ہے

مندرجہ بالا روایت قرآن سے متعلق تھی اور یہ روایت مضارب سے متعلق ہے جسے امام مالک اپنی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مضاربت پر ایک شخص کو سرمایہ دینا

نوٹا میں حضرت مالک بن عبد الرحمن سے اور وہ اپنے والد عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں (اپنے دورِ خلافت میں) مضاربت پر سرمایہ دیا تاکہ وہ اس سے کاروبار کریں اور نفع دونوں کا ہو (ملاحظہ ہو موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۶۳ طبع مصر)

انقرض حکومت بینکوں (امدادی باہمی کے اجتماعی کاروباری اداروں) اور بیت المال سے عوام کو قرض اور مضاربت پر سرمایہ دے تاکہ عوام کی معاشی حالت بہتر ہو اور حکومت کو بھی نفع پہنچے۔

عوام کی معاشی حالت بہتر بنانے کیلئے حکومت اور تاجروں کو ہدایت

مروجہ محصول چونگی | حکومت ناجائز طور پر اور جبراً عوام سے جو مصارف وصول کرتی ہے، ان میں سے ایک محصول چونگی بھی ہے۔ ملکی معیشت کو خراب کرنے میں اس کا بھی بڑا دخل ہے کہ تاجر اشیائے صرف کی قیمتوں کے بڑھانے کے جواز میں جو اسباب و علل ملحوظ رکھتے ہیں، ان میں ایک محصول چونگی بھی ہے، چونکہ اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام میں عشر کی مدد ذرائع آمد میں موجود ہے جس کی تشریح گزر چکی ہے۔ لہذا محصول چونگی کا کوئی جواز نہیں، چنانچہ فاضل علم معیشت حکیم الامت مولانا احمد علی عظمیٰ ندوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو: بہار شریعت ج ۱۱ ص ۱۲۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا محصول چونگی ختم کر دینا

حضرت عثمان غنی علیہ السلام نے کچھ عرصہ قبل محصول چونگی عائد کر دیا تھا۔ مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی چونگی ساری مملکت سے معاف کر دی اور گورنروں اور اہل ہا کو لکھا کہ یہ سب اس کے متعلق قرآن مجید میں ہے :

وَلَا تَجْسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (الایۃ) لوگوں کو ان کی چیزیں کو مست دو

فرمایا کہ لوگوں نے اس کا نام بدل کر یعنی محصول کے نام سے اسے، ناجائز بنا لیا۔ اسے اعمال انکیہ جائز نہیں، چند شرعی محاسنل کے علاوہ بہ طرح کے ناجائز محاسنل اور بیسیوں ٹیکس جو سابق حکمہ الزوں نے عائد کر رکھے تھے، یکسر معاف کر دے اور خشکی اور مندر کے راستے کھول دیے، کاروبار پر پھرت کی پابندیاں اٹھائیں تاکہ لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہو اور تاریخ دعوت و غزویت ج ۱ ص ۱۲۱ بہ تعنیہ یہ ہے۔

عام حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کی ممانعت

اسلام کے اقتصادی نظام
میں حکومت کو اشیائے

صرف کی قیمتوں پر کنٹرول کرنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اس پر الٹا اثر پڑتا ہے کہ جس چیز کی قیمت پر کنٹرول ہوتا ہے وہ بازار سے غائب کر دی جاتی ہے اور اس کا دستیاب ہونا ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس کی بلیک میلنگ شروع ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً عوام بیچارے اس کی صورت دیکھنے کو بھی ترستے رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب غلہ کی گرانی کے زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے نرخ مقرر کرنے کی درخواست کی تو آپ نے اس تجویز پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

ان الله هو المسيء لقائض
الباسط الرزق واني لارجو
ان ألقى الله وليس أحد منكم
يطلبني بمظلمة في دمه ولا مال
رابوداؤد عن النس ج ۲ ص ۴۹ و
ترمذی عنه ج ۲ ص ۱۵۷

کہ نرخ مقرر کرنے والا تنگی کرنے والا
کشادگی کرنے والا، رزق دینے والا اللہ
ہی میں ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ خدا سے
اس حال میں ملوں کہ کوئی مجھ سے کسی حق کا
مطالبہ نہ کرے، خون کے متعلق اور نہ مال
کے متعلق۔

صدر الشیخہ حکیم الامت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

امام یعنی پادشاہ کو غلہ وغیرہ کا نرخ مقرر کر دینا کہ جو نرخ مقرر کر دیا
ہے، اس سے کم و بیش کر کے بیع نہ ہو یہ درست نہیں (بہار شریعت ج ۱ ص ۱۵۷)

خاص حالات میں کنٹرول کی اجازت

خاص حالات میں کنٹرول کرنے
کی اجازت ہے۔ بدایہ میں ہے

کہ تاجروں نے اگر چیزوں کی قیمتوں میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا اور نرخ مقرر کیے بغیر
کوئی چارہ نظر نہیں آتا، تو حاکم علماء کرام اور سوجھ بوجھ والے اہل علم و دانش سے مشورہ

لے کر زرخ مقرر کر سکتا ہے، ملاحظہ ہو:

یعنی اگر تاجر حضرات ڈھٹائی پر ترائیں
اور قیمتوں میں کھلی زیادتی کرنے لگیں،
اور حاکم وقت مسلمان صارفین کے حقوق
کا تحفظ قیمتوں میں کنٹرول کرنے میں ہی
سمجھے تو اہل رائے اور اہل علم و دانش
حضرات کے مشورہ سے قیمتوں پر کنٹرول
کر سکتا ہے۔

فَإِنْ كَانَ آذَابُ الطَّعَامِ
يَتَحَكَّمُونَ وَ يَتَعَدُّونَ عَنِ الْقِيَمَةِ
تَعْدِيًا فَاحِشًا وَعَجْزًا الْقَاضِي
عَنْ صِيَانَةِ حَقِّ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا
بِالتَّسْعِيرِ فَعَيْنٌ لَا بَأْسَ بِهِ
بِمَشُورَةِ أَهْلِ التَّرَايِ وَالْبُصِيرَةِ
(ہدایہ ج ۴ ص ۶۸ و در مختار ص ۶۸)

نیز حاکم وقت کو اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ کوئی تاجر دکاندار مسترد کردہ قیمت
سے زیادہ وصول نہ کرے، چنانچہ احادیث سے بھی اسی طرح واضح ہوتا ہے۔

اسلام کا معاشی
نظام جہاں ایک
طرف ایک خاص

ایک گراں فروش دکاندار کو فاروقِ عظیم کی تشبیہ
(گراں فروشی کا سدباب)

حکمت کے تحت عام حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کے حق میں نہیں ہے، وہاں دوسری طرف
تاجروں اور مارکیٹ کے دکاندار پر بھی کڑی نظر رکھنا ہے کہ وہ کہیں عین فائنس و کرسٹ
کے مرتبک تو نہیں ہوتے۔ دکانداروں کو نفع کمانے کی اجازت ہے اور بلاشبہ وہ نفع کمانے
نکریں فائنس اور بے تحاشہ گراں فروشی کی اجازت بھی نہیں دیتا، بلکہ اس بارے میں
ایسے دکانداروں اور تاجروں کو بازار سے اٹھادینے کی بھی سفارش کرتا ہے جو سہولت
نفع اندوزی اور گراں فروشی پر اترے ہوتے ہوں۔ اس سلسلے میں غلیظت وقت اور اس کے نتیجے
حکام شہروں میں صورت حال کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہیں گے، وہ ایسے شمس کے نشان
تاویزی کارروائی کرنے کے مجاز ہیں جو بازار میں گراں فروشی کا مطلب ہو، چنانچہ احادیث سے

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
 عنہ مرّ علی حاطب بن ابی
 بلتعة وهو یبئع ذبیالہ بالسوق
 فقال لہ عمر امان ان تزیّد
 فی السعیر واما ان ترفع من
 سوقنا موطا امام محمد ص ۳۲

کہ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا
 گزر ایک دکاندار حاطب بن ابی بلتعة سے
 ہوا وہ بازار میں منقح بیچ رہا تھا حضرت
 عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ منقح
 کا نرخ زیادہ سمستا کرو ورنہ ہمارے بازار
 سے دکان اٹھا لو۔

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حدیث کی عبارت ان تزیّد میں لا
 محذوف ہے۔ تقدیر عبارت امان ان لا تزیّد ہے اور ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھا جاتا
 ہے۔ اتم اس کی مثال میں آیت والذین یطیقونہ پیش کرتا ہے کہ یہاں بھی
 حرف لا محذوف ہے اور تقدیر عبارت سے والذین لا یطیقونہ اور اگر ہمزہ سلب
 کا ہو تو پھر لا کے حذف کی ضرورت نہیں۔ امام محمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وبہذا نأخذ لا ینبغی ان
 یسعر علی المسلمین فیقال
 لهم بیعوا کذا بكذا ویجبروا
 علی ذالک وهو قول ابی
 حنیفۃ والعامۃ من فقہائنا
 (موطا امام محمد ص ۳۲)

یعنی ہمارے یہی رائے ہے کہ عام حالات
 میں مسلمانوں پر قیمتوں کا کنٹرول نہ کیا جائے
 البتہ خاص حالات میں گراں فروشوں سے
 کہا جائے گا کہ فلاں فلاں قیمت پر بیچو
 اور انہیں مجبور کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ اور
 ہمارے فقہاء کی یہی رائے ہے۔

لہذا اگر ان فروشوں کے سدباب کے لیے دوسرا کوئی چارہ کار باقی نہ رہے، تو ایسے خاص
 حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کی بلاشبہ اجازت ہے اور اس کی خلاف ورزی پر مناسب تاویلی
 کا روائی بھی عمل میں لائی جاسکتی ہے جو خلاف ورزی کے مرتکب کو مارکیٹ سے نکال دینے،
 سزا دینے یا جسمانی سزائی صورت میں ہو سکتی ہے اور تعزیری کارروائی ضروری ہے کہ دین

آخرت سے بے خبر تاجروں کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہے
ہاتھوں سے ان کے دامن دیں ہے نکل گیا
رخصت ہوا دلوں سے خیال معاد بھج

نیز افراط زر نے ملکی معیشت کو خراب کر رکھا ہے، اس کا خاتمہ ہو
افراط زر | تو معیشت پر اچھا اثر پڑے گا۔ سونا چاندی خلقت و پیدائش کے

اعتبار سے نقد ہیں، اس لیے یہ نقد اصلی اور نقد حقیقی ہیں اور روپیہ نقد اصطلاحی یا نقد
عرفی ہے یہ نقد اصلی کی جگہ نقد عارضی ہے۔ نقد اصلی کی نقدیت کو کوئی طاقت منسوخ
نہیں کر سکتی، مگر روپیہ اور نوٹ کی نقدیت کو جب چاہیں منسوخ کر دیں منسوخ ہونے
کے بعد یہ سو کا نوٹ چار آنے کا بھی نہیں رہے گا، تو جب نوٹ اور روپیہ نقد عارضی
اور نقد اصلی (سونے چاندی) کی جگہ ہے، تو نوٹ اور روپے اتنا ہی چھاپنے چاہیے
جتنا ہمارے ملک کے پاس سونا اور چاندی ہو، کیونکہ یہ روپیہ تو سونے اور چاندی کی نسبت
سے ضمن اصطلاحی ہے، تو سونا اور چاندی منسوب الیہ ہوتے اور روپیہ منسوب تو سونے
مقابلہ بڑھ جائے گا، وہ بلا نسبت رہ جائے گا اور وہی معیشت کی بد حالی کا باعث
بنے گا اور بن رہا ہے، لہذا ملک کی معاشی حالت کو سدھارنے کے لیے ضروری ہے
کہ افراط زر و بلا نسبت کا روپیہ اور نوٹ ختم کیا جائے، کیونکہ اس سے ملک کی معاشی
حالت سدھرتی نہیں، بلکہ بدستور خراب بلکہ زیادہ خراب ہوتی ہے۔

تیرا جلوہ کچھ بھی تستی دلِ نامصبور نہ کر سکا
وہی گریہِ سحری رہا، وہی آہِ نیم شبی رہی

تانبوں میں روانہ ہوا
بیعانہ واپس نہ کرنے کی ممانعت | جب کوئی شخص کسی چیز کا

پکا کرتا ہے، تو بیعانہ دے کر بائع، بیچنے والے کو اس بیع کا پابند بنا لیتا ہے۔ پھر

اگر وہ کسی وجہ سے اس چیز کو خریدنے سے رہ جائے تو تاجر اس بیعانہ کو بحیثیٰ خویش
 ضبط کر لیتے ہیں یہ جائز نہیں ہے؛ چنانچہ امام مالک و ابو داؤد، ابن ماجہ حضرت عمر
 بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اور امام ابو داؤد
 و ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے بیعانہ ضبط کر لینے سے منع فرمایا۔ امام مالک علیہ الرحمۃ اپنی موطا میں فرماتے ہیں:
 فَإِنْ نَدِمَ الْمُشْتَرِي فَقَالَ
 لَا بَأْسَ بِمَيْعِ أَقْلَانِي وَأُنْظِرْ
 بِاللَّيْلِ لَتَذِي دَفَعْتُ إِلَيْكَ فَا
 ذَاكَ لَا يَصْلَحُ وَأَهْلُ الْعِلْمِ يَتَمَوَّنُونَ
 رَوَاهُ الْح. (موطا امام مالک ج ۲ ص ۳۳ مصری)
 کہ اگر مشتری نادم ہو اور بائع سے
 کہے کہ بیع کا اقالہ کیجیے اور جو بیعانہ میں تمہیں
 دے چکا ہوں وہ میں نے چھوڑ دیا تو
 بائع کو ایسا کرنا جائز نہیں اور اہل العلم
 یعنی علماء اس سے منع فرماتے ہیں۔

لہذا تاجروں کو بیعانہ کا رکھ لینا جائز نہیں بلکہ مشتری کو واپس کر دیا جائے۔ مجبور
 انسان کی درخواست پر بیع کو توڑ دینا ثواب ہے۔ حدیث میں ہے کہ اس سے بائع و
 مشتری میں سے مجبور کے ساتھ تعاون کرنے والے کے گناہ خدا تعالیٰ روز قیامت
 معاف فرمائے گا۔

تاجر لوگ اپنے تجارتی کاروبار میں جہاں
معدوم کی بیع سے ممانعت کتنی ایک اور غیر اسلامی کاروباری طریق
 کار میں ملوث ہو کر معاشی بحران کا سبب بنتے ہیں، وہاں معدوم (عدیم الوجود) اشیاء
 کی خیالی تجارت کر کے بھی معاشی بد حالی کا موجب بنتے ہوئے ہیں، حالانکہ اسلام نے
 عدیم الوجود شئی کی خرید و فروخت سے ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں
 ہے کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسی

چیز کے بیچنے سے منع فرمایا جو میرے پاس نہ ہو (ترمذی ج ۲ ص ۱۴۸ مجتہاتی،
 اور ترمذی کی دوسری روایت، اور ابوداؤد و نسائی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت
 حکیم بن عزام کہتے ہیں یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی شخص آتا ہے اور مجھ سے کوئی چیز خریدنا
 چاہتا ہے، وہ چیز میرے پاس نہیں ہوتی (میں بیع کر دیتا ہوں)، پھر بازار سے خرید کر اسے
 دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا لا تبع مالیس عندک جو تیرے پاس نہ ہو اسے نہ بیچو (ترمذی
 ج ۱ ص ۱۴۸ و نسائی ج ۲ ص ۲۲۵ و ابوداؤد ج ۱ ص ۴۲۸) اس حدیث کے بعد امام ترمذی
 علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلَىٰ هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ
 أَهْلِ الْعَنَمِ كَرِهُوا أَنْ يَبِيعَ الرَّجُلُ
 مَالِيَسَ عِنْدَهُ (ج ۱ ص ۱۴۸) دیتے ہیں۔
 اور امت کے اکثر علما کا اس پر عمل ہے
 وہ بیع معدوم کو مکروہ و ممنوع قرار

اگر تاجر حضرات اس حدیث کے مطابق عمل کریں اور معدوم کی بیع کرنا چھوڑ دیں
 تو ہماری معاشی حالت رو بہ اصلاح ہو سکتی ہے۔ اگر تاجروں کو ملک و ملت سے ہمدردی
 ہوگی، تو وہ اس لعنت سے کنارہ کیے بغیر نہیں رہیں گے۔
 دیکھ تو اپنا عمل تجھ کو نظر آتی ہے کیا؟
 تیرے آباؤ کی ننگہ بجلی تھی جس کے دانے
 وہ صداقت جس کی بیباک تھی یہ ت آفرین
 ہے وہی باطل تیرے کا شانہ دل میں لگیں

ترمذی، ابوداؤد و نسائی سے مروی ہے۔

ابو یوسف نے کہا کہ اس حدیث میں

معدوم کی بیع حلال نہیں

لا یحل کاللفظ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لا یحل سلف و بیع و لا

لا یحل سلف و بیع و لا

شرطان فی بیع ولا بیع مالیس عندک
 رتمذی ج ۱ ص ۱۲۱ نسائی ج ۲
 ص ۲۲۳ و ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۵
 اس طرح کہ میں نے یہ چیز آپ کے ہاتھ اس
 شرط پر بیچی کہ آپ مجھے قرض دیں اور نہ ہی
 بیع (ایک یا) دو شرطوں سے مثلاً
 کپڑا لیتا ہوں، مگر تمہیں سلوا اور رنگ کر اگر دینا
 ہوگا، اور نہ اس چیز کی بیع حلال ہے تو تمہارے پاس نہیں۔

جس پر قبضہ نہیں کیا اس کا نفع بھی ممنوع

البوداؤد اور ترمذی کی روایت میں وَلَا بَيْعُ مَا
 لَمْ يُقْبَضْ مِنْهُ لَفْظِ هُنَّ، یعنی جب تک خرید کردہ تمہارے قبضہ و ضمان میں نہ آجائے،
 اسے بیع کر نفع کمانا بھی تمہارے لیے ناجائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
 فرماتے ہیں کہ کسی شے (خرید کردہ) پر جب تک خریدار قبضہ نہ کرے، اس وقت تک اس
 کی بیع آگے جائز نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا بھی یہی حکم ہے کہ (اشیاء منقولہ پر)
 مشتری کا قبضہ ضروری ہے، بیع تو محض ایجاب و قبول اور شے کی دیکھ بھال کے بعد قطعاً
 ہو گئی، لیکن اگر مشتری بیع (خرید کردہ چیز) کو آگے بیع کر نفع کمانا چاہتا ہے، تو پہلے بیع پر
 قبضہ کرے، پھر اس کی بیع کرے، ہاں اشیاء غیر منقولہ میں رعایت ہے کہ قبل القبض ان
 کی بیع جائز اور نفع بھی حلال ہے۔ (ملاحظہ ہو موطا امام محمد ص ۳۳)

بولی سے بیع کا جواز

یہ جو بولی سے بیع کی جاتی ہے یہ بلاشبہ جائز ہے۔
 ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ایک شخص کاٹ اور پیالہ بیچا اور ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو کون خرید کرتا ہے۔ ایک
 صاحب بولے میں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

مَنْ يَزِيدُ عَلَى دَرَاهِمٍ مِنْ
 يَزِيدُ عَلَى دَرَاهِمٍ -
 کہ ایک درہم سے زیادہ کون دیتا
 ہے، ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے۔

ایک شخص نے عرس کی کہ میں دو درہم دیتا ہوں، تو اس نے دو درہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دیے اور آپ نے دونوں چیزیں اس کو دے دیں (ترمذی ج ۱ ص ۱۲۶)

ابو داؤد اور ابن ماجہ میں بھی اسی طرح ہے، لہذا بولی جائز ہوئی مگر جھوٹ کی بولی جائز نہیں کہ ایک آدمی بائع کی طرف سے اس کی سازش سے خریدار بن کر آجائے اور صرف قیمت بڑھانے کے بہانے بولی میں حصہ لے، اس سے حدیث میں ممانعت آتی ہے ایسے ناجائز عربوں اور حبیبوں سے بازار کو وہ اسلامی طریقے اختیار کرنے چاہئیں جن میں مسلمان کی دنیاوی بھلائی بھی ہو اور آخرت کا فائدہ بھی ہے

جن کی تابانی میں انداز کہن بھی، نو بھی ہے
اور تیرے کو کب تفتدیر کا پر تو بھی ہے

بولی میں قیمت کا توازن قائم رہنا چاہیے | بولی میں قیمت کا تناسب توازن قائم رہنا چاہیے۔ حدیث

مذکور سے واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بولی پر فوراً مبیع کو بولی دینے والے کے حوالے کر دیا، حالانکہ اس (مبیع) کی قیمت اور بڑھانے کے لیے مزید بولی دینی جا سکتی تھی، مگر آپ نے تعلیماً مزید بولی ترک فرمادی تاکہ خریدار کو بازار میں اس چیز کے دام زیدہ نہ بڑھانے پڑیں اور مارکیٹ میں اس چیز کی قیمت تناسب و توازن سے گراں واقع نہ ہو۔ بولیں دینے اور نیلام کرنے والے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو مشعل راہ بنا کر سلیں تو بیگانہ کا خاتمہ ہی ہو جائے۔

غیر اسلامی طریقے

ملک میں گرائی اور مہنگائی کے بنیادی اسباب ہیں جو تاجروں اور

اور کاروباری حضرات میں رائج ہوتے ہیں یا انہوں نے امیر سے امیر تر بننے کی کوشش میں ان قبیلوں کی طریقوں کو اپنایا ہے۔ یہ بات مسلم اور ناقابل تردید ہے کہ جب مسلمان

اسلامی اور شرعی طریقوں کے مطابق کاروبار کرنے کا جذبہ و عمل تھا، مہنگائی نام کو نہ تھی اور جب سے غیر اسلامی اور غیر شرعی طریقے جزو تجارت بن گئے۔ جب سے مہنگائی بڑھتی چلی گئی اور کوئی تدبیر اسداد کار گر ثابت نہ ہوئی۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مہنگائی کے دور کرنے اور معاشرہ کے خوشحال ہونے کی صورت اور واحد صورت

یہی ہے کہ کاروباری حضرات رضا کارانہ طور پر (یا حکومت کے حکم سے) اپنے کاروبار کی بنیاد اسلامی اور شرعی طریقوں پر استوار کریں۔ اس سلسلے میں کچھ طریقے تو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ جن میں جائز اور ناجائز کی تفصیل بھی حد ضرورت تک گزر چکی ہے۔ اب ہم اس سلسلے میں مزید کچھ عرض کرتے ہیں تاکہ حضرات ان پر عمل کر کے نظام مسطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی شعبوں میں بہتر کردار ادا کر کے مہنگائی کے کم کرنے میں مدد دے سکیں۔ اس سلسلے میں تاجروں کو

بیع باطل اور فاسد سے احتراز کرنا چاہیے۔ بیع باطل اور فاسد کی وضاحت یہ ہے کہ جس صورت میں بیع کا کوئی رکن جس کے بغیر دو

فریقوں میں بیع عمل میں نہیں آسکتی (مفقود ہو یا وہ چیز بیع کے قابل ہی نہ ہو، وہ بیع باطل کہلاتی ہے) یعنی بیع حرام و ناجائز، مثلاً پاگل یا بے عقل بچے کو بیع میں فریق بنانا بیع باطل ہے کہ ایجاب و قبول بیع کا رکن ہے اور بچہ غیر عاقل ایجاب و قبول کرنے کا اہل نہیں، لہذا اس صورت میں بیع کا رکن مفقود ہوگا۔ اسی طرح مردار، خون اور شراب ایسی حرام چیز یا کسی آزاد انسان کی بیع بھی باطل و حرام و ناجائز ہے کہ یہ چیزیں بیع کے قابل ہی نہیں ہیں اور اگر رکن بیع یا بیع کے قابل و محل میں کوئی خرابی نہ ہو، بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور خرابی لازم آتی ہو تو اسے بیع فاسد کہتے ہیں، مثلاً شراب ایسی حرام چیز کے معاوضہ کو لے کر آگے اس کے ساتھ کوئی سودا سلف لینا دینا یا ایسی چیز کا سودا کرنا جسے خریدار کے حوالہ کرنا بس میں نہیں، یا عقد و

بیع کے تقاضوں کے خلاف کوئی شرط عائد کر دینا بیع کو فاسد و خراب کر دیتا ہے۔ فتاویٰ درمختار میں ہے :

وَكُلُّ مَا أَدْرَتْ خَلْقًا فِي رَكْنِ
الْبَيْعِ فَهُوَ مُبْطِلٌ وَمَا أَدْرَتْهُ
فِي غَيْرِهِ فَيُسَدُّ -

کہ جس سے رکن بیع میں خلل آئے،
اس سے بیع باطل ہوتی ہے اور جس چیز سے
رکن و محل کے علاوہ کسی میں خلل آئے، وہ بیع کو
فاسد کرتی ہے۔

(ص ۲۳۴ مطبع احمدی دہلی)

بیع مکروہ | بیع مکروہ سے بھی بچنا چاہیے، مثلاً بولی کے وقت قیمت بڑھانے کے لیے اس قسم کے آدمی کو بولی میں شامل کر دینا جو خریدنے کا ارادہ نہیں رکھتے، مگر دکھلاوے کے لیے بولی میں حصہ لیتے ہیں اور دام بڑھ چڑھ کر بتاتے ہیں تاکہ دوسرے تاجران سے بڑھیں اور وہ چیز منگے داموں فروخت ہو۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع بخشش سے منع فرمایا اور بیع بخشش اسی طریقے کی بیع کو کہتے ہیں۔ بیع سلم جائز ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص نقد پیسے دے کر جنس نقد

بیع سلم | وغیرہ ایک مدت معین تک لینے کا عہد لیتا ہے اور دونوں طرف سے ایجاب و قبول سے سودا طے ہو جاتا ہے، اسے بیع سلم کہتے ہیں۔ رقم دینے والے کو رب السلم یا سلم اور جنس دینے والے کو مسلم الیہ اور جنس کو مسلم فیہ اور قسم کو رأس المال اور اس طریقہ بیع کو بیع سلم کہتے ہیں۔ اس کے جواز میں سات شرطیں ہیں :
(۱) جنس کا معلوم ہونا مثلاً گندم یا جو وغیرہ (۲) نوع کا معلوم و طے ہونا کون سی قسم ہوگی (۳) وصف یعنی اعلیٰ ادنیٰ کا معلوم ہونا (۴) مقدار کا معلوم و طے ہونا (۵) مدت و مہلت کا معلوم و طے ہونا (۶) رقم کا معین و معلوم ہونا یعنی رأس المال کا معلوم ہونا (۷) جنس مذکور کہاں پہنچانا ہوگی، جبکہ پہنچانے میں خرچہ ہوتا ہو۔

(مدارج ۲ ص ۹۶ بیع یوسفی لکھنؤ)

عیاشی اور تکلفات سے روک تھام | اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام

تبذیر ہے اور تبذیر و اسراف قرآن و سنت کی رو سے حرام ہے۔ عیاشی سے مراد دولت کا بے جا نسیاع ہے۔ اچھا پہننا اور اچھا کھانا اور اچھا سلیقہ اختیار کرنا اسلام میں ممنوع نہیں، بلکہ کسی حد تک درست ہے۔ اسلام اس قدر تنگ دین و مذہب نہیں کہ خوش پوشی اور خوش خوری کو منع کرے، بلکہ مناسب حد تک یہ محمود و مطلوب ہے۔ صحیح ترمذی میں ہے کہ حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ، کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچھے پرانے کپڑوں میں ملبوس دیکھا، تو فرمایا کہ ”کیا تیرے پاس مال ہے؟“ فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضور میرے پاس خدا کے فضل سے ہر قسم کا مال ہے۔

میں نے عرض کی کہ خدا نے مجھے ہر قسم کا مال دیا ہے، اونٹ اور بھیر بکری بہت ہے، فرمایا کہ اس کا تجھ سے ظہور ہونا چاہیے (یعنی خدا کی اس نعمت کا استعمال کر کے اظہار کرو، فقیرانہ لباس ترک کر دو)

لیکن آج جس طرح عیاشی کی بے لگام دوڑ جاری ہے۔ یہ ملکی و قومی اور انفرادی معیشت کے لیے خطرناک ہے۔ اس قسم کی عیاشی کی روک تھام ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام کی ہدایات موجود ہیں۔ صرف عمل کی ضرورت ہے، پھر یہ معاشی ویرانی معاشی خوشحالی میں بدل سکتی ہے۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

عیاشی کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں | عیاشی کرنے والے

تو سرمایہ دار اس میں زمیندار و تاجر اور صنعت کار تینوں گروہ شامل ہیں، ملکی معیشت کی بدتری اور خرابی کے یہی تین گروہ ذمہ دار ہیں، کیونکہ ملکی معیشت کا انحصار انہیں تین چیزوں پر ہے: تجارت و صنعت و صرفت اور زمینداری۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تاجر و صنعت کار اور زمیندار عیاشی کی دوڑ میں ان تینوں اداروں کے تقدیر کا نطق ٹرانے میں پیش پیش ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں بعض افراد اچھے بھی ہیں اور قابل تعریف بھی، مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو جو حکومت کے اعلیٰ عہدوں اور مناصب عالیہ پر فائز ہیں جو ہزاروں روپے ماہانہ تنخواہ اور دیگر ہتھیاروں کی مرادات مفت میں حاصل کرتے ہیں یہ لوگ بھی عیاشی کی دوڑ میں بلاشبہ کے شریک ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی اور ریس میں نچلے طبقے کے لوگ بھی عیاشی کی دوڑ میں حصہ لے رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے رشوت ستانی وغیرہ ایسی خرابیاں ہمارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہیں اور یہ خرابیاں ملک کے کم آمدنی والے سفید پوش طبقے کے لیے وبال جان بن کر رہ گئی ہیں اور وہ نہ تو ناجائز ذرائع سے کمانی کمانا گوارا کرتے ہیں اور نہ ہی معاشرہ کی ایسی ہمہ گیر خرابی کا اخلاقی مقابلہ کرنے کی اپنے میں ہمت پاتے ہیں اس لیے وہ ملک تباہ کرنے کی فکر میں پڑ جاتے ہیں اور یہ خرابی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ہر شخص کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ اس کے پاس کوٹھی، کار اور ٹیلی ویژن ہو، کیونکہ موجودہ عیاشی کی دوڑ میں شرافت و انسانیت کا معیار صرف یہی تین چیزیں سمجھی جا رہی ہیں۔ اس دوڑ کا تدارک اور روک ٹھام بہت ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کے اقتصادی نظام کے تقاضوں کو بروئے کار لانے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی اشد سے اشد ضرورت ہے۔

نظر آئیں مجھے تقدیر کی گہرائیاں اس میں نہ پوچھو لے ہنشین محبت و دشمنی سے مسایا ہے

عیاشی سے ممانعت کا ایک قانونِ فقہ | اس قانون کو قانونِ حجر عیاشی

کا قانون) کہا جاتا ہے۔ فقہ اسلامی کا قانونِ حجر عیاشی کی روک تھام کے لیے ایک مؤثر قانون ہے۔ لغت میں حجر کے معنی روکنا ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں مال میں تصرف کرنے سے منع ہے۔ اگرچہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ قانونِ حجر کو صرف نابالغ بچے اور مجنون کے ساتھ منسوس رکھتے ہیں، تاہم آپ کے صاحبزادے امام ابو یوسف و امام محمد علیہما الرحمۃ قانونِ حجر کو ان کے علاوہ ایسے لوگوں پر بھی عائد فرماتے ہیں جو اپنے مال کو عیاشی، بیہودگی اور لہو لعب وغیرہ میں صرف کر کے معاشی خرابی کا باعث بنتے ہیں اور فقہاء احناف نے امام اعظم علیہ الرحمۃ کی بجائے صاحبین کے قول کو اختیار کیا اور اسی پر فتویٰ دیا، چنانچہ درمختار میں ہے:

وَعِنْدَ هُمَا يُحْجَرُ عَلَى
الْحُرِّ بِالسَّفَهِّ وَالْعُقْلَةِ وَبِهِ
أَيُّ بِقَوْلِهِمَا يُفْتَىٰ -
یعنی صاحبین کے نزدیک بیہودہ
اور عیاش لوگوں کو بھی قانونِ حجر میں
شامل کیا جاتے گا اور صاحبین کے قول ہی
پر احناف کا فتویٰ ہے۔

اسی طرح فتاویٰ اہلستانہ ج ۴ ص ۵۸۶ پر فرماتے ہیں: والمختار قولہما کہ صاحبین کے
ہی قول کو اختیار کیا گیا ہے، یعنی عاقل و بالغ عیاش انسان پر اس کی بیہودگی و کج فہمی کی بنا پر اس
بات کی پابندی عائد کر دی جائے کہ وہ اپنے مال میں شریعت و عقل مندی کے خلاف کوئی تصرف
نہ کرے۔ اس سلسلے میں مزید تفصیل فقہ اسلامی کی کتابوں Books of Islamic Law
میں دیکھیں: اسکتی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی ایسا شخص چنے والے میں خرابی عیاشی
کرنے اور اسے عقل و شریعت کے مقتضی کے برعکس صرف کرنے لگے، تو سرپرست یا سماج کو اختیار
اور ذمہ داری یا غیر سرکاری جسے سرکاری سرپرستی حاصل ہو، اس کا حق تصرف اس وقت تک
موجود نہ رہے، جب تک کہ انہیں اس بات کا یقین یا ضمانت میسٹرن ہو کہ آئندہ کے لیے اپنے

مال کو شریعت و عقل کے مطابق ہی خرچ کرنے کا اور یہ قانون انہیں کے لیے ہے جو اخلاق کی بنیاد
 نہیں سمجھتے ہیں اور جو اخلاق سے سمجھتے ہیں انہیں اخلاق سے اور دوسروں کو قانونِ حجر کے قابو پر طریقے سے عیاشی
 سے باز رکھا جائے اور اسلام کا یہ بہترین قانون ہے۔ جب سے اس سے حکمرانوں نے صرف
 نظر کی تب سے معاشرہ برباد ہوتا چلا گیا ہے

اے لالہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں!

گفتارِ دلبرانہ، کردارِ تاسرانہ

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض

کیا ہے کہ عیاشی کی دور

میں حکومت کے اعلیٰ

حکومت کے اعلیٰ افسران و عہدیداران
 کے لیے فاروقِ اعظم کی ہدایات

عہدیدار اور اعلیٰ افسران بھی برابر کے شریک ہیں جس کی وجہ سے نچلے ملازم بھی مبتلائے رشک ہو کر
 ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنا معیارِ زندگی اعلیٰ افسران کے مطابق بنانے میں مصروف عمل
 ہیں، لہذا اسلام کا اقتصادی نظام اس بات کا مقتضی ہے کہ سب سے پہلے سربراہِ مملکت
 سادگی اختیار کرے۔ عیاشی کی نئی سے نئی روایت قائم کرنے کی بجائے سابقہ روایات کو ہی
 ختم کر کے بے تکلف زندگی کا آغاز کرے اور سیرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو مد نظر رکھیں۔ سادگی
 کے باوجود جن کے تقویٰ و للہیت کی ہیبت سے لوگوں سے دل کا پھرتے سے

تیری نگاہ سے دل کا پنتے تھے سینوں میں

کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

اور قومی خزانے سے ضرورت سے زیادہ وظیفہ نہ لے اس سلسلے میں محمدینا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ
 کی سیرت کی اقتدا کرے۔

اس سلسلے میں آگے نہیں

تو کم از کم گاندھی سے تمہے

گاندھی کی اپنے وزیروں کو ایک اہم نصیحت

تو نہ رہیں جو غیر مسلم ہونے کے باوجود سیدنا ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا سیرت کا اس قدر دلدادہ تھا کہ ۱۹۲۵ء میں اس نے کانگریسی وزیروں کے نام ایک ہدایہ نامہ جاری کیا کہ میں اپنے وزراء کو ہدایت و نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ابو بکر و عمر کے طریقہ پر چلیں،
 دستورالسلام ص ۱۹۸

معلوم ہوا کہ گاندھی جیسے متعصب اور کٹر ہندو کی نظر میں ابو بکر و عمر کی حکمرانی اور عدل عمرانی کا ایسا پاک اور ستھرا دستور اور قانون نسف و بستی پر ابھی موجود ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کا دستور اور قانون اس کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا اور یہ وہی قانون و دستور ہے جو خلفائے راشدین نے کتاب الہی اور سنت مصطفوی سے سمجھا۔ گاندھی نے اپنے ہدایت نامہ میں ابو بکر و عمر کے طریقے پر چلنے کی ہدایت کی اور امریکہ و برطانیہ کا حوالہ نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مطابق خلفاء و راشدین کا دور انسانیت کے ارتقاء و عروج کا بہترین دور تھا جبکہ امریکہ و برطانیہ اور روس کی حکومتوں کا دور انسانیت کے انحطاط و زوال کا دور ہے۔
 تہذیب فریجی ہے اگر مرگ امومت
 ہے حضرت انسان کے لیے اس کا ثمر موت

معاشی حالت کو سدھارنے کے لیے تین قیمتی اصول | سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے

ملکی معیشت کو ترقی دینے کے لیے سب سے پہلے اپنے آپ پر سادگی کا قانون نافذ کیا اور اس قانون کے نفاذ کا آغاز اپنی ذات سے فرمایا، چنانچہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ م ۱۸۲ھ اپنی کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مستہ خلافت پر متمکن ہوتے ہی اپنی پوزیشن عوام پر واضح کرتے ہوئے فرمایا:

لوگو! میرے نزدیک ہماری معاشی و

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي لَا أَجِدُ

مالی حالت اس وقت تک نہیں سنور سکتی،

هَذَا الْمَالُ يُصْلِحُهُ الْإِحْتِلَالُ

ثَلَاثٌ أَنْ يُؤْخَذَ بِالْحَقِّ وَيُعْطَى
فِي الْحَقِّ وَيُمْنَعَ مِنَ الْبَاطِلِ -
جب تک کہ ہم تین باتوں کا خیال نہ کریں
حق سے لینا، جائز کاموں میں خرچ کرنا اور
ناجائز کاموں میں نہ کرنا۔ (ص ۱۱۱)

سیرت فاروقی کی یہ ہدایت ملکی معیشت کو سنوارنے کے لیے ایک عظیم ضابطہ اور
بہترین راہنمائی ہے کہ مال اور دولت جائز اور حق پر مبنی طریقوں سے حاصل کی جائے خیر
اور نیک کاموں میں خرچ کی جائے اور عقل و شریعت کے مقتضا کے خلاف کسی بات
میں اسے خرچ کرنے سے قطعاً گریز کی جائے۔ پھر آپ نے اپنے اس وظیفے کی مقدار کا اعلان
فرمایا جو آپ نے سرکاری خزانے (بیت المال) سے لینا منظور فرمایا جسے امام ابو یوسف
علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں نقل فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میرے لیے تمہارا بیت المال
اِثْمًا اَنَا وَمَا لَكُمْ كَوْلِي
الْيَتِيمِ اِنْ اسْتَعْنَيْتُ اسْتَعْفَفْتُ
وَ اِنْ فَتَقَرْتُ اَكَلْتُ بِالْمَعْرُوفِ
ایسے بے جیسے یتیم کے سرپرست کے لیے یتیم
کا مال، اگر مجھے ضرورت نہ پڑی، تو میں
اس میں سے کچھ نہ لوں گا اور ضرورت ہوں
تو حاجت کی حد تک لوں گا۔ (کتاب الخراج ص ۱۱۱)

امام غزالی علیہ الرحمۃ اسی بار العلوم میں فرماتے
ہیں کہ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شام میں

عزت اسلام سے ہے

داخل ہوئے یہ آپ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ آپ کا لباس بالکل سادہ تھا۔ آپ کے رفقاء
نے عرض کی کہ آپ اسلامی سلطنت کے سربراہ ہیں اور آپ کے لباس اور وضع قطع میں
انتہائی سادگی ہے۔ بہتر تھا کہ آپ اس کی نسبت کچھ بہتر لباس زیب تن فرماتے، پھر شام میں
داخل ہوتے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے کسی کی ملامت کا کوئی اندیشہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے ہم نے سادگی کی تعلیم پائی ہے،

اَنَا قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ
کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں اسلام پر عمل کرنے سے

فَلَنْ نَطْلُبَ الْعِزَّ فِي غَيْرِهِ - عزت بخشی ہے ہم غیر اسلامی قوم و راج کے ذریعے
(احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۲۴)

سے عزت کے طلبگار ہرگز نہیں ہوں گے۔
جب کسی قوم کے سربراہ مملکت میں اس قدر ملک و ملت سے ہمدردی کے جذبات موجزن
ہوں تو اس قوم کی معاشی حالت کیونکر نہیں سدھڑ نہیں سکتی۔

حکومت کے اعلیٰ عہدہ کی چار شرطیں | امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کتاب الحج
میں لکھتے ہیں کہ جب سیدنا فاروق

اعظم رضی اللہ عنہ کسی کو کوئی عہدہ سپرد فرماتے اور گورنری وغیرہ کے منصب پر فائز کرتے
تو ان سچا چیزوں کا عہد لیتے اور اس عہد و پیمان پر مہاجرین و انصار کے اکابر صحابہ کو گواہ بناتے
اور فرماتے :

ان لا یرکب بڈوٰنا ولا
یلبس ثوبا رقیقا ولا یا کل
نقیا ولا یغلق بابا دوت
خواج الناس ولا یتخذ حاجبا
دکتاب الخراج ص ۱۱۶، تاریخ الطبری
ج ۵ ص ۲۱

ترکی گھوڑے کی سواری نہ کرنا،
باریکٹ (شاہانہ) لباس نہ پہننا،
میٹھ کی روٹی نہ کھانا، دروازے
پہرہ دار بکھرا کر کے ضرورت مند
لوگوں کو اپنے تک پہنچنے میں رکاوٹ
نہ کرنا۔

یہ ہدایت کسی شو بازی یا ریا کاری پر مبنی نہ ہوتی تھیں، بلکہ انہیں عمل جامہ پہناتے
اور صورت حال پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت محمد بن مسلمہ کی تقرری خصوصی طور پر
عمل میں لائی گئی تھی، وہ دورے کرتے رہتے اور حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کو جا کر دیکھتے
تھے کہ وہ ان شرائط پر باقاعدگی سے عمل کر رہے ہیں یا غفلت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ایک
مرتبہ مصر کے گورنر عیاض بن غنم کے بارے میں آپ کو مصدقہ اطلاع ملی کہ وہ ان شرائط پر
عمل کرنے میں سستی کر رہے ہیں، تو آپ نے اسے بلا کر ڈانٹا اور انہیں گورنری کے عہدے سے

معزول کر دیا اور فرمایا تمہیں وہ زمانہ بھول گیا جب تمہارا باپ بکریاں چرا یا کرتا تھا۔ آج تم گورنری کے عہد میں اپنی اصلیت کو بھول گئے، یہ لاکھی پکڑو اور اپنے باپ کی طرح بکریاں چراؤ۔
نظر نہیں تو میرے حلقہ سخن میں نہ بیٹھو۔

کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثال تیغ اصیل

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں مزید لکھتے ہیں کہ پانچویں شرط یہ بھی ہوتی تھی کہ گورنر اپنی رعیت کے امیر و غریب کے ساتھ برابر سلوک کرے گا اور اسے بیماروں کی عیادت کے لیے بھی جانا ہوگا جس کے بارے میں آپ کو معلوم ہوتا کہ :

انَّ عَامِلَهُ لَا يَعُوذُ الْمَرِيضَ
وَلَا يَدْخُلُ عَلَيْهِ الضَّعِيفُ
فَرْعُهُ (ص ۱۱)

آپ کا فلاں گورنر بیماروں کی عیادت کے لیے نہیں جاتا اور کمزور و ضعیف بے سہلہ لوگ اس تک نہیں پہنچ پاتے تو آپ اسے معزول کر دیتے۔

بہر حال اسلام کے معاشی و اقتصادی نظام کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور خلفاء راشدین مہدیین نے اسے وہ عروج بخشا کہ اس کی مثال چشم فلک نے نہ پہلے کبھی دیکھی تھی اور نہ بعد میں دیکھنے میں آئی۔

تہذیب مغرب کے دلدادہ اور اسلامی تہذیب سے نا بلد اپنی
اتمام حجت کوتاہ نظری پر رونے اور آنسو بہانے کی بجائے اسلام کو
مطمعون کرتے ہیں کہ اس کا اپنا کوئی معاشی و اقتصادی نظام نہیں ہے۔ ان سے گزارش ہے
کہ وہ تہذیب مغرب کی بجائے اسلام کی تہذیب و تمدن کا مطالعہ کریں۔ عربی زبان
سیکھیں، اسلام کی تہذیب و تمدن اور اس کے اقتصادی و معاشی نظام کی دولت زوال
اور عظیم سرمایہ عربی زبان میں ہے جسے بتدریج مختلف زبانوں میں ڈھالا جا رہا ہے۔ قرآن
کریم، تفاسیر، احادیث، نبویہ صحاح ستہ وغیرہ، ان کی شروح، کتب فقہ اور اسلامی آئین کے

مجموعہ ہائے عظمیٰ، درمختار، شامی، فتح القدر، عالمگیری وغیرہا اسلام کے پاس ایسے
 عظیم الشان ذخائر جو اب نہیں کہ ان کے مقابلے میں پوری دنیا کی تہذیب تہی دامن نظر آتی ہے۔
 راقم نے ان بے بہا ذخائر سے اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام کے جو اہر چن چن کر
 اس کتاب میں یک جا جمع کر دیے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ان لوگوں کی ذہنی اور قلبی
 اصلاح متوقع ہے جو عربی زبان سے ناواقف ہونے کی بنا پر اسلام کے نظام معیشت
 کے مطالعہ سے بہرہ یاب نہیں ہو سکے اور ان حضرات کے معلومات میں اضافہ کی امید بھی
 ہے جو عربی زبان سے واقف ہونے کے باوجود گونا گوں اور طرح طرح کی مصروفیات کی وجہ
 سے اسلام کے اقتصادی نظام کا کما حقہ مطالعہ کرنے کا موقع نہیں پاسکے۔ انشاء اللہ
 العزیز عام مطالعہ کے شائقین سے لے کر مدارس، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے
 طالب علموں اور اساتذہ تک کے لیے راقم کی یہ کوشش مفید ثابت ہوگی۔

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم حدیث عشق بے باکانہ گفتم
 شنیدم آنچه از پاکان اُمت ترا با شاخِ رندانہ گفتم

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوق نہیں ہے
 شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

والسلام ————— محتاج دعائے اہل اللہ

محمد البوسعید غلام سرور، عرف محمد سرور قادری

(ایم۔ اے اسلامک لا)

(استاذ الحدیث والادب العربی جامعہ نظامیہ ضمیمہ)

خطیب پیکو جامع مسجد۔ بادامی باغ۔ لاہور۔

ضمیمہ

کتاب مرتب ہو چکی تھی، تو استاذ العلماء قبلہ مفتی محمد حسنین صاحب نعیمی بانی جامعہ نعیمیہ لاہور و ممبر مشاورتی کونسل نے ہمیں مندرجہ ذیل سوالات جو اسلامی مشاورتی کونسل نے مرتب کر کے علماء کرام کے پاس بھیجے، عنایت فرما کر ان کا جواب طلب کیا، تو ان کی صدارت میں مجلس منعقد کر کے ہم نے ان سوالات کے جوابات تیار کیے، وہی سوالات مع جوابات قارئین کرام کے فائدے کے لیے بطور ضمیمہ حاضر ہیں۔

سوال: کیا حکومت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ یہ ضمانت دے کہ غیر سودی بینک کو اگر نقصان اٹھانا پڑا، تب بھی عندالطلب کھاتے دار کا پورا سرمایہ محفوظ رہے گا، چاہے حکومت کو اپنے پاس سے ادا کرنا پڑے؟

الجواب: اس صورت میں حکومت کو ادا کرنا لازم نہیں ہوگا، اس سے ضمانت المسلمان کہتے ہیں اور یہ صحیح نہیں، لہذا لازم بھی نہیں۔ چنانچہ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

كُرْجَلٍ قَالِ لِأَخْرَبِ مَتَاعَكَ
فِي هَذَا السُّوقِ عَلَيَّ إِنَّ كُلَّ وَضِيعَةٍ
وَأُخْسِرَانِ يُصِيبُكَ فَإِنَّا ضَامِنٌ
لَّكَ فَإِنَّهُ غَيْرُ صَحِيحٍ

جیسا کہ کوئی کسی سے کہے کہ تم اپنا
سامان بازار میں منسوخ کر دو میں
نقصان کا نفا من ہوں، تو یہ صحیح
نہیں ہے۔

(عنایہ شرح ہدایہ ج ۱ ص ۱۱۷)

نقد اور ادھار کی قیمتوں میں فرق

سوال: "زید علانیہ کہتا ہے کہ اس کے سامان کی نقد قیمت سو فیصد ہے اور

اودھار ایک سو بیس روپے ہے۔

(۲) زید سامان قسطوں پر فروخت کرتا ہے اور ایسے سامان کو جس کی نقد قیمت عام طور پر سو روپے سے دس روپے ماہانہ کی بارہ قسطوں میں بیچتا ہے قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں بھی قسطوں میں اضافہ نہیں کیا جاتا۔

(۳) زید قسطوں پر فروخت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اگر کوئی فرد پوری رقم یکمشت ادا کرے، تو اسے بیس فیصد رعایت دی جاسکتی ہے۔

(۴) زید خود تاجر نہیں، لیکن کسی شخص سے جو مال کی یکمشت رقم نہیں ادا کر سکتا معاہدہ کرتا ہے کہ وہ سامان خرید کر دس فیصد سے زیادہ قیمت پر وصول کرے گا۔

الجواب : ع۱ جائز ہے۔

ع۲ یہ بھی جائز ہے۔

ع۳ یہ بھی جائز ہے کہ بدایہ میں ہے، ویجوز ان یحط عن

الذم (ج ۲ ص ۸) کہ بائع کو جائز ہے کہ واجب الادا قیمت میں سے کچھ معاف کر دے۔

ع۴ جائز ہے۔

قرض میں کٹوتی، بندھی

ایک قرض خواہ اپنے قرض کی رقم طے شدہ مدت گزرنے سے قبل وصول کرنا چاہتا ہے مقررہ یا اس کے وکیل کی یقین دہانی پر قرض خواہ کو یہ رقم کٹوتی کر کے وقت سے پہلے ادا کی جاتی ہے جیسے تین ماہ بعد ایک ہزار روپے کے بدلے حاضر میں نو سو پچاس روپے کی ادائیگی، اس طرح قرض چکانے کی شرعی حیثیت کیا ہے، اس کا فیصلہ کرنے وقت مندرجہ ذیل نکات پیش نظر رہیں۔

آج کل یہ طریقہ بندھیوں BILLS OF EXCHANGE کی ادائیگی کے

سلسلے میں کیا جاتا ہے جس کی تکنیک مندرجہ ذیل ہے:

زید نے عمرو سے مال خریدا اور تین ماہ بعد رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا، اس کے لیے زید نے عمرو کو ایک دستاویز ہنڈی کی شکل میں پیش کر دی۔ عمرو نے بنک الف میں یہ ہنڈی پیش کر دی تاکہ اس کی بناء پر بنک سے رقم قرض لے اور بنک الف عمرو کو وہ رقم ادا کرتا ہے لیکن پوری رقم نہیں، بلکہ اصل میں سے کچھ حصہ اپنے حق کے بطور وضع کر لیتا ہے، گویا عمرو کو وقت سے پہلے رقم وصول کرنے کے لیے کوئی منظور کرنا پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حدیث پر نظر رکھیں:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الکالی بالکالی
 اوالدین بالمدین او کما قال علیہ السلام۔

الجواب: اس کے جواز کے خلاف کوئی دلیل نہیں۔ لہذا یہ جائز ہے اور یہ ہنڈی گویا زید نے عمرو سے مطلوبہ رقم کے عوض بشرط کفالت ادا کی۔ گویا زید کی دی ہوئی ہنڈی عمرو کے لیے وثیقہ اور ضمانت ہے کہ اس نے تین ماہ بعد اس پر رقم ادا کرنا ہے اور عمرو اس پر بنک سے کچھ حصہ کم کر کے مطلوبہ رقم وصول کرتا ہے اور جو کم کیا اسے اپنی رضا و رغبت سے کم کیا اور عرف میں اس صورت میں متروکہ رقم اس سے ساقط سمجھی جاتی ہے جس نے ہنڈی دی؛ لہذا جس پر راضی ہوا وہ وصول کیا، باقی معاف کرتا ہے، تو یہ جائز ہے۔ چنانچہ نوالہ گذار صاحب دین میں قہر سچا ہے صدیوں سے دین ساقط کر دے۔ فتح القدیر میں نقد کی بیع نقد کے ساتھ کی چار صورتیں لکھی ہیں جس کی ایک صورت جو جواز سے متعلق ہے، بدینہ لکھی ہے: ویجوز بیع الفلاس بالفلسین باعیانہما عند ابی حنیفہ و ابی یوسف (ج ۲ ص ۵۷) کہ ایک معین پیسے کی بیع دو معین پیسوں سے جائز ہے کہ خلقت کے اعتبار سے تو مشن ہیں نہیں، بلکہ عائنی طور پر مشن ہیں خلقت کی رو سے عمرون ہیں، لہذا ما قدین جب چاہیں، ان کی عائنی ثمنیت کی نفی کر کے تفاسل سے دست

بدست بیع کر سکتے ہیں، لہذا ایک طرف سے بانڈ اور دوسری طرف سے نوٹ ہوں، تو دست بدست تفاسل سے ان کی بیع جائز ہے، یعنی دس روپے والا بانڈ مالک پانچ روپے میں اور چاہے تو سو روپے میں فروخت کر سکتا ہے اور بیع الکالی بالکالی کا معنی یہ ہے کہ دست بدست نہ ہوں، بلکہ ادھار سے ہوں، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

بخلاف اذا كان بغیر اعیانہما لانہ کالی بالکالی و منی عندہ (ج ۲ ص ۲۷)
اور امام حاکم مستدرک شریف میں فرماتے ہیں:

الکالی بالکالی هو النیئة بالنیئة - کہ الکالی بالکالی کا مطلب ادھار کی بیع
ادھار کے ساتھ ہے۔ (ج ۲ ص ۲۷)

اسی طرح بٹدی کی سورت میں بھی گویا بٹدی خریدی اور بیچی گئی جیسے بانڈ خریدے اور بیچے جاتے ہیں، تو اس میں کمی بیشی برضائے عاقدین جائز ہے بیع الجنس بخلاف الجنس یا حط عن الجنس کے طور پر اور یہ دونوں جائز ہیں

قوت خرید میں کمی بیشی اور حکومت کا فرض

افراط زر کی وجہ سے گرانی واقع ہوتی ہے۔ یہ افراط زر بعض قومی مفاد کے حق میں پالیسی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، بعض اوقات بیرونی اثرات کی وجہ سے اور بعض اوقات غلط پالیسی کی وجہ سے افراط زر میں لوگوں کی قوت خرید گھٹ جاتی ہے۔

مندرجہ بالا صورتوں میں سے کیا کسی سورت میں حکومت کے لیے یہ شرعی فرض ہے کہ وہ قوت خرید میں کمی واقع ہونے پر لوگوں کے نقصان کی تلافی کرے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ زید نے آج سو روپے دیے جس سے چار من غلہ خریدا جاسکتا ہے۔ اگر تین سال بعد زید اپنی رقم واپس طلب کرے اور اس وقت چار من غلہ کی قیمت ایک سو بیس روپے ہو تو اس کو بجائے ایک سو روپے کے ایک سو بیس روپے دیئے جائیں، لیکن اگر یہ قیمت اسی روپے رہ جائے تو

اس کو اتنی روپے دیے جاتیں۔

الجواب: اس طرح سے جائز نہیں، ہاں حکومت اس رقم کے بانڈ دیدے، پھر بانڈ کا معاوضہ بانڈ والے صاحب کی مرضی سے کمی بیشی سے دے سکتی ہے کہ بانڈ اور نوٹ دو مختلف جنسیں ہیں اور جنس بدل جائے، تو دست بدست کمی بیشی سے لین دین جائز ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا اور جیسا کہ امام اہل سنت اس صدی کے مجدد امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی معرکہ الآرا کتاب کفل الفقہ شریف میں ارقام فرمایا۔

قرض اور شرح مبادلہ میں تبدیلی

ہمارے کاروباری اور صنعت کار افراد بھی قرضے لیتے ہیں جن کا کام غیر ملکی مشینیں وغیرہ کی درآمد ہوتا ہے۔ یہ قرضے ان حضرات کو پاکستانی سکہ کی شکل میں دیے جاتے ہیں اور اسی شکل میں ان کی ادائیگی کی جاتی ہے، لیکن قرض کی اصل مقدار کا معیار پاکستانی سکہ نہیں، بلکہ غیر ملکی سکہ (ڈالر) ہوتا ہے جس سے پاکستان منسلک ہے۔ اس معیار پر قرضے پہلے سے متفق ہوتے ہیں، لیکن اس طرح واجب الادا مقدار غیر یقینی ہوتی ہے۔ کیونکہ سکہ کی اضافی قیمت غیر یقینی ہے۔ مثال کے طور پر زید نے پانچ سال قبل دس لاکھ روپے قرض لے کر سامان منگوا یا تھا جس کی قیمت اس وقت دو لاکھ ڈالر بنتی، کیونکہ ایک ڈالر پانچ روپے کے مساوی تھا، لیکن بعد میں پاکستانی سکہ کی قیمت گرا دی گئی، نتیجتاً دو لاکھ ڈالر کی قیمت بیس لاکھ روپے ہو گئی۔ اس طرح دس لاکھ روپے کا قرض دس لاکھ روپے کا مقروض بن گیا۔ اسی طرح آگے چل کر ایک ڈالر تین روپے کے مساوی ہو جائے۔ اس صورت میں دس لاکھ روپے کا مقروض صرف پندرہ لاکھ کا دینا رہ جاتا ہے۔ شرح میں تبدیلی اور اس کے لحاظ سے واجب الادا رقم کا فریقین کو پہلے سے علم نہیں ہوتا، البتہ دونوں اس نوعیت کے سود سے پرہیز ہوتے ہیں جو بظاہر غائب ہیں، لیکن

جس کے بغیر پاکستان جیسے ملکوں کو گزارا کرنا انتہائی دشوار ہے اس معاملہ کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی جائے گی۔

الجواب : اس صورتِ حال سے نمٹنے کی کوئی صورت نہیں۔ پاکستانی سکتے کی قیمت ڈالر کے مقابلے میں گر جائے، تو تاجروں کو حکومت کا ضمان الخسران دینا صحیح نہیں کہ پہلے گزر چکا ہے لایسح ضمان الخسران کہ ضمان خسران صحیح اور لازم نہیں، ہاں اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ حکومت سونے اور چاندی کا سکہ رائج کرے، تو اس میں آئے دن کی مصیبت سے کہ پاکستانی سکہ ڈالر کے مقابلے میں گر جاتا ہے اور حکومت و عوام کو خسارہ اٹھانا پڑتا ہے۔ خلاصی ہو جائے گی اور جیسا کہ پہلے سکتے ہو کرتے تھے۔ اس طرح غیر ملکی ڈالر کا تسلط ختم ہو جائے گا اور آئے دن کی پریشانی سے بھی نجات حاصل ہوگی۔

قرضوں کی جدید نوعیت

بعض ماہرین کا خیال ہے کہ بینک لمبے عرصے کے لیے پیداواری قرضوں پر مقررہ شرح سے سود لینے کی بجائے اپنے قرضوں کا نیلام کیا کریں۔ اس کی فرضی مثال یہ ہوگی کہ بینک الف کے پاس دس کروڑ روپیہ لمبی مدت کے لیے قرض دینے کو دستیاب ہے۔ بینک مدت اور رقم کے لحاظ سے اس رقم کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر دیتا ہے، جیسے:-

پچاس لاکھ روپیہ تین سال کے لیے۔

پچاس لاکھ روپیہ سات سال کے لیے۔

ایک کروڑ روپیہ پانچ سال کے لیے۔

پچیس پچیس لاکھ کے آٹھ اجزاء دس دس سال کے لیے۔

دو کروڑ روپیہ چار سال کے لیے، وغیرہ وغیرہ۔

بینک ٹنڈر طلب کرتا ہے کہ جو شخص مقررہ رقم پر مقررہ مدت گزرنے کے بعد سرمایہ

اور سرمائے کا زیادہ سے زیادہ فیصد نفع دینے کی پیش کش کرے گا، تو اسے یہ رقم دے دی جائے گی۔ اس قسم کے معاملے کی شرعی حیثیت کیا ہے۔؟

الجواب: فیصد سے مراد نفع کی شرح کی تعیین و شرط ہے، تو یہ خالص سود اور حرام ہے۔ کل قرض جو بربا (ربا) جس قرض میں نفع مشروط ہو وہ ربا و سود ہے ہاں اگر نفع و نقصان میں شرکت مراد ہے کہ عقد مضاربت ہو، یعنی ایک کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت لیکن اگر نڈر طلب کرنے کا مقصد یہ ہو کہ نفع کا تناسب رب المال کے حق میں زیادہ سے زیادہ ملے پائے، مثلاً عام طور پر نفع اگر $\frac{1}{4}$ سے تو ٹڈر میں کوئی $\frac{1}{2}$ یا $\frac{3}{4}$ و قس علیٰ ہذا دینے کی پیش کش کرے، تو اسے سرمایہ دیا جائے اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ خالص عقد مضاربت ہوگا۔

قرضہ میں شرط

بنک قرض مانگنے والے کو دس ہزار روپے کی بجائے بارہ ہزار روپے کا قرض منظور کرے جس میں دس ہزار روپے مقرروض اپنے کام میں لائے اور باقی دو ہزار اپنے نام سے امانتاً جمع کرا دے۔ ایک سال بعد مقرروض بارہ ہزار روپے واپس کرے جبکہ دو ہزار روپے جو اس کی طرف سے امانت کے طور پر رکھے ہوئے ہیں، وہ پانچ سال بعد نکلوالے۔

الجواب: فقہاء فرماتے ہیں قرض سائر شرط نہیں ہے، خواہ شرط جائز ہی ہو تو شرط

فاسد کا سائر بھی بطریق اولیٰ نہ ہوگا، البتہ قرض نافذ ہوگا اور شرط باطل۔ درمختار میں ہے:

القرض لا یعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منها لا یبطل و لکن یلغو شرط
و دیشی آخر ص ۴۵۴، لہذا صورت مسئلہ میں قرض کا اجراء صحیح ہے، بارہ ہزار رقم دینے کے بعد
دو ہزار کو واپس امانت کے طور پر جمع کرنا مستقر نہیں کیلئے لازم نہیں ہاں اگر جمع کر لے تو اسکی خوشی پر ہوتا ہے

مسئلہ انشورنس (بیمہ)

”بعض احباب کی خواہش پر انشورنس (بیمہ) کا مسئلہ بھی آخر میں درج کیا جاتا ہے۔ یہ سوال امام اہل سنت مجدد اعظم مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ سے دریافت کیا گیا تھا۔ ہم نے وہی سوال اور حضرت مجدد اعظم کا جواب نقل کر دیا ہے۔ یہ اس زمانہ کی بیمہ پالیسی سے متعلق ہے۔ اگر آج کی بیمہ پالیسی میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہو تو جواب بھی اس کے مطابق ہوگا۔“

کہ فرماتے ہیں علمائے کرام کہ زندگی کا بیمہ کرنا شرعاً جائز ہے یا حرام صورت اس کی یہ ہے جو شخص زندگی کا بیمہ کرانا چاہتا ہے اس سے یہ قرار پا جاتا ہے کہ ۵۵ سال یا ۶۰ سال یا ۷۵ سال کی عمر تک مبلغ دو ہزار روپیہ چار یا چھ سو روپیہ ماہوار کے حساب سے تنخواہ میں سے وضع ہوتے رہیں گے۔ اگر وہ شخص ۵۵ سال تک زندہ رہا تو خود اس کو اور اگر میعاد مقررہ کے اندر مر گیا، تو اس کے ورثہ کو دو ہزار روپیہ یکمشت ملے گا، خواہ وہ بیمہ کرانے کے بعد اور اس کی منظوری آنے کے بعد فوراً ہی مر جائے اور اگر میعاد مقررہ تک زندہ رہا، تو بھی وہی دو ہزار ملے گا۔ بیمہ گورنمنٹ کی جانب سے ہو رہا ہے، کسی کمپنی وغیرہ کو اس سے تعلق نہیں۔ بینو اتوجروا۔

الجواب

جبکہ یہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں، تو جائز ہے کوئی عرج نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس کے سبب اس کے ذمہ کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی عائد ہوتی ہو جیسے روزوں یا حج کی ممانعت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
(احکام شریعت، حصہ دوم ص ۱۸)

نوٹ

آخر میں ہم فاضل بریلوی کے معاشی نکات جدید معاشیات کے آئینے میں مصنفہ پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی، طبیعو مرکز قیامیہ لاہور کے اقباسات قدرے ترمیم و اضافہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی علمی وسعت اور فراست کا اندازہ فرمائیں اور استفادہ بھی۔

محمد البوسعدی تادی

تہنید

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت، مجدد دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی
 قدس سرہ موجودہ صدی کی وہ عبقری شخصیت ہیں جن کا مکمل تعارف وہی کرا سکتا ہے جو ان جیسا
 جامع العلوم ہو۔ کسی فن کا ماہر جب انہیں اس فن میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو انگشت
 بند پاں رد جاتا ہے۔ موجودہ یعنی چودھویں صدی کا ربع اول وہ بلاخیز دور تھا کہ بڑے بڑے
 علماء اور لیڈر ثابت قدم نہ رہ سکے، ایسے وقت میں اعلیٰ حضرت بریلوی نے تدبیر فلاح و
 نجات و اصلاح کے نام سے امت مسلمہ کی معاشی بہبود کی خاطر چار تجاویز پیش کی تھیں۔
 جو آج بھی اپنے اندر وزن کھتی ہیں اور احمد رضا خاں بریلوی کی طرف نگاہی کی شاہد ہیں۔
 امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا معاشی نظریہ ایک سچے مسلمان کی طرح وہی تھا جسے
 نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ارشادات الہیہ باری راہنمائی کرتے
 ہیں کہ جو پایوں کی طرح ہمارا مقصد زندگی محض کھانا پینا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی
 اطاعت ہے۔ عقائد ہوں یا اعمال، معاشیات ہوں یا سیاسیات، ہر اعتبار سے اللہ
 تعالیٰ کی اطاعت ناگزیر ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت، حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم
 کی اطاعت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی تعلیمات کا حاصل
 ہی یہ تھا کہ دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو کر طاعت الہی اختیار کرو، فکر معاش
 سے آزاد ہو جاؤ گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **مَنْ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا**
(الزخرف رکوع ۲) ہم نے ان میں ان کی زیست کا سامان دنیا کی زندگی میں بانٹا۔
وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (ہود رکوع ۱) اور زمین پر چلنے والا
 کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔ (کنز الایمان)

موجودہ صدی کے آغاز میں یہ مسئلہ موضوعِ بحث بنا رہا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ علماء کے ایک گروہ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور اس بنا پر (۱) مسلمانوں کے لیے ہندوستان سے ہجرت لازم قرار دی (۲) ہندوستان میں کفار سے سووی کاروبار جائز قرار دیا۔

تحریک ہجرت بڑے زور شور سے چلی، ہزاروں افراد اپنی جائیدادیں برائے نام قیمت پر فروخت کر کے افغانستان چلے گئے، وہاں اتنی گنجائش کہاں تھی، واپس آئے، تو پاس بھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔

سود ایک ایسی لعنت ہے جو افلاس اور بد حالی کی راہ دکھاتا ہے، سود احترامِ انسانیت ختم کر دیتا ہے اور جب سود سود کا چکر چلتا ہے تو آدمی کی زندگی اجیران ہو جاتی ہے مسلمان پہلے ہی ہندوؤں کے سودی شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے، اس فتوے نے یہی کسے پوری کر دی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔ اگر اس فتوے کو پیش نظر رکھا جاتا، تو ہجرت کے سبب پیش آنے والی معاشی تباہی نہ آتی اور نہ ہی قوم سود کے چکر میں مبتلا ہو کر معاشی ابتری کا شکار ہوتی۔

محسنِ ملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے لفظ الفیاض الفاضلین احکامِ قرطاس المدراہم میں ایسی تدبیریں بیان فرمائی ہیں جن سے سودی کاٹا جاسکے اور بغیر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

گداگری ایسی آفت ہے جو قومی جسم میں ایک ناسور کی حیثیت رکھتی ہے یہ نہ صرف قومی انحطاط کی انتہا ہے بلکہ پوری قوم کے لیے ایک غظیرا بھی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے سالہ مبارکہ خیر الامال فی حکم الکسب والسؤال میں ماخضہ کی تہہ پوچھتے ہوئے بیان فرمایا کہ مذکورہ اور کسب معاش کے دیگر ذرائع کی اہمیت بیان فرمائی جس سے افادہ دہی اور اجتماعی فحش حال کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

فاضل بیہوشی کے معاشی نکات

جدید معاشیات کے آئینہ میں

مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے چار نکات مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی و معاشی بد حالی کو دور کرنے کے لیے اپنے رسالے "تدبیر فلاح و نجات و اصلاح" میں یہ تحریر فرمائی اور جو ۱۲/۱۳۳۱ھ کلکتہ سے شائع ہوئے۔ ان نکات کی تفصیل یہ ہے :

۱۔ ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے۔ مسلمان اپنے معاملات باہم فیصلہ کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکیں۔

۲۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد و کن کے تو نگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

۳۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

۴۔ علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔

یہ چار نکات بظاہر بے حد مختصر ہیں، لیکن ان میں معافی کا جو ذخیرہ پوشیدہ ہے، وہ اہل فہم حضرات پر فزردوشن کی طرح واضح ہے۔ وہ چار نکات اس مومن کامل کی فراست کاملہ کی عکاسی کرتے ہیں جس کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے

تقدیر اہم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا

مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

یہ بلاشبہ ایک مرد مومن کے اشارے ہیں اور مومن بھی کیسا مومن کہ جس کی سب انس
 عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معطر تھی۔ ان اشاروں میں جہان معنی پوشیدہ ہے۔
 اس سے پہلے کہ ان نکات پر بحث کروں، بطور تمہید کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔
 ۱۹۱۲ء میں جبکہ یہ نکات شائع ہوئے، برصغیر میں علم اقتصادیات کا مطالعہ
 عام نہیں تھا۔ دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک مثلاً انگلینڈ، امریکہ، فرانس اور جرمنی
 وغیرہ میں دانشوروں کا ایک مخصوص حلقہ اس علم کے اکتساب کی طرف مائل تھا۔
 معاشیات پر باقاعدہ کتابیں لکھی جا چکی تھیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ لیکن عوام کی توجہ اور
 دلچسپی اس مضمون کے متعلق بہت کم تھی۔ طلباء اس مضمون کو خشک سمجھ کر اس سے گریز
 کرتے تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد اور خاص طور پر ۱۹۱۴-۱۹۱۸ء کی عظیم عالمی سرد بازاری کے بعد
 معاشیات کی اہمیت میں جس تیزی سے اضافہ ہوا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔
 اس تمہید سے میری غرض صرف اتنی ہی ہے کہ ناظرین یہ ذہن نشین کر لیں کہ جدید
 اقتصادی نظریات کی ابتدا ۱۹۳۰ء کے بعد سے ہی ہوئی اور یہ بات اس قدر حیرت انگیز
 ہے کہ نگاہ مرد مومن نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی تہدیک ۱۹۱۲ء ہی
 میں دکھادی تھی۔ اگر ۱۹۱۲ء سے مولانا امدد سنا خاں بریلوی کے نکات پر توجہ دیکر
 کیا جاتا اور صاحبِ بیثیت مسلمانان ہند اس پر عمل کرتے تو نہ دستاویزوں کی
 حیثیت معاشنی اعتبار سے مستحکم ہوتی۔

آئیے اب ان نکات پر الگ الگ بحث کی جائے جیسا کہ عرض کیا گیا۔
 بریلوی کے ان نکات کو تعداد پارہ میں سے تین کا تعلق ہے۔ نزدیک جدید
 اقتصادیات کی روح سے ہے اور چوتھا علم دین کی ترویج و اشاعت سے متعلق ہے۔
 پہلا نکتہ ۱۔

”ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے، مسلمان اپنے معاملات باہم فیصلہ کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کرداروں روپے خرچ ہو رہے ہیں، پس انداز ہو سکیں۔“

اس نقطے میں اہم بات پس اندازی ہے۔ فضول خرچی کی مذمت ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو سال قبل ہی کر دی تھی۔ جدید ماہرین اقتصادیات فضول خرچی کی بے حد مذمت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک غیر پیداواری کاموں پر کیے جانے والے اخراجات قطعاً غیر پیداواری حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر بزرگسالی کے بیسیوں صدی عیسوی میں پاکستان بننے سے پہلے تک کی اقتصادی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو میں معلوم ہو گا کہ مسلمانوں نے باہمی مقدمہ بازیوں پر کرداروں روپے سناٹے کیے۔ یوپی میں تقسیم ہند سے پہلے مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے مقابلے میں ۱۴ فیصد تھی، لیکن اقلیت ہونے کے باوجود وہ ایک باعزت اور پروقتار زندگی گزار رہے تھے۔ مسلمانوں کی اقتصادیات اور ان کی خوشحالی کا انحصار زمینداری پر تھا۔ یوپی میں مسلم نوابین، راجاؤں اور زمینداروں کی کمی نہ تھی۔ زمیندار اس صوبے میں وہ افراد ہوتے تھے جو کم از کم ایک گاؤں کے مالک ہوتے تھے، لیکن میں اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ حضرات مقدمہ بازیوں میں پھنسے رہتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مقدمہ بازی ان صاحبان کا دلچسپ ترین مشغلہ ہے۔ میرے ایک قریبی عزیز جو زمیندار تھے بارہ برس سے مسلسل ہمارے گھر آتے رہتے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اپنے ہم زائف سے مقدمہ بازی کے سلسلہ میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کے وزیر داخلہ دلہہ بھائی پٹیل نے یوپی کے مسلمانوں کی معیشت پر زمینداری کا خاتمہ کر کے بھریوار کیا اور مسلمانوں کی اقتصادیات کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی۔

فاضل بریلوی کے پہلے نکتے سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ وہ

مقدمہ بازی پر کیے جانے والے اخراجات کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پہلی بات تو یہ کہ اس طرح مسلمان آپس میں مخالفت پر تلے رہتے تھے۔ دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ یہ کروڑوں روپیہ جو مقدمہ بازی کی نذر ہو رہا تھا کاش کہ اگر بچا جاسکتا، تو مسلمانوں کے کس قدر کام آتا۔ یہ اخراجات قطعاً غیر ضروری بلکہ ناجائز تھے۔ اگر مفاہمت اور سمجھ بوجھ سے کام لیا جاتا، تو اکثر و بیشتر مقدمات کی ضرورت باقی ہی نہ رہتی، اور معاملات باہمی صلاح و مشورے سے طے ہو جاتے اور مسلمانوں کا سرمایہ غیروں کی تقویت کا باعث نہ بنتا۔

فاضل بریلوی نے ۱۹۲۲ء میں پس اندازی کی ہدایت فرمائی تھی، کیونکہ انہیں یہ معلوم تھا کہ مسلمانوں کی اقتصادی بد حالی دور کرنے کا یہی بہترین علاج ہے کہ وہ غیر ضروری اور ناجائز اخراجات یکسر ختم کر دیں اور اس طرف جو کچھ پس انداز ہو وہ اپنی فلاح و بہبود پر صرف کریں۔ ۱۹۲۶ء میں کینز نے اپنا نظریہ روزگار و آمدنی پیش کر کے جدید اقتصادیات کی بنیاد منسوب کی۔

موجودہ دور اقتصادی منصوبہ بندی کا دور ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک ملک کی خوشحالی میں اضافہ کے باقیہ منصوبے بناتے ہیں۔ ان منصوبوں کی میعاد عموماً ۵ سال ہوتی ہے۔ جہاں اقتصادی منصوبہ بندی میں دیر اور باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے وہاں ماہرین اس بات کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں کہ منصوبوں کی تکمیل کے لیے کون ذرائع سے رقم حاصل کی جاسکتی ہے۔ منصوبوں کے لیے رقم ذرائع سے حاصل ہوتی ہے۔

(۱) مل بچت اور ۲) قرض۔

ملک میں اگر بچت کی شرح اونچی ہے تو ملک ذرائع ہی سے منصوبوں پر عمل شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن بچت کی شرح کم ہونے کی صورت میں حکومت کو غنی ملکوں قرضوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ منصوبہ بندی کی تکمیل کے لیے ایک تیسرا طریقہ بھی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ سب

نہ صرف ملک کا مرکزی بینک نوٹ چھاپ چھاپ کر حکومت کے حوالے کرتا رہے، لیکن یہ طریقہ ارزوں ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خطرناک بھی ہے۔ اس سے ملک میں افراط زر آجاتا ہے اور اگر افراط زر پر حکومت جلد قابو نہ پاسکے، تو پھر اس کے نتائج انتہائی سنگین ہوتے ہیں اور معیشت تباہ ہو جاتی ہے۔ لہذا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ملک میں بچتوں کی بہت افزائی کی جائے اور لوگوں کو بچت کرنے پر مجبور کیا جائے۔ ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ بیشتر ترقی پذیر ممالک میں سرمایہ کاری کی شرح ۵ فیصد سے ۸ فیصد ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ شرح ۵ فیصد سے ۸ فیصد ہے۔ یعنی ترقی پذیر ممالک اپنی قومی آمدنی کا صرف ۵ سے ۸ فیصد حصہ سرمایہ کاری کے لیے خرچ کرتے ہیں، جبکہ اقتصادی ترقی کا تقاضا ہے کہ قومی آمدنی کا کم از کم ۱۵ فیصد سرمایہ کاری کے لیے وقف کر دیا جائے۔

اگرچہ زیادہ ہیں، تو سرمایہ کاری زیادہ ہوگی، لیکن بچتیں اگر کم ہیں، تو اقتصادی ترقی کی رفتار بے حد سست ہوگی۔ ۱۹۵۹ء میں ایک امریکی ماہر اقتصادیات کولن کلارک نے بھارت، چین اور پاکستان کے لیے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ان ممالک کی اقتصادی ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ میاں کے افراد کم از کم قومی آمدنی کا ۱۲ فیصد پس انداز کریں اور اسے سرمایہ کاری میں لگائیں۔ لہذا آج کل ہر ملک میں خواہ وہ پسماندہ ہو یا ترقی یافتہ، بچت میں اضافے کے لیے مختلف اسکیموں پر عمل کیا جاتا ہے۔ خود پاکستان میں بہاری حکومت نے ایسی بہت سی اسکیمیں رائج کر رکھی ہیں جن سے چھوٹی چھوٹی بچتوں کی بہت افزائی ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ملک کے ترقیاتی منصوبوں کے لیے ہمیں رقم کی ضرورت ہے اور اس رقم کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ ملکی بچت کے ذریعہ ہے۔

اب اہل دل اور اہل نظر ذرا اس ماحول کو ذہن میں رکھیں جب کہ ۱۹۱۲ء میں

مولانا احمد رضا خان نے مسلمانوں کو اس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی کہ وہ غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کریں اور زیادہ سے زیادہ پس انداز کریں اور آج کے ماحول پر نظر ڈالیں، جبکہ حکومتیں اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ عوام زیادہ سے زیادہ بچت کریں کیا آپ اب بھی قائل نہ ہوں گے۔ مولانا کی دُور اندیشی کے۔ کیا اب بھی آپ کو یقین نہ آئے گا کہ مولانا کی دُور رس نگاہیں مستقبل کو کتنا صاف دیکھ رہی تھیں۔

دوسرا نکتہ:

۲۔ اب آئیے دوسرے نکتے کی طرف مولانا نے فرمایا:

”بستی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد دکن کے تو بڑے مسلمان

بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔“

یہ نکتہ معاشی نقطہ نظر سے اس قدر اہم ہے کہ ہمیں مولانا احمد رضا خان کی اقتصادی سوجھ بوجھ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ۱۹۱۲ء میں ہندوستان کے صرف پندرہ بڑے شہروں میں بینک قائم تھے جن کی ملکیت انگریزوں یا ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ برصغیر میں ۱۹۱۲ء تک کوئی مسلم بینک موجود نہ تھا۔ ۱۹۱۲ء میں بینک اور بنکوں کی اہمیت کا اندازہ لگانا کوئی آسان بات نہ تھی، لیکن مولانا کی نگاہوں سے معاشیات کے مستقبل کے اس اہم ادارے کی اہمیت پوشیدہ نہ رہ سکی اور انہوں نے مال دار مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے بینک قائم کریں۔

سود کی بے پناہ مذمت، سانیوں کے متعلق مولانا احمد رضا خان نے اپنی کچھ کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا ہے: ”ہدایہ ایم میاں“ واضح ہے کہ مولانا احمد رضا خان کی مراد ایسا بینک کاری نظام تھا جو غنیہ سودی بنیادوں پر استوار ہو۔ ایسا بینک نظام نظام ملکی معیشت کو تازہ و صحت مند خون فراہم کر سکتا ہے۔ بینک وہ ادارہ ہے جو لوگوں کی پیتوں کو پیداواری کاموں میں لگانے کا ذریعہ ہے۔ آج کا معاشی نظام اس قسم کے

بینکنگ کے بغیر عضو معطل ہو کر رہ جائے گا۔ تو گویا ایسے بنکوں کی اہمیت موجودہ معاشرہ میں مسلم ہے۔

جدید ماہرین اقتصادیات نے پس اندازی کی دو قسمیں بتائی ہیں :

۱، بچت اور (۲) زر کی ذخیرہ اندوزی

اگر ایک فرد کی ماہانہ آمدنی ۱۰۰ روپے ہے جس میں وہ اتنی روپے اپنی ضروریات زندگی پر خرچ کرتا ہے، تو اس کی ماہانہ بچت بیس روپے ہوگی۔ یہی حال قوموں کا ہے۔ اگر قومی آمدنی قومی اخراجات کے مقابلے میں زیادہ ہے، تو نتیجہ قومی بچت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

اس بچائی ہوئی رقم کو افراد بنکوں میں جمع کرا سکتے ہیں یا بچت کی کسی اسکیم میں لگا سکتے ہیں۔ یہ صورت حال بچت کہلاتی ہے۔ لیکن اگر لوگ بچائی ہوئی رقم کو اپنے ہی پاس رکھیں، تو یہ صورت (Hoarding) کہلائے گی۔ بچت کا تصور ذخیرہ اندوزی کے تصور سے اس لیے مختلف ہے کہ موخر الذکر تصور خالص نفسیاتی ہے جس میں فرد کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ وہ دولتِ زر کی شکل میں جمع کرے اور اسے اپنے پاس ہی محفوظ رکھے۔

جب تک لوگ اپنی بچت غیر سودی کاروباری بنکوں میں جمع کرائیں گے یا کسی بچت کی اسلامی کاروباری اسکیم میں لگائیں گے۔ اس وقت معیشت میں توازن برقرار رہے گا، لیکن جس وقت لوگوں میں زر کو ذخیرہ کرنے کی خواہش بڑھ جائے گی، تو معیشت عدم توازن کا شکار ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں بیساکہ پہلے عرض کیا گیا ہے معیشت میں یا تو افراطِ زر پیدا ہو جائے گا یا کسادِ بازاری پھیل جائے گی اور ہزاروں افراد و ملکی وسائل بے روزگار و بے اثر ہو جائیں گے جس سے معاشرہ میں بے شمار سماجی برائیاں پیدا ہو جائیں گی۔

۱۹۱۲ء میں جبکہ اقتصادی تعلیم محدود تھی کسے معلوم تھا کہ تیس چالیس سال کے بعد

بچت اور بینک کی کس قدر اہمیت اختیار کر جائیں گے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے مستقبل میں جہانک لیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو نہ صرف پس اندازی

کی ہدایت کی، بلکہ صاحب حیثیت اور دولت مند مسلمانان ہند سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے بینک قائم کریں۔ وہ بینک جہاں کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی چھوٹی بچائی ہوئی رقم محفوظ رکھ سکیں اور جہاں سے باصلاحیت مسلمان آجروں کو سرمایہ فراہم ہو سکے اور وہ صنعت کاری کے میدان بندوؤں کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکیں۔

میں سوچتا ہوں کہ کاش ۱۹۱۲ء میں چند ایک ہی ایسے اہل دل مسلمان ہوتے جو مولانا احمد رضا خاں کے ارشادات پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کی اقتصادی تاریخ برصغیر میں یقیناً مختلف ہوتی اور پاکستان کو انتہائی نامساعد معاشی مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ایسی گہری سوج اور ایسے نکات جن کے نتائج اس قدر دور رس ہوں کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو صرف مرد مومن کا کمال ہے۔ اس مرد مومن نے تو نگر مسلمانوں کو دعوت دی کہ مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا بینک قائم کرو تاکہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت سنبھلے۔ یہی بات ۱۹۱۲ء میں قائد اعظم نے دوہرائی۔ اگر ۱۹۱۲ء میں سر آدم جی اور مرزا انصہانی جیسے دو چار سرمایہ دار فاضل بریلوی کی ہدایت پر عمل کر لیتے اور اسلامی اصولوں پر مبنی کاروبار کر کے لیے غیر سودی کاروباری بینک قائم کر دیتے۔ تو مسلمانوں کا معاشی مستقبل بہت کچھ سنور جاتا اور اس کے اقتصادی نتائج نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لیے بلکہ مسلمانان عالم کے لیے بے حد خوشگوار ثابت ہوتے۔

تیسرا نکتہ :-

اب ہم مولانا احمد رضا خاں کے تیسرے نکتے کی طرف آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا :-

۳ "مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔"

فرا اس نکتہ پر غور فرمائیے۔ موجودہ عالمی اقتصادی ماحول کا جائزہ دیکھئے

اور پھر یہ دیکھئے کہ مسلمانوں نے اس غالب دین کے اس زریں اصول کو نہ تو سمجھا اور

نہ ہی اس پر عمل کیا۔ لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد مغربی یورپ کے جنگ سے

متاثر ہونے والے ممالک نے اس پر پورا پورا عمل کیا

اور آج یہ ممالک اقتصادی طور پر دنیا کے مستحکم

ترین ممالک سمجھے جاتے ہیں۔

لکھنؤ میں میں نے اپنے بچپن میں جب کہ دوسری جنگ عظیم زور شور

سے جاری تھی اکثر مسلمانوں کی دوکانوں پر یہ شعر چسپاں دیکھا تھا سے

زندگی عزت کی مسلم ہند میں چاہے اگر

تو یہ لازم ہے کہ سودا جب بھی نے مسلم

یہ غالباً فاضل بریلوی کے اس نکتے کی صیغے بازگشت تھی۔ اس شعر نے مجھے بے حد

متاثر کیا تھا۔ لیکن صاحب حیثیت مسلمانوں کو میں نے ہندوؤں کی دوکانوں سے

خرید و فروخت کرتے دیکھا۔ مسلمانوں میں اس وقت بھی ماہرین اقتصادیات موجود

تھے۔ لیکن بد قسمتی سے ان کی نگاہیں مغربی منفکرتین کی جانب لگی ہوئی تھیں۔

وہ اس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ خود ان کا ایک عالم، اقتصادیات کے بارے

میں کیسے کیسے موٹی ان کے سامنے بکھیر گیا ہے۔ وہ اپنے خزانے سے بے خبر رہے

لیکن مغربی خزانوں کی طرف حسرت و یاس سے دیکھتے رہے اور کسی نے بھی مولانا

کے اس نکتہ پر غور نہیں کیا۔ اور نہ ہی اسے سمجھا اور نہ ہی وضاحت کی ضرورت

محسوس کی۔ اگر اس وقت کوئی بھی مسلم ماہر اقتصادیات اس نکتے کے دور رس

اثرات کی وضاحت کر دیتا اور مسلمان صرف مسلمانوں ہی سے خرید و فروخت کرنے

لگتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان ہندوستان میں معاشی اعتبار سے دوسری قوموں

کے مقابلے میں پست ہوتے۔

معاشیات میں اس بات پر گرما گرم بحث ہوتی رہی ہے اور جس کا سلسلہ

اب تک جاری ہے کہ بین الاقوامی تجارت آزاد ہونی چاہیے یا اس پر پابندیاں

نزدی ہیں اور اس پابندی کو تائین کہتے ہیں۔
 آزاد عالمی تجارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مملکتوں کے مابین اشیاء
 کی آمد و رفت پر پابندیاں نہیں ہیں یا اگر ہیں بھی تو برائے نام۔ اس کے برخلاف
 تائین وہ تحفظ ہے جو حکومت ملکی صنعتوں کو غیر ملکی مقابلے سے بچانے کے
 لیے دیتی ہے۔

سب سے پر زور دلیل جو تائین کے حق میں دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ
 ملک کی نوزائیدہ صنعتیں بیرونی مقابلے سے اس وجہ سے تحفظ کی مستحق ہیں کہ
 وہ مضبوط بیرونی صنعتوں کا اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں قطعاً متاثر نہیں
 کر سکتیں۔ ان کی حفاظت حکومت کا فرض ہے ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے پیروں پر
 کھڑا ہونے سے قبل ہی بیرونی مقابلے کے سامنے دم توڑ دیں
 ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تائین اس لیے ضروری ہے کہ ملک کی دولت ملک
 ہی میں رہتی ہے اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ جذبہ حب الوطنی کے
 فروغ کا باعث ہے۔

اور بھی بہت سے دلائل ہیں۔ جو تائین کے حق میں دینے لگے ہیں کہ
 میں صرف مندرجہ بالا دو دلائل کے متعلق مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے
 تیسرے نکتے کی روشنی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۹۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے برصغیر میں اسلامی حکومت
 کا خاتمہ کر دیا تھا اور انگریزوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ ۱۹۴۷ء
 میں انگریزی حکومت ہندوستان میں حکمہ ہو چکی تھی۔ اس وقت کوئی یہ
 تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ صرف ۵۴ سال بعد فرنگی اس زمین کو چھوڑ کر
 بھاگ جائے گا۔

مسلمانوں کا اب اپنا کوئی ملک نہ تھا لیکن مسلم قوم اب بھی موجود تھی۔ جسے اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ انہوں نے کیا کم کر دیا ہے۔ حکومت ختم ہو چکی تھی مگر قوم اب بھی موجود تھی۔ اس قوم کی سماجی، مذہبی اور معاشی بقا کے لیے مضبوط بنیادوں پر اہل نظر اور اہل علم مسلمانوں کو پالیسیاں وضع کرنی تھیں۔ تعلیمی، سیاہی اور معاشرتی میدان میں مسلم لیڈران سرگرم عمل تھے۔ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جدوجہد تیز تر ہوتی جا رہی تھی لیکن، ہم دیکھتے ہیں کہ اس موقع پر کسی نے بھی مسلمانوں کی اقتصادی بد حالی اور اس سے نمٹنے کے لیے کوئی پالیسی وضع نہ کی۔ اس موقع پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے معاشی نکات پیش کیے، جن پر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے کوئی شور و فکر نہیں کیا۔ تعلیم یافتہ مسلمان اپنی راہبری کے لیے مغربی علم کا سہارا لے رہے تھے۔ اور اس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کے درمیان ایک ایسے باوصف انسان کو بھیج دیا ہے کہ جس کے ارشادات پر اگر مسلمان عمل کرتے تو کب کی اپنی عزت و افلاس سے چھٹکارا حاصل کر کے با عزت زندگی بسر کرنے لگتے۔

مولانا احمد رضا خاں کا تیسرا نکتہ میرے نزدیک معاشی اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔ وہ مسلمانوں کو معاشی تحفظ دینا چاہتے تھے۔ روزگار اور تجارت کے میدان میں مسلمانوں سے بہت آگے تھے۔ بیٹیوں کی ذہنیت اور فطرت ہی یہ تھی کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ روپیہ کمایا جائے۔ مسلمانوں کو اس میدان میں کوئی تجربہ نہ تھا اور اگر مسلمان تجارت کرنا بھی چاہتے تو اول تو سب رو اپنے مقابلے میں انہیں میدان سے بھگا دیتے تھے اور دوسرے اپنیوں کی بے اعتنائی ان کا دل توڑ دیتی تھی۔ فاضل بریلوی پر یہ باتیں روز روشن

کی طرح عیاں تھیں۔ اس کا صرف ایک ہی علاج تھا اور وہ یہ کہ مسلمان مسلم، تجارت پیشہ افراد کو تحفظ دیں اور خرید و فروخت صرف مسلمانوں ہی سے کریں۔ یعنی فاضل بریلوی نے جدید اقتصادی زبان میں مسلمان دوکانداروں کے لیے مسلمان بھائیوں سے تائین کی اپیل کی مسلمان دوکانداروں کی مثال بالکل اس نوزائیدہ صنعت کی سی تھی جسے سخت ترین بیرونی مقابلے کا سامنا تھا اور ان کی بقا اسی صورت میں تھی کہ مسلمان ان کی سرپرستی کریں۔ یہاں کسی ملکی صنعت کو تحفظ نہیں دینا تھا بلکہ اپنی قوم کی اس جماعت کی حفاظت مقصود تھی جو معاشی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے کوشاں تھی۔

اب اگر مسلمانان ہند فاضل بریلوی کے ارشاد پر عمل کرتے تو اس کے اقتصادی نتائج کیا ہوتے؟ مسلمانوں کا پیسہ مسلمان دوکانداروں کے پاس جاتا اپنے طور پر یہ مسلمان تاجر مسلمان تھوک فروشوں سے زیادہ سامان حاصل کرتے۔ مسلم تھوک فروش مسلم صنعت کاروں سے زائد ایشیا، خریدتے اور جب موثر طلب میں اس طرح اضافہ ہوتا تو مسلمان صنعت کار زیادہ ایشیا پیدا کرتے کیونکہ ان کی ایشیا کی طلب میں اضافہ ہوتا۔ ایشیا کو پیدا کرنے کے لیے وسائل پیدائش کی ضرورت ہوتی ہے یعنی زمین، محنت اور سرمائے کی۔ مسلمان صنعت کار جب ایشیا کی پیداوار میں اضافہ کرتے تو یقیناً وہ بے روزگار مسلمان جو تالاکش روزگار میں سرگرداں تھے ملازمتیں حاصل کر لیتے اور جب ان افراد کی آمدنیوں میں اضافہ ہوتا تو ان کی موثر طلب بڑھ جاتی اور معاشیات کا وہ چکر شروع ہو جاتا جو کسی بھی معیشت کو خوش حال کر دیتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان صنعت کار سرمایہ کہاں سے لاتے تو اس کا جواب مولانا احمد رضا خاں کے پہلے دو نکات میں پوشیدہ ہے کہ مسلمان بچت

کریں اور صاحب حیثیت مسلمان بلا سود کاروبار پر مبنی بینک قائم کریں۔ بینک جن کا اولین مقصد پیداواری کاموں کے لیے سرمایہ فراہم کرنا ہوتا ہے۔

اب ذرا یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ فاضل بریلوی کے اس نکتے پر مغربی دنیا نے دوسری جنگ عظیم کے بعد کتنا عمل کیا ہے۔ مغربی یورپ کے ممالک مثلاً جرمنی، فرانس اور اٹلی وغیرہ اس جنگ میں تباہ و برباد ہو گئے تھے۔

خصوصاً جرمنی اور اٹلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جرمنی کی "بندربانٹ" ہوئی۔ ایک حصہ روسیوں کے پاس اور دوسرا

اتحادیوں کے قبضے میں آیا۔ جرمنی دو حصوں میں تقسیم ہو کر مغربی جرمنی اور مشرقی جرمنی بن گیا۔ جرمنی کی اقتصادی و معاشی حالت باسکل تباہ ہو چکی تھی۔ یہی حالت

فرانس اور اٹلی کی تھی۔ لیکن جرمنی نے جلد ہی اپنی حالت کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ وہاں کے دانشمندوں نے یہ بات بخوبی سمجھ لی تھی کہ جرمنی کو اگر

زندہ رکھنا ہے تو اقتصادی بحالی فوقیت کے لحاظ سے اول نمبر پر ہے۔ جنگ کی تباہی کے بعد مغربی جرمنی تہہ اپنی معیشت کو بحال نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا

روم میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے اور یورپین مشنر کہ منڈی کا قیام عمل میں آیا جو

چھ مغربی یورپی ممالک پر مشتمل تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عالمی سیاست میں امریکہ کا طوطی بول رہا تھا اور عالمی معیشت میں امریکی ڈالر کا مقابلہ کرنے والا

کوئی نہ تھا۔ اس منڈی کے قیام کے پس پشت جو نظریہ کار فرما تھا وہ بعینہ وہی تھا۔

جس کی ہدایت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے تیسرے نکتے میں فرمائی تھی۔ یعنی مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔ معاہدہ روم جس کے تحت اس

منڈی کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ان شرائط و ضوابط پر مشتمل تھا کہ منڈی کے اراکین ان اشیاء کو پیدا کریں گے جن کی پیداوار پر انہیں دوسرے ممالک پر فوقیت حاصل ہے۔ منڈی کے اراکین ممالک خود کو ایک وحدت خیالی کریں گے۔ آپس میں تجارت آزادانہ ہوگی یعنی تجارت پر کوئی پابندی نہ ہوگی۔ وسائل، پیداوار کی منتقلی پر پابندیاں نہ ہوں گی۔ درآمدات پر بھاری ٹیکس لگائے جائیں گے اور برآمدات رعایتوں کی مستحق ہوں گی۔ جو ایشیا منڈی کے اراکین پیدا کر سکتے ہیں۔ انہیں باہر سے نہیں منگوا یا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ خرید و فروخت آپس ہی میں ہوگی۔

منڈی کے قیام کے وقت غالباً اراکین کو بھی اس کی کامیابی کا یقین نہ تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ دینا نے حیرت سے دیکھا کہ یہ ادارہ انتہائی مستحکم اقتصادی ادارہ بن گیا۔ منڈی کے اراکین کی معیشت انتہائی مضبوط خطوط پر قائم ہوئی۔ مالی اعتبار سے اراکین کی حیثیت بے حد مضبوط ہو گئی اور ہم نے دیکھا کہ عالمی اقتصادیات میں امریکن ڈالر کی حیثیت ثانوی رہ گئی اور جرمن مارک دنیا کی مضبوط ترین کرنسی بن گیا۔

پاکستان، ایران اور ترکی کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اور جسے ہم آر۔سی ڈی کے نام سے جانتے ہیں۔ وہ بھی انہیں خطوط پر تھا۔ لیکن اس ادارہ کو وہ کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ جس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ آر۔سی ڈی کو کامیاب بنانے کے لیے تینوں ممالک کے سربراہوں کی ایک کانفرنس ۲۶ اپریل ۱۹۷۶ء کو ازبیر (ترکی) میں منعقد ہوئی تھی۔ لیکن ابھی تک کوئی مثبت نتائج برآمد نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اگر تینوں ممالک صدق دل اور نیک نیتی سے اس ادارے کی کامیابی کے لیے کوشش کریں۔ تو کامیابی نصیب نہ ہو۔

بہر حال اس تمام بحث سے غرض یہ تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے جو نکتہ بیان فرمایا تھا اگر مسلمان صدق دل سے اس پر عمل کرتے تو انہیں بھی یقین کا میاں ملتی جو یورپین مشرکہ کہ منڈی کے حصے میں آئی۔ ہمارے ایک عظیم عالم دین نے ہمارے لیے چراغ جلا کر رکھ دیا تھا جس کی روشنی میں ہمیں صحیح راستے کا تعین کرنا تھا لیکن افسوس راستے کا تعین تو درکنار ہم نے اس سمیع ہدایت کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اسے ہم صرف اپنی بد نصیبی اور کوتاہ بینی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یا پھر یہ کہ معاشرتی، سیاسی اور تعلیمی اصطلاحات میں راہبران ملت ایسے اُلجھے کہ انہوں نے مسلمانوں کی اقتصادی اصلاح کی طرف توجہ نہ دی جو یقیناً حیرت انگیز اور قابل افسوس امر ہے جب کہ ان کی ہر بات کے لیے اتنے واضح نکات مولانا، احمد رضا خاں نے ۱۹۱۲ء میں وضع فرما دیئے تھے۔

چوتھا نکتہ :-

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا چوتھا نکتہ گو کہ اقتصادیات کے متعلق ہے لیکن اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ :-

”علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔“

یہ وہ زمانہ تھا کہ سرسید کی تعلیمی اصلاحات کی کوششیں رنگ لارہی تھیں مسلمان مغربی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔ انگریزی تعلیم کا حصول بذات خود ایک اچھی بات تھی۔ مسلمانوں کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لے یہ نقطہ بھی اس لحاظ سے اقتصادیات سے متعلق ہے کہ پہلے تین نکات پر عمل کا جذبہ قومی اور ملی تصب سے پیدا ہوتا اور قومی تصلب و عصبیت کے لیے دینی تعلیم ضروری ہے تو بالواسطہ یہ آخری نکتہ بھی اقتصادیات اسلامی سے متعلق ہے۔ (ادارہ)

کی یہ ہدایت ہے کہ طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن جو بات تشویشناک تھی اور جسے مولانا کی ذاتِ گرامی نے اسی وقت محسوس کر لیا تھا وہ یہ تھی کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ نوجوان نسل مغربی تہذیب کی بھی دلدادہ ہوتی جا رہی تھی یعنی کوآ، ہنس کی پال اختیار کر رہا تھا جو کہ ایک غیر فطری بات تھی۔ فاضل بریلوی نے سمجھ لیا تھا کہ اگر مسلمان علم دین سے بے بہرہ ہو گئے تو وہ اپنی حیثیت و انفرادیت کو گم کر بیٹھیں گے۔ نئی تہذیب ان کی وحدت کو ختم کر دے گی اور ان کا وہی حال ہو گا کہ

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

اکبر الہ آبادی نے بھی یہ بات بخوبی محسوس کر لی تھی اپنی شاعری کے تیز و تند نشروں سے انہوں نے مسلمانوں کو اس خطرے کا احساس دلایا۔ انہیں سمجھایا کہ اپنی اصلیت مت بھولو تمہارا سب سے بڑا خزانہ تمہارا مذہب اور تمہاری تہذیب ہے۔ لیکن ”رفارم“ کا چکر اتنا تیز تھا کہ مسلمان اس طرف متوجہ نہ ہوئے اور اکبر الہ آبادی نے فرمایا کہ

سید اٹھے جو گرت لیکے تو لاکھوں لائے

شیخ قرآن دکھاتے رہے پیسہ نہ ملا

اور یہ کہ

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی سے جا جا کے تمہانے میں

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مغربی تہذیب نے ایسا رنگ مجھایا اور نوجوانوں کو اپنی رنگینوں کا ایب

متوالا بنایا کہ وہ اپنے معاشرے، تہذیب اور مذہب سے دور ہوتے چلے گئے

اور فرنگی اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے گئے۔

مذہب سے بیگانگی برصغیر کے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو بے حد نقصان پہنچایا۔ لیکن جب قائد اعظم محمد علی جناح نے اسلام کے نام پر مسلمانوں کو، ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا چاہا تو مسلمان پروانہ داران کے گرد جمع ہو گئے۔ اسلامی غیرت و حمیت اس وقت بھی مسلمانان ہند میں موجود تھی جس کا نتیجہ تقسیم ہند کی صورت میں ظاہر ہوا۔

مسلمانوں کو ایک نیا ملک نصیب ہوا جو اس بنیاد پر وجود میں آیا تھا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان کی ثقافت و تہذیب ہندوؤں اور انگریزوں سے مختلف ہے۔ مگر یہ نصیبی تو ملاحظہ فرمائیے کہ اسلام کے نام پر علیحدہ مملکت تو وجود میں آگئی مگر تروج دین کی طرف اہل اقتدار نے کوئی توجہ نہ دی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ مملکت اسلامیہ پاکستان کو صحیح طور پر ایک اسلامی ملک بنایا جاتا۔ اسلامی تعلیمات کی اشاعت ہوتی۔ نوجوانوں کو مذہبی تعلیم سے روشناس کرایا جاتا۔ انہیں بتایا جاتا کہ پاکستان کے لیے برصغیر کے مسلمانوں نے کس لیے جدوجہد کی تھی اور بے شمار قربانیاں کیوں دی گئیں تھیں۔ لیکن افسوس کہ اس طرف سے توجہ ہٹالی گئی۔ اقتدار کے لیے رنہ کشی شروع ہو گئی۔ ابھی ملک کی جڑیں مضبوط بھی نہ ہوئی تھیں کہ طوفان حوادث نے اسے آگھیرا۔ مذہب سے بیگانگی نے اور بھی غضب ڈھایا۔ ہم نے خود کو صوبوں سے خصوصیت دے لی اور یہ بھول گئے کہ ہم اول و آخر صرف مسلمان ہیں۔ ہمارے ملک پر جو آفات نازل ہوئیں ان کا بنیادی سبب ہماری، مذہب سے بیگانگی تھا۔ اگر ابتداء ہی سے علم دین کی تروج و اشاعت پر زور دیا جاتا تو ہمیں یہ برے دن ہرگز نہ دیکھنا پڑتے۔

آج ہمیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہماری نئی نسل کو، جو مغرب کی

تقلید میں دیوانی ہوتی جا رہی ہے۔ اسلامی تعلیم، اسلامی تہذیب اور اسلامی تاریخ سے روشناس کرایا جائے۔ اگر اس سلسلہ میں نیک نیتی سے کوششیں شروع کر دی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری نسل اپنی منزل کو نہ پائے۔ بقول شاعر مشرق

علامہ اقبال ع

ذنا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

(بہ شکر یہ مرکزی مجلس رضالائے ہوا)

قرآن و سنت اور فقہ کی تعلیم پر کما حقہ توجہ دی جائے جیسے زمانہ فاروقی میں کما حقہ توجہ دی گئی تھی جس کی تفصیل ہم پہلے عرض کر چکے ہیں تو اسلامی معیشت کے ماہرین پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس کے بغیر ملک کی معیشت کی بقا و کابینہں خود ملک و قوم مسلم کی بقا کا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔

گر بھی خواہی مسلمان زیستن
ہیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

محمد ابو سعید قادری ایم۔ اے اسلامک لاء

افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

افضل البشر بعد الانبیاء صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ اس موضوع پر لاجواب تحقیق مفتی محمد ابوسعید غلام سرور قادری کی معرکتہ الآراء تصنیف۔ عقائد اہل سنت پر بصیرت افروز کتاب۔ عقیدہ سے باخبر ہونا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ حضرت امیر معاویہ اور اہل بیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب۔ آخر میں یزید کے بارے میں اہل سنت کا محقق و مدلل موقف۔ خوبصورت کتابت و طباعت۔

تخفرو من

موت کیا ہے اور مسلمانوں کو موت کیسے آتی ہے۔ مرنے کے بعد مسلمان کو خدا کے ہاں کیا مقام میسر آتا ہے؟ رُوح کیا ہے؟ رُوح کہاں رہتی ہے؟ رُوح کے کمالات کیا ہیں؟ اسے پڑھ کر موت کی وحشت دُور ہو کر وصال کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ لاجواب اور بے مثل کتاب۔ تصنیف مفتی محمد ابوسعید غلام سرور قادری۔ خوبصورت کتابت و طباعت۔

مکتبہ فریدیہ جناح روڈ ساہیوال

ملنے کے پتے

۱۸۱ شاد باغ لاہور

مکتبہ ضیاء القرآن، المعارف، مکتبہ نبویہ

مکتبہ حامدیہ، رضوان

گنج بخش روڈ لاہور

مکتبہ سریدیہ، جناح روڈ ساہیوال

فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

۱۲/-

ملنے کے پتے

۱۸۱ شاد باغ لاہور

مکتبہ ضیاء القرآن، المعارف، مکتبہ نبویہ

مکتبہ حامدیہ، رضوان

گنج بخش روڈ لاہور

مکتبہ سریدیہ، جناح روڈ ساہیوال

فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

۱۲/-



327

سید علی